تاریخِ تصوف

193

حضرت خواجہ سلیمان تونسوی

عبدالصمد صارم الازہری

ادارہ علمیہ ۵ وحی رام روڈ، نئی انارکلی لاہور

ناشر - ادارہ علمیہ ۵ دھنی رام روڈ نئی انارکلی لاہور
باہتمام - مولوی محمد یعقوب خاں ڈیروی مینیجر ادارہ
باراول - ۱۹۶۹ء ایک ہزار
کاتب : محمد صدیق ..... اندرون بھاٹی گیٹ لاہور
مطبع .... نقوش پریس لاہور
قیمت .... دس روپے

عرض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمنا تھی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھ سے تاریخ قرآن، تاریخ تفسیر اور تاریخ حدیث وغیرہ مرتب کرادی، تاریخ تصوف بھی میرے ہاتھوں تکمیل کو پہنچ جائے تاکہ علوم دینیہ کی یہ کڑی بھی میرے قلم سے مرتب ہو جائے۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے یہ کام مجھ سے سرانجام کرا دیا۔ دعا ہے کہ اللہ نے جیسے میری مذکورہ بالا کتابوں کو قبولیت عطا فرمائی ہے اسے بھی مقبول بنا دے۔ آمین

میں نے تصانیف مذکورۃ الصدر کی طرح اس تالیف کو بھی تعصب سے بالاتر ہو کر لکھا ہے۔ جو بات صحیح معلوم ہوئی لکھ دی باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

جون ۱۹۶۹ء صابر

فہرست ابواب و عنوانات کتاب تاریخ التصوف مکمل

الباب الاول فی التاریخ

عنوان	صفحہ

الباب الثانی فی الکتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الباب الاوّل فی التاریخ

"تصوّف کس زبان کا لفظ ہے اور اس کے کیا معنے ہیں؟"

ماہرین و مؤرخین السنہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ دنیا کی ہر زبان کے قواعد و لغات زبان کے وجود میں آنے سے عرصہ دراز کے بعد رفتہ رفتہ معیّن و مدوّن ہوتے ہیں۔

یہ امر بھی مسلم ہے کہ ہر زبان میں کچھ ایسے الفاظ بھی ہیں۔ جو اہل لغت کی نظروں سے بچ گئے ہیں اور بعض ایسے الفاظ بھی ہیں جو قواعد کے حدود سے باہر ہیں۔

عربی زبان کے متعلق اکثر علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ دنیا کی سب سے پہلی زبان ہے اور اُمّ الالسنہ ہے لیکن عربی قواعد کے متعلق مؤرخین کا خیال ہے کہ ابوالاسود المتوفی سنہ ۶۹ھ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے مرتب کئے۔ گویا یہ دنیا کی سب سے پہلی خدا کی عطا کردہ تمام زبانوں کی ماں ہزاروں برس تک بغیر تدوین قواعد لغت کے نوع انسانی کے کام آتی رہی مسلم اور غیر مسلم تمام محققین نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ عربی نہایت وسیع زبان ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

عربی زبان میں ایسی وسعت ہے کہ اس کا احاطہ نبی کے سوا کسی سے ممکن نہیں۔ ڈاکٹر لیبان نے تمدن عرب میں لکھا ہے ؎۲

"عربی زبان میں بے انتہا وسعت ہے" اس بیان پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اگر کوئی لفظ عربی زبان میں رائج ہو۔ یا عربی الفاظ کا ہم شکل ہو۔ لیکن صرف و نحو اور قواعد کی میزان میں پورا نہ اترتا ہو تو بغیر کسی قطعی ثبوت کے اس کو عربی زبان سے خارج نہیں سمجھا جا سکتا۔

تصوف :- یہ لفظ قرآن مجید میں نہیں آیا نہ صحیح حدیثوں میں اس کا پتہ چلتا ہے لیکن ایسی حدیثوں میں یہ لفظ ضرور ہے جن کی صحت پر یقین نہیں کیا جا سکتا جیسے

مَن سمع صوت التصوف ؎۱

فلم یؤمن علی دعائہم کتب عند اللہ من الغافلین۔

اگرچہ یہ حدیث موضوع ہے تو بہرحال قرن ثانی میں وضع کی گئی ہوگی کیونکہ مسلمان زہاد و عباد کے

؎۱ کشف المحجوب مصنفہ علی ہجویری : نمبر ۲ زبان و تعلیم صفحہ ۸۲ جید برقی پریس دہلی سنہ ۱۹۲۳ء مصنفہ صارم

میں صوفی کا لفظ اسی قرن سے شروع ہوتا ہے

تصوف کے معنے بہت سے بیان کئے گئے ہیں سب کا خلاصہ یہ ہے کہ تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب کا نام تصوف ہے۔ اور احسان کا نام تصوف ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفاء میں تحریر فرمایا ہے

بعد فقہ اعظم علوم علم احسان (تصوف) است۔ اعنی آنچہ امروز باسم علم سلوک مسمی شود و قوت القلوب و احیاء العلوم دراں مصنف شدہ است۔ اسلئے یہ ثابت ہے کہ یہ عربی لفظ ہے اور یہ اس علم کا نام ہے جو آدمی کو زہد کی تعلیم دیتا ہے

صوفی کس زبان کا لفظ ہے۔ اور اس کے کیا معنے ہیں صوفی کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ اصحاب صفّہ کی نسبت سے ہے اور عربی لفظ ہے۔

اصحاب صفّہ وہ صحابی کہلاتے تھے جو مسجد نبوی میں رات دن ایک چبوترہ پر رہتے تھے اور ریاضت و عبادت و تعلیم میں مشغول رہتے تھے یہ لوگ جہاد کے سوا کہیں نہ جاتے تھے۔

لیکن لغوی اعتبار سے صفّہ سے صفوی ہونا چاہئے تھا۔ نہ کہ صوفی۔ بعض کا قول ہے کہ صف سے ہے چونکہ قرب الٰہی میں سب سے اوّل صف میں ہیں۔ اس لئے اس لقب سے ملقب ہوئے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں صفوی تھا۔ کثرت استعمال سے صوفی ہو گیا۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ چونکہ صوفیہ صوف پہنتے تھے اس لئے صوفی کہلائے یہ خیال اسلئے صحیح نہیں کہ صوفیائے کرام کے یہاں صوف پہننا لازمی نہیں ہے امام الصوفیہ امام قشیری رسالہ قشیریہ میں فرماتے ہیں "پشمینہ پہننا اس فرقے کی خصوصیت نہیں"۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں یونانی لفظ (سوف) سے بنا ہے جو بمعنی حکمت ہے چونکہ صوفیا میں اشراقی حکما کا سا انداز پایا جاتا تھا اسلئے یہ صوفی مشہور ہو گئے۔ اور اہل عرب (سوف) کو (صوف) سے لکھنے لگے۔ میرے نزدیک یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ہمارے حضرات صوفیائے کرام میں ہرگز اشراقی حکماء کا سا انداز نہ تھا ان کو اشراقی حکما کے طور و طریق سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ کیونکہ حقائق اشیاء کو جاننے کی چار گروہ سعی میں

(۱) صوفی۔ یہ نور نبوت، اتباع رسول، ریاضات و مجاہدات و عقل سلیم سے دیکھتا ہے۔ اس کے بانی انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ان کی ترقی کی کوئی حد نہیں ہے۔

(۲) اشراقی۔ ذاتی کشف و علم و عقل پر بھروسہ کرتا ہے اس کا بانی افلاطون تھا سوائح وہ یہ ہے۔

آگے ان کی ترقی نہیں ہے۔

(۳) متکلمین۔ یہ فرقہ علم دین و منطق پر اعتماد کرتا ہے اس کے بانی علمائے منطق ہیں۔

(۴) مشائین۔ عام علوم و عقل پر مدار کار رکھتا ہے ان کا طریقہ قیاس و استدلال و استقراء ہے ان کا بانی ارسطاطالیس ہے۔ اس تفصیل پر نظر کرنے سے آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ صوفی اور اشراقی میں عظیم الشان فرق ہے بعض نے لکھا ہے کہ صوفی آلِ صوف کی طرف منسوب ہے عہد جاہلیت میں ایک گروہ تھا جو ترکِ دنیا کر کے عبادت کرتا اور خانہ کعبہ کی خدمت کرتا فتح اسلام کے بعد اس گروہ کا خاتمہ ہو گیا۔

کتاب اللمع میں ہے کہ قبل از اسلام ایک صوفی مکہ میں طواف کعبہ کیلئے آیا کرتا تھا۔

کتاب اخبار مکہ میں ہے کہ لفظ صوفی عرب میں اسلام سے پہلے سے رائج تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ عرب میں ایک گھاس ہوتی ہے اس کو صوفانہ کہتے ہیں چونکہ زمانہ جاہلیت میں ر ہبان اور درویش جو جنگلوں میں رہتے تھے۔ وہ اس کو کھاتے تھے اس لئے ان کو صوفی کہا جاتا تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب میں یہ دستور تھا کہ اگر کسی کے اولاد نہ ہوتی تھی یا زندہ نہ رہتی تھی تو وہ منت مانتا کہ اب جو بچہ پیدا ہو گا اس کو کعبہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا جائے گا۔ جب بچہ پیدا ہوتا تھا اس کے سر پر اُون لگا کر اس کو کعبہ میں رکھ دیتے تھے۔ مجاورین کعبہ اس کی پرورش کرتے تھے۔ قبل از اسلام ایک عورت نے بھی منت[1] مانی تو اس کے لڑکا پیدا ہوا۔ تو اس کا نام غوث بن مرہ بن اد بن طابخہ رکھا گیا چونکہ حسب دستور اس کے سر پر اون لگائی گئی تھی اس لئے اس کا لقب صوفہ ہوا۔ اس کی اولاد آلِ صوف کے لقب سے مشہور ہوئی۔ یہ واقعہ چوتھی صدی عیسوی کا ہے۔ لیکن صوفی کی نسبت آلِ صوف سے کرنا بردئے قواعد کچھ صحیح نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ صوفی صوفۃ القفا کی طرف منسوب ہے سر کے پچھلے حصہ (گدی) کے بالوں کو صوفۃ القفا کہتے ہیں۔ اگر کسی شخص کے گدی کے بال پکڑ لیے جائیں تو وہ مجبور اور بے بس ہو جاتا ہے۔ چونکہ صوفی عبادت الٰہی پر مجبور ہے اس لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کو گدی کے بال پکڑ کر مجبور کیا گیا ہے اور خدا کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کہ صفاء سے مشتق ہے۔ میرے نزدیک یہ رائے صحیح ہے اگرچہ قاعدہ کے خلاف ہے۔ چونکہ صوفی صفائی ظاہر و باطن سے آراستہ ہوتا ہے اسلئے یہی مناسب حال ہے اور یہ لفظ بھی انہیں قدیم الفاظ میں سے ہے جو اغلب تدوین سے پہلے رائج ہو چکے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے

[1] خوز المرام فی تصنیفات اولیائے کرام صفحہ ۱۹ مقیدہ دکن پریس ۱۳۳۲ھ

فتاوائے حدیثیہ میں لکھا ہے جو خدا کی یاد میں مشغول رہے۔ اور غفلت سے اپنے قلب کی محافظت کرے۔ اس کا نام صوفی رکھا گیا۔ یہ امر قبل دو سال ہجری کے واقع ہوا۔

مولوی عبد السلام ندوی نے لکھا ہے۔ اسلام میں تصوف ایک نوزائیدہ لفظ ہے۔ اور صوفی کا لقب اہل بغداد کی ایجاد ہے۔ قرون ثلاثہ میں اسلام کے قدیم زمانے میں جو چیز رائج ہو اس کو نوزائیدہ نہیں کہا جا سکتا۔ ایک حدیث سے تصوف کا لفظ پیش کیا جا چکا ہے۔ کتاب اللمع میں ہے (قبل از اسلام ایک صوفی مکہ میں آیا کرتا تھا) کتاب اخبار مکہ میں ہے (کہ لفظ صوفی عرب میں اسلام سے پہلے رائج تھا) حافظ ابن حجر کا قول پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔ کتاب تصوف اسلام میں صفحہ ۳۲ پر حضرت امام حسن بصری کا قول نقل کیا گیا ہے کہ میں نے ایک صوفی کو طواف کرتے دیکھا۔ امام حسن بصری نے قرن اول کے آخر سنہ ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ صوفی کا لفظ امام حسن بصری اور امام سفیان ثوری کے اقوال میں ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد ایم۔ اے لیکچرار عربی فارسی الٰہ آباد یونیورسٹی نے لکھا ہے (یہ لفظ تصوف) حسن بصری المتوفی سنہ ۱۱۰ھ کے زمانہ میں رائج ہو چکا تھا۔ کیونکہ ان کے اور سفیان ثوری کے اقوال میں یہ لفظ مستعمل ہوا ہے امام سفیان ثوری نے ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔ پس یہ ثابت ہے کہ یہ لفظ عرب میں قبل از اسلام موجود تھا۔ اور مسلمانوں میں قرن اول سے رائج تھا۔ اس لئے اس کو نوزائیدہ کہنا صحیح نہیں۔

علامہ لطفی جمعہ مصری نے اپنی کتاب فلاسفۃ الاسلام میں لکھا ہے (کہ صوفی یونانی کلمہ سوفیا سے مشتق ہے جس کے معنی حکمت الٰہی کے ہیں صوفیائے کرام نے اس علم کا اظہار اس وقت تک نہیں کیا اور نہ خود کو اس صفت سے متصف کیا۔ جب تک کہ یونانی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں نہ ہو چکا تھا) علامہ موصوف کا یہ خیال صحیح نہیں۔ یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ ابو ہاشم کہ سنہ ۱۶۱ھ صوفی مشہور تھے جب تک انہوں نے مسائل تصوف کا اظہار نہ کیا ہوگا اس وقت تک اس لقب سے کیونکر شہرت پائی ہوگی۔ تصانیف تصوف میں امام حسن بصری کے رسالہ اخلاص کا یہی نام ہے۔ یہ تصوف اور صوفی کا لقب دوسری صدی ہجری کے ربع اول میں رائج ہوا اور صوفی کا لفظ عربی ہے جس کو ہم ثابت کر چکے ہیں اس لئے اس کو کسی یونانی زبان سے مشتق سمجھنا اور صوفیانہ خیالات کو یونانی تصوف سے ماخوذ سمجھنا غلط ہے۔ اس زمانے تک یعنی دوسری صدی ہجری کے ربع اول تک کسی یونانی کتاب کا ترجمہ نہیں ہوا تھا عہد عباسیہ میں تراجم کی کثرت ہوئی جن کتابوں کا ترجمہ ہوا ان کی فہرستیں مرقوم ہیں ان میں کوئی بھی تصوف کی کتاب نہیں ہے۔

(۱) معارف اپریل [illegible] نوٹ۔ خلیفہ منصور بانی بغداد ۱۳۶ھ میں تخت نشین ہوا۔

صوفی کا لفظ اسلام میں کب آیا اور کیوں کر آیا؟

صحابہ کے بعد تابعین میں صحابہ جیسی جامع ہستیاں کم تھیں اسلئے اکثر علماء و صالحین نے خدمت دین کے لئے ایک ایک شعبہ کو اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اور وہ اپنے فن کی نسبت ہی سے ملقب تھے۔ ایک گروہ حدیث کی تعلیم دیتا تھا یہ محدثین کہلائے جاتے تھے۔ قرآن کریم کی تعلیم دینے والے قُرّاء، تفسیر کا شغل رکھنے والے مفسرین، مسائل کے استنباط کرنے والے فقہاء مشہور تھے۔ ایک گروہ ایسا تھا جو ریاضت و عبادت میں لگا رہتا تھا۔ اور ارکان اسلام، حسن اخلاق و خدمت خلق کی عملی تعلیم دیتا تھا۔ یہ لوگ زُہّاد (زاہد) عُبّاد (عبادت گزار) نُسّاک (نفس کش) بکّائین (کثیر البکاء) وغیرہ لقبوں سے مشہور تھے۔ جب گمراہ فرقے پیدا ہوئے اور انہوں نے تحریف و تلبیس شروع کی اور ریاضت شاقہ کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کیا تو انھوں نے یہ دعویٰ کیا کہ زہاد و عباد ہم ہیں۔ اس لئے اہل حق نے تلبیس سے بچنے کیلئے اپنے زہاد کو صوفی کہنا شروع کر دیا۔ یہ لقب قرن اوّل میں دو ایک بزرگوں کو دیا گیا۔ مگر کثرت کے ساتھ ۱۰۹ھ ہجری سے اس کو اہل بغداد نے زہاد و عباد و اہل حق کیلئے استعمال کیا۔ چنانچہ امام قشیری نے لکھا ہے

"پرہیزگار عبادت گزار لوگ زُہّاد و عُبّاد کہلائے جاتے تھے۔ جب گمراہ فرقے والوں نے اس لقب کو اختیار کیا تو اہل حق نے اپنے بزرگوں کو صوفی کہنا شروع کر دیا۔"

عہد اسلام میں سب سے پہلے صوفی کے لقب سے کون ملقب ہوا

مورخین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے ابوہاشم کوفی المتوفی ۱۶۱ھ صوفی مشہور ہوئے۔
بعض نے لکھا ہے کہ جابر بن حیان کو سب سے پہلے یہ لقب دیا گیا۔ یہ دونوں بزرگ ہم عصر تھے۔
لیکن امام حسن بصری نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک صوفی کو کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اس صورت میں اگر ابوہاشم یا جابر کی عمر سو برس ہوئی ہو تو ممکن ہے کہ انہیں دونوں میں سے کوئی ہو۔ ورنہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان سے پہلے یہ لقب کسی اور بزرگ کا بھی تھا

تصوف کی تعریف

کسی چیز کی تاریخ تلاش کرنے سے پہلے اس کی تعریف کا معلوم کرنا ضروری ہے۔ میں نے تصوف اور صوفی کی تعریف معلوم کرنے کیلئے بزرگان متقدمین اور اولیائے کرام اور صاحب تصانیف صوفیاء اور بزرگان سلاسل کے ملفوظات و اقوال، تذکرۃ الاولیاء مصنفہ شیخ فریدالدینؒ

عطار و عوارف المعارف شیخ شہاب الدین سہروردی و سفینۃ الاولیاء مصنفہ شہزادہ دارا شکوہ سے نقل کئے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر کسی دوسری کتاب سے کچھ لیا ہے تو حوالہ لکھ دیا ہے ترتیب باعتبار سن وفات قائم کی ہے ہر نام کے ساتھ سن وفات لکھ دیا ہے۔

خواجہ شیخ معروف کرخی ۲۰۰ھ

تصوف حقائق کا حصول اور خلائق کے مال و متاع سے یاس ہے۔ تصوف ایک ایسا اسم ہے فقر و زہد کے معانی حاصل ہیں

خواجہ ذوالنون مصری ۲۴۵ھ۔ ظاہری افعال کو گناہوں سے اور باطنی حالت میں فضول کام سے اپنے کو آلودہ نہ کرنا۔ اور خداوند کریم کے احکام کے مطابق مستقل رہنے کا نام تصوف ہے

خواجہ شیخ ابو سلیمان دارائی ۲۱۵ھ۔ تصوف یہ ہے کہ آدمی پر جو کچھ بھی گذرے اسے خدا کی طرف سے جانے اور خدا کے ساتھ اس طرح رہے کہ اس کے سوا کسی کو نہ جانے۔

خواجہ ابراہیم سمان سمرقندی (ہمعصر خواجہ فتح موصلی المتوفی ۲۲۰ھ) تصوف یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو پہچانے۔

خواجہ سری سقطی ۲۵۳ھ تصوف تین معنی کا نام ہے ایک یہ کہ اس کی معرفت نور ورع کو نہ بجھائے۔ دوسرے علم باطن کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہے جس سے کتاب ظاہر کا نقص لازم آتا ہے تیسرے وہ کام کرے کہ لوگ حرام سے محفوظ رہیں۔

خواجہ بایزید بسطامی ۲۶۱ھ اپنے اوپر آسائش کا دروازہ بند کرنا اور محنت اختیار کرنا تصوف ہے

خواجہ ابو حفص حداد ۲۶۵ھ۔ تصوف سراسر ادب ہے

خواجہ سہیل بن عبداللہ تستری ۲۸۳ھ تصوف کم کھانا اور حق تعالیٰ کے ساتھ آرام پانا ہے

خواجہ ابو سعید خراز ۲۸۶ھ۔ اپنے خدا سے صاف اس کے انوار سے بہرہ ور اور اس کے ذکر میں بلند رہنا تصوف ہے

خواجہ شیخ ابوالحسن نوری ۲۸۶ھ۔ تصوف نہ رسوم میں ہے نہ علوم میں لیکن اخلاق میں ہے۔ اگر رسم ہوتا تو کوشش سے پا سکتے۔ اگر علم ہوتا تو سیکھ کر حاصل کر سکتے بلکہ تخلقوا باخلاق اللہ ہے یعنی خدا کے سے اخلاق اختیار کرو۔ تصوف آزادی جوانمردی اور ترک تکلف ہے۔ تصوف نفس کے حصوں کو ترک کرنا حق کے حصے کے واسطے اور دشمنی دنیا سے دوستی مولیٰ سے۔

خواجہ جنید بغدادی ۲۹۷ھ۔ پاک کرنا دل کا مراجعت خلق سے اور دور کرنا طبعی اخلاق کو دنیا سے

سے صفات بشریت کو نفسانی خواہشات سے دور رکھنا، پیدا ہونا صفات روحانی کا ترقی کرنا علوم حقیقی کی طرف، عمل میں لانا ان چیزوں کا جو تا ابد کام آئیں، نصیحت کرنی خلائق کو، باوفا رہنا حقیقت حال پر اور متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصوف ہے۔ ہمارا یہ علم کتاب و سنّت کا پابند ہے جس نے قرآن نہیں پڑھا اور حدیث نہیں سیکھی اس کو اس علم میں گفتگو کرنی مناسب نہیں (رسالہ السماع و الرقص ۲۹۵ھ)

خواجہ سمنون بن لجیب ۲۹۸ھ۔ تصوف یہ ہے کہ نہ تو کسی چیز کے قبضہ میں ہو اور نہ کوئی چیز تیرے قبضے میں ہو

خواجہ ممشاد دینوری ۲۹۹ھ۔ اسرار کی صفائی اسرار شریعت میں مغالطہ نکالنا، راضی بہ رضا رہنا تصوف ہے۔ دانائی بتلانا۔ اور نادانستگی اختیار کرنا، تاکہ خلق کو معلوم ہو جائے، اور نکمے کاموں سے دست بردار ہونا یہ بھی داخل تصوف ہے۔ تصوف حقائق اسرار میں سے ہے اور اس پر عمل کرنا رضائے جبار ہے اور لوگوں کے ساتھ محبت رکھنا۔

خواجہ محمد ادہم ۳۰۳ھ تصوف افعال پر ثابت قدم رہنا ہے تصوف نفس کا اللہ کے ساتھ اس کی مرضی پر چھوڑ دینا ہے۔

خواجہ ابو عبد اللہ جلد ۳۰۶ھ۔ تصوف ایک فقر ہے جو اسباب سے مجرد ہے اور افعال حسنہ پر ثابت قدم رہنا بھی داخل تصوف ہے۔

خواجہ ابو الحسن یوسفی ۳۰۹ھ۔ تصوف نام ہے کوتاہی عقل اور دائمی عمل کا۔ زہد تصوف ہے

خواجہ ابو محمد الجریری ۳۱۲ھ۔ تصوف ہر نیک خصلت سے مزین ہونا اور تمام بری باتوں سے دل کا خالی ہونا ہے۔

خواجہ ابو علی قزوینی۔ تصوف پسندیدہ اخلاق کا نام ہے۔

خواجہ محمد بن القصاب۔ تصوف اخلاق حسنہ کا نام ہے۔

خواجہ ابو بکر کتانی ۳۲۲ھ۔ خلق میں جس کا جتنا زیادہ اچھا خلق ہے اتنا ہی اس کو تصوف حاصل ہے

خواجہ ابو علی بن محمد الرودباری ۳۲۹ھ۔ تصوف یہ ہے کہ صوفی تصوف پہلے نفس کو جفائے بلاء کا مزہ چکھائے دنیا کو ہیچ سمجھے۔ طریقہ سنت پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرے۔

خواجہ شبلی ۳۳۴ھ۔ تصوف ضبط حواس ہے۔ اور نگاہ رکھنا حواس کا، تصوف ضبط قوای اور مراعات انفاس ہے۔

خواجہ ابو محمد مرتعش ۳۲۱ھ۔ تصوف حسن خلق ہے۔

خواجہ ابو عمر نجیل ۳۶۶ھ۔ امر و نہی پر صبر کرنا تصوف

خواجہ ابو العباس نہاوندی ۳۷۰ھ۔ آخر فقر اول تصوف ہے۔ اپنے حال کو پوشیدہ رکھنا اور
اپنے مرتبہ اور عزت کو مسلمان بھائی پر ایثار کر دینا تصوف ہے

خواجہ ابو عثمان سعید ابن سلام المغربی ۳۷۳ھ۔ قطع علائق، ترک خلائق، اتصال بحقائق تصوف ہے۔

خواجہ ابو الحسن علی بن ابراہیم الحضرمی ۳۹۱ھ۔ تصوف دل کی صفائی ہے کدورت مخالفت سے۔

خواجہ ابو سعید ابو الخیر ۴۴۰ھ۔ پرسیدند تصوف چیست۔ گفت آنچہ در سر داری بنہی و آنچہ بر
کف باشد بدہی و از آنچہ بر تو آید نہ جہی (نفحات الانس)

شیخ اسماعیل بن نجید۔ امر و نہی پر صبر کرنا تصوف ہے

امام الصوفیاء امام ابو القاسم قشیری ۴۶۵ھ۔ ہمارا طریقہ کتاب الٰہی اور سنت رسول کی پابندی
ہے (رسالہ قشیریہ)

امام غزالی۔ میں جب صوفیوں کے طریقہ کی طرف متوجہ ہوا، تو مجھے معلوم ہوا۔ کہ ان کا طریقہ علم
و عمل سے تکمیل کو پہنچتا ہے۔ ان کے علم کا حاصل نفس کی گھاٹیوں کو قطع کرنا، خلائق اور صفات خبیثہ
سے پاک اور منزہ ہونا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ قلب کو غیر اللہ سے خالی کیا جائے اور اس کو ذکر الٰہی
سے آراستہ کیا جائے (المنقذ من الضلال للغزالی)

حضرت غوث الاعظم ۵۶۱ھ۔ تصوف کی بنیاد ان آٹھ چیزوں پر ہے۔ سخاوت ابراہیم
رضائے اسحاق، صبر ایوب، مناجات زکریا، غربت یحییٰ، خرقہ پوشی موسیٰ، سیاحت و تجرید عیسیٰ، اور
فقر محمدؐ (فتوح الغیب)

خواجہ شہاب الدین سہروردی ۶۳۲ھ۔ خواجہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے ان تمام
بیانات کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ تصوف نام ہے قولاً و فعلاً و حالاً ہر حیثیت سے اتباع رسول کا،
(تصوف اسلام) تصوف کل صدق ہے اور کل جد ہے۔ بعض صوفیہ کا قول ہے کہ تصوف سراسر جد
ہے اس میں کوئی چیز ہزل و بے ہودگی کی نہ ملاؤ۔

امام الصوفیہ امام عبد الوہاب شعرانی ۹۷۳ھ۔ صوفیوں کا طریقہ کتاب و سنت کے موافق ہے۔ جو
ان کے مخالف ہو راہ راست سے دور ہے (انوار القدسیہ)

علامہ ابن خلدون نے مقدمۂ تاریخ میں جو ۸۰۹ھ کی تصنیف ہے تصوف کے متعلق
لکھا ہے:

تصوف۔ یہ فن دینی ہے جو بعد میں جاری کیا گیا ہے مگر اس کی اصل ابتدائے زمانۂ دین

ہی سے ہے کیونکہ نام ہے عبادت و ذکر و شغل میں لگے رہنے کا برائیوں سے بچنے کا اور خلوت گزینی کا۔ اور یہ تمام باتیں صحابہ میں تھیں۔ مگر جب دوسرے قرن میں لوگ دنیا کی طرف بہت مائل ہونے لگے تو جو لوگ عبادت وغیرہ میں مشغول تھے ان کا نام صوفی ہو گیا

اولیائے کرام میں سے ان بزرگوں کے اقوال نقل کئے ہیں جو تمام سلاسلِ طریقت کے پیشوا ہیں۔ ان تمام اقوال پر نظر کرنے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تصوف نام ہے

اخلاص سے خدا کی عبادت کرنا خلق کی خدمت کرنا، اخلاقِ حسنہ کے ساتھ دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنا بندگانِ خدا کی ظاہری باطنی ترقی کی طرف رہنمائی کرنا تمام اخلاقِ ذمیمہ اور عجب و ریا وغیرہ سے پاک رہنا۔ حسنِ اخلاق کا مفہوم عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آدمی میں مروّت سخاوت و حلم وغیرہ صفات ہوں اور خندہ پیشانی سے پیش آتا ہو۔ بلا شبہ یہ اوصاف حسن اخلاق سے ہیں انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین صادقین و اولیائے کبار کے حالات و اقوال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حسنِ اخلاق کے یہ معنی ہیں کہ خداوند کریم نے جس قدر قوتیں اور قابلیتیں انسان کو دی ہیں، ان کو رضائے الٰہی کے موافق خدمتِ خلق میں اخلاص کے ساتھ صرف کرے۔ عقل کی روشنی میں علوم و حقائق اشیاء پر غور کر کے خلق کی فائدہ رسانی کی صورتیں پیدا کرے اور اپنی تمام قوتوں کو برمحل صرف کرے۔

غلام دستگیر ایم۔ اے لکھتے ہیں۔ مسلکِ تصوف کی بنیاد اور حقیقت کے متعلق مختلف قسم کی غلط فہمیاں اور غلط بیانیاں امتداد زمانہ سے پیدا ہو گئی ہیں۔ مستند اصحاب طریقت اور ارباب معرفت اس پر متفق ہیں کہ تصوف اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اپنے دین کو اللہ کیلئے خالص کیا جائے۔ یعنی اپنے آپ کو ظاہر و باطن میں آیہ کریمہ (مُخْلِصُوا دِينَهُمْ) کا مصداق بنایا جائے ایک غیر مسلم نے تصوف کی یہ تعریف کی ہے [۱]

سب سے اعلیٰ اصول خودی اور خود غرضی کو ترک کرنا اس پر صوفی پر لازم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کا خیال بالکل بھول جائے اور غرور اور خود بینی کو ترک کر کے تن من دھن سے اپنے ہم جنسوں کی مدد اور ہمدردی میں مستعد رہے۔

رسالہ تھیاصوفی [۲] کا مصنف لکھتا ہے۔

تھیاصوفی [۳] علم الٰہی یا علم روحانی کا دوسرا نام ہے۔ تھیاصوفیکل سوسائٹی اس انجمن کو کہتے ہیں جس میں انسان دوست پرہیزگار لوگ شامل ہوتے ہیں۔ اور جو علم روحانی پھیلانے میں امن قائم رکھتے

---

[۱] شمس معنوی صفحہ ۱۶۲ [۲] خلاصہ کلید تھیاصوفی صفحہ مؤلفہ میڈیم ایچ پی بلیوٹسکی ترجمہ ابناس چندر بسواس مطبوعہ گلزار ہند پریس لدھیانہ بار اول ۱۸۹۲ء [۳] رسالہ تھیاصوفی کیا ہے صفحہ ۲ شائع کردہ انبالہ برانچ تھیاصوفیکل سوسائٹی

ہیں۔ بنی نوع انسان میں محبت اور ہمدردی بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ایسی تدبیر سوچتے ہیں جس سے انسانوں میں باہمی اختلاف، بغض و حسد اور کینہ وغیرہ خصائل رذیلہ قطعی طور سے نابود ہو جائیں تاکہ ہر ایک انسان آسانی سے روحانی ترقی حاصل کر سکے۔

غرض غیر مسلموں نے بھی تصوف کی وہی تعریف کی ہے جو ہمارے بزرگوں کے اقوال سے ثابت ہے۔

جب ہمیں تصوف کی تعریف معلوم ہو گئی تو اب یہ امر بہت آسان ہے کہ ہم اس کی تاریخ معلوم کریں کہ یہ مسلک دنیا میں کب سے ہے اور اس پر آج تک کیا کیا دور گزرے ہیں

عقل سلیم اس طرف رہبری کرتی ہے کہ خداوند ذوالجلال نے اس مخلوق کو پیدا کر کے شتر بے مہار کی طرح نہ چھوڑ دیا ہوگا بلکہ اس کے زندگی بسر کرنے اور دنیا میں ظاہری و باطنی ترقی کرنے کیلئے ان کے واسطے کوئی قانون بنا کر بھی اس کے حوالہ کیا ہوگا۔

اس امر کے لئے کسی دلیل و حجت کی ضرورت نہیں کہ اخلاق کی درستی کا سب سے بہتر ذریعہ قانون الٰہی ہی ہو سکتا ہے۔ اسلئے خداوند ذوالجلال نے جو قانون بھی عطا فرمایا ہوگا وہ اخلاق فاضلہ کا معدن و منبع ہوگا۔ وہی علم تصوف ہے اور اس قانون کے حامل و متبع صوفی ہیں یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں اور وہی سب سے پہلے نبی ہیں اور خداوند ذوالجلال نے ان پر صحائف نازل فرمائے لہٰذا آدم علیہ السلام سب سے پہلے صوفی تھے۔ اور ان کے صحائف تصوف کی سب سے پہلی کتاب تھے خواجہ یحییٰ تستری اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں[۱]

قاعدہ تصوف دیرینہ است و اعمال انبیاء صدیقان بودہ است۔

حضرت خواجہ گیسو دراز فرماتے ہیں۔

"اس عالم میں سب سے پہلے صوفی حضرت آدم تھے"[۲] ایک غیر مسلم کی بھی یہی رائے ہے۔

"تنہا صوفی اتنی ہی قدیم ہے جتنی دنیا!! حضرت آدم علیہ السلام پر خداوند ذوالجلال نے جو صحائف نازل فرمائے تھے۔ ان میں وہ مستحکم و استوار تعلیم تھی کہ جب کبھی دنیا میں ان اصولوں کی پابندی کی گئی ظاہری و باطنی ترقی کی راہیں کھل گئیں۔ ان اصولوں میں آج تک تغیر کی ضرورت نہیں ہوئی"[۳]۔

جب اولاد آدم کی مردم شماری بڑھ گئی تو مختلف طبائع اور مختلف خیال کے آدمی جمع ہو گئے بعض راستی پسند تھے اور بعض ایسے تھے کہ حب جاہ و حب دنیا نے ان کے قلوب و دماغ

---

[۱] مکتوب پانچواں [۲] جوامع الکلم دیباچہ صفحہ ا انتظامی پریس حیدرآباد دکن [۳] رسالہ تنہا صوفی کیا ہے صفحہ ۳

کو مغلوب کر دیا تھا اور وہ اپنے مقصد وخواہشات کو ہر جائز و ناجائز طریقہ پر حاصل کرنا چاہتے تھے چونکہ قانون الٰہی ان کے راستہ میں حائل تھا۔ اسلیئے انہوں نے قانون کی خلاف ورزی شروع کی اور اپنی منشاء کے موافق قانون میں تغیر و تبدل کر دیا۔ جب اس قسم کی شرارتوں نے زور پکڑا تو قدیم اصولوں کو رائج کرنے اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے خداوند کریم نے انبیاء و رسل مبعوث کیئے۔ ہر نبی اور رسول نے وہی اصول پیش کیئے جو حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمائے گئے تھے۔ اسلیئے تمام انبیاء و رسل صوفی تھے۔ اور ان کی کتابیں تعلیم تصوف کی کتابیں تھیں جو لوگ ان پر ایمان لائے اور استقلال کے ساتھ ان قواعد پر عمل کیا وہ بھی صوفی تھے۔

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کی حالت ایسی ناگفتہ بہ ہو گئی تھی کہ روئے زمین پر کوئی خدا کا نام لینے والا نہ رہا تھا۔ شر و فتن اور ظلم و ستم کا دور دورہ تھا۔ عصیان و طغیان کا طوفان بپا تھا۔ اور انبیاء کی تعلیم کو لوگوں نے مسخ کر دیا تھا۔ تو خداوند کریم کو اشرف المخلوقات کی اس زبوں حالی پر رحم آیا اور اس نے حضور ختم الرسل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ پر اپنا کلام نازل فرمایا جس میں انسان کی اخلاقی اصلاح کے سب سے اعلیٰ اور مستحکم اصول ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے کلیتاً خلق سے کنارہ کشی اختیار کی ہو۔ یا ایسی ریاضتیں کی ہوں جو نفس پر نہایت درجہ شاق ہوں اور جن سے اتلاف حقوق لازم آتا ہو نہ وہ ہر وقت عبادت میں مشغول رہے۔ بلکہ ان کو سب سے زیادہ خیال اصلاح خلق کا تھا۔ اسی میں وہ اپنا زیادہ وقت صرف کرتے تھے اور لوگوں کو اخلاق حسنہ کی طرف مائل کرتے تھے۔ لوگوں کی راحت رسانی اور دنیا کی ترقی کیلیئے خداوند ذوالجلال نے جو لاتعداد مخلوق پیدا کی ہے اس کے خواص سے فائدہ اٹھانے کی سعی کرتے تھے، اور لوگوں کو اس طرف توجہ دلاتے تھے۔ چنانچہ زراعت تعلیم و تربیت، پارچہ بافی وغیرہ بہت سی صنعتیں حضرت آدم علیہ السلام کی ایجاد ہیں۔ علم طب حضرت لقمان علیہ السلام کی ایجاد ہے۔ علم فلکیات وغیرہ حضرت ادریس علیہ السلام کی ایجاد ہے۔ لوہے کی صنعت حضرت داؤد علیہ السلام نے شروع کی حضرت سلیمان علیہ السلام کے قسم قسم کے کارخانے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چند چیزیں ایجاد کیں اور ان کو سب

سب سے پہلے یہ فکر ہوئی کہ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی جائے۔

غرض انبیاء علیہم السلام کے کارناموں اور سوانح حیات پر نظر کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی سعی صرف امورِ ذیل کیلئے ہوئی تھی۔

۱۔ قیام توحید و اقامت دین ۲۔ ترویج اخلاقِ حسنہ ۳۔ اشاعت علم ۴۔ قیام حکومت الٰہیہ ۵۔ دنیا کی مادی ترقی۔

کسی نبی کی جد و جہد ان امور کے قیام سے خالی نہیں اور از اول تا آخیر وہ سب اسی سعی میں مشغول رہے یہی تعلیم انبیاء کی کتابوں میں ہے۔

یہ تھا حقیقی تصوف اور یہ عمل تھا سچے صوفیوں کا۔

تشتت

حضرت آدم علیہ السلام ہی کے عہد میں گناہوں اور نفسانیت وغیرہ کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ اور صالحین کے مقابلہ میں طالحین کا گروہ موجود ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ لوگوں نے اپنی بدکرداریوں پر پردہ ڈالنے کیلئے مذہب کی آڑ پکڑنی شروع کی اور شریعت انبیاء کے مسائل کو مسخ کر کے عمل پیرا ہونے لگے اس صورت کا قیام جبھی ممکن تھا کہ اس کے علمبردار تقدس کا جامہ پہنیں اسلئے گمراہ کرنے والوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے جو ریاضت و مجاہدہ کر کے جہلاء اور عوام کو اپنی طرف مائل کرتے تھے۔ اور پیچیدہ مسائل گھڑ گھڑ کر لوگوں میں شائع کرتے تھے

تصوف عہد اسلام میں

قرن اول ۱۱۰ھ تک

عہد رسالت ۱۱ھ تک

چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی دنیا کی تاریخ میں بدترین زمانہ تھا۔ دنیا کا کوئی مذہب و مسلک اپنی اصلی صورت پر نہ رہا تھا۔ انبیاء کی تعلیمات کو مسخ کیا جا چکا تھا توحید، اخلاق حسنہ، علم صناعت و تجارت ہر چیز برباد ہو گئی تھی۔ بدامنی۔ جہالت، بدکاری و فواحش نے حسنات کی جگہ حاصل کر لی تھی۔ ان دونوں صدیوں کی حالت کے متعلق تین جید محققین مذاہب غیر کی رائیں نقل کرتا ہوں۔

(۱) چھٹی صدی عیسوی اپنے آخری سالوں کے ساتھ دنیا کی جہالت پر خون رو رہی تھی (ڈی ایکم کے اڈیرا)
(۲) آنحضرت کے بعد دنیا کی اخلاقی حالت تباہ ہو گئی تھی (سجان ڈیلون پورٹ)

بحوالہ تاریخ القرآن حصہ دوم مصنفہ قاضی عبد الصمد صاحب، اردو مطبوعہ جید برقی پریس دہلی ۱۳۵۰ھ

(۴) چھٹی صدی عیسوی میں دنیا پر قومی امتیازات اور نسلی تفریق کی حکومت تھی۔ حالت ایسی دردناک تھی، کہ بیان کرتے ہوئے قلم بھی روتا ہے (رسوامی لکشمی رائے) اشرف المخلوقات کی انتہائی زبوں حالی دیکھ کر خداوند کریم کا بحرِ رحمت موجزن ہُوا اور دنیا کی اصلاح کیلئے حضرت مصلح اعظم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث برسالت فرمایا اور آپ پر وہ کتاب نازل فرمائی جو تمام اصلاحات و علوم و فنون کا منبع و معدن ہے جس سے بہتر اور بڑھ کر اخلاقی تعلیم دنیا کی کسی کتاب میں نہیں۔ حضرت نے خود ارشاد فرمایا ہے (بعثت لا تمم مکارم الاخلاق میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہُوا ہوں)

آپ کے اس دعوے کی تائید قرآن مجید میں بھی ہے۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم۔ (تو بزرگترین اخلاق پر پیدا کیا گیا ہے) قرآن مجید کی اخلاقی ہمہ گیری اور خوبیوں اور ظاہری و باطنی اصلاحات اور دنیوی ترقی کے اعلیٰ اصول کی مدح انصاف پسند محققین غیر نے بھی کی ہے۔

(۱) [1] اخلاقی احکام جو قرآن مجید میں ہیں اپنی جگہ پر کامل ہیں (ڈاکٹر آرنلڈ)

(۲) قرآن ایک فصیح بلیغ اور عجیب و غریب کتاب ہے جو سرچشمہ علوم اخلاق ہے (یہودی فاضل ڈاکٹر ہارزن)

(۳) قرآن جو اخلاقی برائیوں اور دانائی کی باتوں سے بھرا ہُوا ہے ایسے وقت میں دنیا کے سامنے پیش ہُوا جبکہ ہر طرف جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ زمین پر کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں نیکیوں کا رواج ہو اور کوئی جماعت ایسی نہ تھی جو سیدھے راستے پر چلتی ہو۔ قرآن نے عالم انسانیت کی زبردست اصلاح کی اور وحشیوں کو انسان کامل بنادیا جن اشخاص نے اس کے مضامین پر غور کیا ہے۔ وہ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں۔ کہ وہ ایک مکمل قانونِ ہدایت ہے۔ انسانی زندگی کی کوئی بھی شاخ لے لیجئے ناممکن ہے کہ اس شعبہ میں اس کی تعلیمات راہنمائی نہ کرتی ہوں۔ میرا یہ خیال ہے کہ اگر اس کی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔ تو ایک سمجھدار آدمی بیک وقت دنیاوی اور روحانی ترقی حاصل کر سکتا ہے۔ اگر ان اخلاق کو لیجئے جو شرف انسانیت ہیں مثلاً راستبازی۔ پرہیزگاری، رحم و کرم عفت و عصمت تو قرآن میں یہ سب ہدایات موجود ہیں اور اگر ان اخلاق کو لے لیجئے جن کا تعلق دنیاوی ترقی سے ہے۔ مثلاً محبت و شفقت عزم استقلال، شجاعت تو ان ہدایتوں سے بھی قرآن معمور ہے۔ بہر کیف وہ ایک حیرت انگیز قانون ہدایت ہے (پروفیسر ہربرٹ وائل)

---

[1] تاریخ القرآن صفحہ ۲۰۷ لغایت صفحہ ۲۲۱

(۴) مذہب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس میں پرہیزگاری کا ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں پایا نہیں جاتا (سر ولیم میور)

(۵) میں قرآن کی معاشرتی، سیاسی، اخلاقی اور روحانی تعلیم کا سچے دل سے مداح ہوں (لالہ راجپت رائے)

(۶) قرآن ایک عام مذہبی تمدنی، ملکی، تجارتی، دیوانی، فوجداری وغیرہ کا ضابطہ ہے۔ اور ہر ایک امر پر حاوی ہے۔ مذہبی عبادت سے لیکر رات دن کے کاروبار روحانی تک، نجات سے لیکر صحت جسمانی تک، جماعت کے حقوق سے لے کر حقوق افراد تک اخلاق سے لے کر جرائم تک اور دنیوی سزا سے لے کر دینی سزا و جزاء وغیرہ تک کے تمام احکام قرآن میں موجود ہیں۔ اس میں سیاسی اصول بھی ہیں جن کی بناء پر حکومت کی بنا پڑی۔ اور انہیں سے ملکی قوانین اخذ کئے جاتے ہیں۔ روز مرّہ کے مقدمات جانی و مالی کا فیصلہ کیا جاتا ہے قرآن ایک بے نظیر قانون ہدایت ہے اس کی تعلیمات فطرت انسانی کے مطابق ہیں (ہسٹری آف ورلڈ)

(۷) ہم پر اس امر کا اعتراف واجب ہے کہ علوم طبیہ، فلکیہ، فلسفہ و ریاضات وغیرہ جو قرن دہم میں یورپ تک پہونچے وہ قرآن سے مقتبس ہیں اور اسلام کی بدولت ہیں (پروفیسر ڈیون پورٹ)

(۸) پیغمبر عرب نے جو تعلیمات دنیائے انسانیت کے سامنے پیش کی ہیں وہ روحانی اور مادی ہر دو ریاضتوں کو اپنے اپنے ٹھکانے پر رکھنے والی اور دونوں کے درمیان بہترین توازن قائم رکھنے والی ہیں (بدھ عالم چینی لیڈر فن چن)

(۹) اللہ تعالیٰ کا تخیل بلحاظ صفات و قدرت و علم و عالم ربوبیّت اور وحدانیّت قرآن میں موجود ہے۔ اس بنا پر قرآن بہترین تعریف و توصیف کا مستحق ہے (ڈاکٹر راڈویل)

(۱۰) قرآن وہ کتاب ہے جس میں مسئلہ توحید الہی پاکیزگی، نفاست، جلال اور جبروت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے سوا کسی مذہب میں نہیں (پرنسپل ایڈورڈ مونٹ)

(۱۱) رسول عربی نے سب سے پہلے دنیا کے سامنے وحدانیت کی تعلیم پیش کی (ہندو فاضل چیلونکر)

(۱۲) اعلیٰ سے اعلیٰ توحید کا مذہب جو دنیا میں پایا جاتا ہے اسلام ہے (ارنسٹ ہیگل جرمنی)

(۱۳) اسلام کو سب سے بڑی نعمت جو حضرت محمد صاحب نے عطا کی وہ لاشریک خدا کی پرستش تھی (راماند سنیاسی)

(۱۴) اسلام کا دنیا کو سب سے بڑا تحفہ ایک خدا کی پرستش ہے اسلام خدا کو ایک ذات اور بے شریک مانتا ہے (مہندرناتھ اسفہیا)

(۱۵) اسلام توحید ذات باری تعالیٰ کا علمبردار ہے یہ ایک بلند تخیل ہے جس کی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں (بدھ فاضل لنگایا نظمیں)

توحید اور اخلاقِ حسنہ یہ دو ہی چیزیں عین تصوف اور تصوف کی روح رواں ہیں۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے۔ یہ دونوں امور اسلام سے بہتر کسی مسلک و مذہب میں نہیں ہیں۔ اس لئے جو مذہب و مسلک اسلام کے خلاف ہے۔ وہ صاحبِ تصوف نہیں۔

جب انبیاء علیہم السلام صوفی تھے اور ان کا مذہب و مسلک جو انہوں نے پیش کیا تصوف تھا۔ تو جو لوگ ان کے پیرو کار تھے۔ وہ سچے صوفی تھے اور ان کا مسلک صحیح تصوف تھا۔ اب ہمیں تاریخ عالم میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب و تابعین و تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کیا عمل تھا۔ کیا وہ دنیا سے کنارہ کش ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں میں عزلت نشیں ہو گئے تھے کیا انہوں نے ایسا توکل اختیار کیا تھا کہ بغیر کسب و اکتساب رزق حاصل ہو گیا تھا کیا انہوں نے اپنی عمریں تجرد میں گزاری تھیں۔ اور کیا موجوداتِ عالم سے انہوں نے کوئی کام نہیں لیا تھا۔

جب ہم تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں کا ہر شخص جنرل بھی تھا معلم بھی تھا اور عابد و زاہد بھی تھا۔ انہوں نے روم و ایران جیسی عظیم الشان سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے۔ انہوں نے افریقہ و یورپ میں فتوحات حاصل کیں لیکن وہ ہمیشہ حکومتِ الٰہیہ کے قیام و توسیع اور دنیا میں امن و امان قائم کرنے میں ساعی رہے وہ علوم و فنون اور صناعت و تجارت کو فروغ دیتے رہے۔ غرض رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے حالات و اقوال سے جو سراسر تصوف کے مسائل و نکات ہیں۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو چاہیئے دنیا میں علوم و فنون میں ترقی کرے۔ عدل و انصاف کے ساتھ امن و امان کا حامی رہے۔ حُبِّ زر حُبِّ جاہ اور تمام اخلاقِ رذیلہ سے پاک صاف

رہے۔ تمام اوصافِ حمیدہ سے متصف رہے۔ دنیا کی ترقی میں اس طرح جد وجہد کرے کہ ذاتی مفاد کا خیال تک نہ ہو بلکہ خلق اللہ کی راحت وفوائد پر نظر ہو دین وعلوم کی اشاعت پر کمربستہ ہو اگر احقاق حق کی خاطر حرب وضرب کی ضرورت ہو تو ایک مستعد سپاہی کی طرح سینہ سپر ہو۔ محنت مزدوری یا کوئی پیشہ کرکے کما کر کھائے۔ لوگوں پر بار نہ ہو۔ جو حقوق اسکے ذمہ عائد ہیں ان کو کشادہ دلی اور تن دہی سے ادا کرے حقِ خلق اللہ حقِ وطن، حقِ قوم حقِ مذہب، حقِ ہمسایہ، حقِ اقارب، حقِ اہل وعیال، حقِ نفس، ان حقوق کو باحسن وجوہ سرانجام دے۔ ان میں سے بعض امور کی تشریح امام الصوفیہ امام شعرانی نے کی ہے جن کو ہم صوفی کی تعریف میں نقل کریں گے۔

دنیا کو اس طرح چھوڑنا کہ اس سے کوئی تعلق نہ رہے قانون قدرت کے خلاف ہے اس کا نام رہبانیت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے (لا رهبانية في الاسلام یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں ہے)

حضور نے ایسی عبادت وریاضت کرنے کو بھی منع فرمایا ہے جس سے اتلافِ حقوق کا خطرہ ہو۔ عن انس قال دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسجد فاذا حبل ممدود بین الساریتین فقال ماهذا فقالوا حبل لزينب فاذا فترت تعلقت به فقال لا حلوه ليصل احدكم نشاطه فاذا فتر فليقعد اخرجه البخاری وابوداؤد والنسائی

یعنی حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول کریم مسجد میں تشریف لائے دیکھا دو ستونوں کے درمیان رسی بندھی ہے آپ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا یہ حضرت زینب کی رسی ہے جب وہ عبادت کرتے کرتے تھک جاتی ہیں تو اس سے سہارا لے کر بیٹھ جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا اس کو کھول دو۔

حضور نے جائز امور میں بھی اپنے نفس پر بیجا سختی کو منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔ ان لنفسك عليك حقا۔ یعنی تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے۔ آپ نے حلال وطیب اشیاء کے ترک سے بھی منع فرمایا ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ لا تحرموا الطيبات ما احل الله لكم ولا تعتدوا۔ یعنی حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ اور تجاوز سے کام نہ لو۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ رات کو مصیبت مت جھیلو۔ آپ نے سوال کرنے کو بھی منع فرمایا ہے اسلئے اس طرح کی عبادت وریاضت کرنا جو نفس پر شاق ہو۔ اور جس سے اتلاف حقوق ہوتا ہو جس سے قدرت کی قانون شکنی ہوتی ہو۔ اور کھانے پینے میں حلال

چیزوں کو چھوڑنا پڑتا ہو۔ لوگوں پر اپنا بوجھ ڈالنا۔ حلال سے باز رہنا۔ سوال کر کے عزت نفس کو برباد کرنا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر امور شرعیہ کا ترک جائز نہیں اور ایسے امور کا تصوف سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ یہ سب گمراہی کی طرف لے جانے والی چیزیں ہیں۔
حضور نے ایسی باتیں کرنے سے جو عام طور پر سمجھ میں نہ آئیں یا سائل کو اینچ پینچ میں ڈال دیں ظاہر کرنے سے بھی منع فرمایا ہے (عن ابن مسعود ما انت محدث قوما حدیثا لا یعقله عقولهم الا کان لبعضهم فتنة اخرجه مسلم۔ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم کسی سے ایسی بات کروگے کہ وہ اس کی سمجھ سے باہر ہو تو وہ ضرور بعضوں کے لئے حیرانی کا باعث ہوگی اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔
خداوند ذوالجلال نے اپنے کلام پاک میں جو بہترین دعا ہم کو تعلیم فرمائی ہے اس میں بھی عاقبت سے پہلے دنیا کی بھلائی کی التجا ہے (ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ یعنی اے رب ہم کو دنیا و آخرت کی خوبیاں عطا فرما، اور آگ کے عذاب سے بچا۔ اسلئے دنیا سے بالکل بے تعلق ہونا صوفی کیلئے مناسب نہیں ہے۔ بلکہ دنیا میں رہ کر یاد الٰہی میں مشغول رہنا۔ اور امر و نواہی کی پوری پابندی کرنا۔ خلق اللہ کی اصلاح میں کوشش کرنا یہ بڑی بات ہے اور یہی شان ہے مسلمان صوفی کی۔ یہی معنی اور مطلب ہے۔ اس اصطلاح کا جو حضرات نقشبندیہ کا دستور العمل ہے ''دل بیار و دست بکار'' حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔
(خیرکم من لم یترک آخرته لدنیاه ولا دنیاه لآخرته ولم یکن کلا علی الناس) یعنی تم میں سب سے اچھا وہ آدمی ہے جو اپنی آخرت دنیا کے لئے نہ چھوڑے اور نہ دنیا کو آخرت کیلئے ترک کرے اور نہ دوسروں پر بار ہو۔ ارشاد ہے کہ دنیا سے اسی طرح تعلق رکھ کہ جیسے یہاں سے کبھی جانا نہیں۔ اور دنیا سے اس طرح الگ رہ کہ یہ سمجھ لے کہ اس سانس کے بعد شائد دوسرا سانس نہ آئے۔
مطلب یہ ہے کہ دنیا میں آدمی اپنے علم و اعمالِ حسنہ اور حسنِ تدبیر وغیرہ سے ترقی کے ساتھ دنیوی تعلقات کو مستحکم کرے جو اس کے بعد آئندہ نسلوں کی ترقی اور خوش حالی کا باعث ہوں لیکن اس طرح کہ اس میں ایسا شغف نہ ہو جائے۔ کہ اس کی طلب میں

اوامر کی خلاف ورزی کر گزرے اور حسنات کو بھول جائے اور خود غرضی اور نفع ذاتی کے جال میں پھنس جائے۔ بلکہ یہ تعلقات دوسروں کی نفع رسانی کے خیال سے ہوں۔ اگر ایسا عمل ہوگا تو ہر لوث اور حب دنیا سے دل پاک رہے گا۔ قوم کی تعمیر کا مدار۔ اخلاق حسنہ کی ترویج کا انحصار، ظاہری ترقی پر ہے بغیر ظاہری ترقی کے عمومیت کے ساتھ باطنی ترقی کا شیوع اور استحکام مشکل ہے۔ یہ امر قرآن مجید کی تعلیم سے اس طرح ثابت ہے کہ قرآن مجید میں کل (۶۶۶۶) آیتیں ہیں۔ ان میں سے (۵۰۰) آیتوں سے مسائل کا استنباط کیا گیا ہے ان مسائل میں دنیوی مسائل بھی ہیں اور خالص دینی بھی۔ اور (۵۰۰) آیتوں سے دنیوی علوم کا استنباط کیا گیا ہے۔ قاضی ابوبکر المعروف بہ ابن العربی صوفی ۵۴۳ھ نے لکھا ہے۔

ستتر ہزار علوم کا استنباط قرآن سے ہوا ہے اس کی تائید پروفیسر ڈیونرٹ کے اس قول سے ہوتی ہے جس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر موریس فرانسیسی نے لکھا ہے

یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کیلئے جو کتابیں تیار کی ہیں ان میں سب سے بہتر کتاب یہ ہے۔ اس کے نغمے انسان کی خیر و فلاح کے لئے فلاسفۂ یونان کے نغموں سے کہیں اچھے ہیں۔ خدا کی عظمت سے اس کا حرف حرف لبریز ہے۔ قرآن علماء کے لئے ایک علمی کتاب ہے۔ شائقین علم لغت کے لئے ذخیرۂ لغات، شعراء کیلئے عروض کا مجموعہ اور شرائع اور قوانین کا عام انسائیکلو پیڈیا ہے۔ مسلمانوں کو اس کتاب کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں۔ اس کی فصاحت و بلاغت انہیں سارے جہان کی فصاحت و بلاغت سے بے نیاز کئے ہوئے ہے۔ یہ کتاب واقعیت پر مبنی ہے اور اس کی واقعیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ بڑے بڑے انشاء پرداز اور شاعر اس کتاب کے آگے جھک گئے ہیں۔ اس کے عجائب ایسے ہیں جو روز بروز نئے نئے نکلتے رہتے ہیں۔ اور اس کے اسرار ایسے ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوتے۔

قرآن مجید میں جابجا ارشاد ہے کہ اگلی امتوں کے حالات دیکھو آسمان زمین، جبال و اشجار و نجوم، انسان و حیوان، نباتات و جمادات کے احوال و افعال و خواص میں غور کرو اور عقل سے کام لو۔ اس طرح حقائق اشیاء پر عبور حاصل کر کے خلق اللہ کو ظاہری

و باطنی ترقی کا راستہ دکھاؤ مخلوق کی راحت و رونق اور حکومت الٰہیہ کے استحکام میں سعی کرو۔ حضور علیہ السلام نے اور آپ کے صحابہ نے تعمیر قوم اور دنیا کی ظاہری و باطنی ترقی کے لئے پوری جدوجہد کی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے اور رات دن صرف نوافل و وظائف میں لگے رہتے تو نہ دنیا میں منشورِ حق شائع ہوتا اور نہ دنیا ترقی کی اس منزل تک پہونچتی۔ قدرت نے اپنی حکمتِ کاملہ سے جو خزانے اشیائے عالم میں ودیعت رکھے تھے۔ وہ وہیں کے وہیں مدفون رہتے ریاضت و مجاہدہ جو تصوف کا اعلیٰ ترین اصول ہے اور جس پر صوفی کی باطنی ترقی کا مدار ہے اس کی حقیقت صرف اسی قدر نہیں ہے کہ صوفی ہر وقت اوراد و نوافل میں مشغول رہے۔ بلکہ حصول علم میں محنت و تکلیف برداشت کرنا، قوم کی رعایت کرنا، نوع انسانی کی مشکل کشائی کرنا دفع ضلال و شرار اور قیامِ حق و صدق و امن کیلئے مستعد رہنا۔ دینی و دنیوی، سیاسی و ملکی معاملات میں حق کے موافق دنیا کی رہنمائی کرنا۔ یہ سب سے بڑی ریاضت اور عظیم الشان مجاہدہ ہے جس نے اس میں کامیابی حاصل کر لی۔ وہ سچا اور پکا صوفی ہے اور صادق ولی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کبار کا یہی طرز عمل تھا۔ اور آپ کی تعلیم کا زیادہ تر یہی مفہوم ہے۔ رات دن نوافل و وظائف میں مشغول رہنے صائم الدھر اور قائم اللیل ہونے سے یہ ریاضت نفس پر زیادہ گراں ہے۔

خلفائے راشدین اور جلیل القدر صحابہ کی ہمت اشاعتِ اسلام تعمیر قوم استحکام حکومتِ الٰہیہ، ترویج علوم و فنون، نیام امن و قیام تہذیب پر مصروف تھی۔ وہ اس قدر ذکر و شغل نہ کرتے تھے کہ ان امور سے غافل ہو جائیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں پہونچے تو دیکھا کہ ایک شخص نوافل پڑھ رہا ہے آپ نے اس کے درّے لگائے اور فرمایا کہ نہاوند میں تو جہاد ہو رہا ہے۔ اور تو نے یہاں نفل جوڑ رکھے ہیں۔ جا میدان جنگ میں جا۔ صحابہ کرام کے بعد تابعین و تبع تابعین اور ان کے بعد اولیائے کرام کا طرز عمل یہی رہا ہے۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترویج علوم و تہذیب و امن میں بعض کفار اور عوام بھی جدوجہد کرتے ہیں لہٰذا صوفی میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ لیکن اہلِ نظر جب واقعاتِ عالم اور انقلابات زمانہ وغیرہ پر غور کرتا ہے تو اس پر منکشف

ہو جاتا ہے کہ غیر مسلم اور عوام کی جدّوجہد، جاہ طلبی، شہرت اور نفع ذاتی کیلئے ہوتی ہے۔ وہ اپنی تحقیق سعی میں جائز و ناجائز کا لحاظ نہیں کرتا جس سے بعض لوگوں کے حقوق کا اتلاف ہوتا ہے یا کسی کو آزار پہنچتا ہے۔ اس کا قدم ڈگمگا بھی جاتا ہے اور اس کی سعی سے عمومیت کے ساتھ اچھے منافع مرتب نہیں ہوتے کیونکہ اس کا بھروسہ اپنے علم و تدبیر و قوت پر ہوتا ہے۔

صوفی کی جدوجہد میں عزم و استقلال و استقامت ہوتی ہے۔ وہ اوامر و نواہی کا پابند ہوتا ہے جس میں کسی کو مضرت کا خطرہ نہیں ہوتا۔ اس کا دل ذاتی اغراض سے خالی ہوتا ہے وہ خدا کے بھروسے اور توکل پر کام کرتا ہے

حضور علیہ السلام نے خداوند ذوالجلال کے تمام احکام جو ظاہری و باطنی ترقی کے کفیل تھے کھول کر سب کو سنا دیئے اور تمام صحابہ کو تعلیم فرما دیئے آپ نے کوئی بات کسی سے نہیں چھپائی۔ اسلئے اسلام اور اسلامی تصوف میں کوئی بات ایسی نہیں جو خفیہ ہو یا عقل و فطرت کے خلاف ہو یا ایسا عقدہ ہو جس کے سمجھنے سے اکثر عقول عاجز ہوں علم باطن جس کو کہا جاتا ہے وہ کوئی خفیہ چیز نہیں ہے وہ علم شریعت کا دوسرا نام ہے چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں اس طرح تصریح فرمائی ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے دست حق پرست پر جن لوگوں نے بیعت کی تھی وہ سب صوفی تھے۔ یہ لوگ قرآن و حدیث کے سوا کسی چیز پر عمل نہ کرتے تھے۔ ان میں کا ہر فرد عابد و زاہد بھی تھا اور معلّم دینی جج بھی تھا اور جرنل بھی۔ ان میں عزت نفس و خودداری کا یہ عالم تھا کہ کسی سے سوال کرنا یا کسی پر بار ہونا عار سمجھتے تھے۔ گھوڑے پر راستہ چلتے چلتے اگر ہاتھ سے کوڑا گر گیا تو خود اتر کر اٹھا لیا کسی سے سوال نہیں کیا کہ ہمارا کوڑا اٹھا دو۔ بڑے بڑے ممالک فتح کئے صوبوں کے گورنر رہے خزانوں پر حکمران رہے مگر جب مرے اس قدر بیزار تھے کہ ان کی ملکیت میں مصلیٰ، عصا اور کاسہ ان تین چیزوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا خود تکلیف اٹھاتے تھے دوسروں کو راحت پہونچاتے تھے۔ انہیں کی قوتِ بازو سے دنیا میں حق انصاف و علوم و فنون۔ امن و امان کا سمندر موجزن ہوا آج خلقی بھی محیر العقول ایجادات کا انبار ہمارے سامنے ہے جو ہمارے آرام و تعیش کا سامان ہیں، سب انہی صوفیوں کی ہمت و توجہ کا نتیجہ ہے۔ وہ ہر وقت احقاقِ حق۔ و ابطالِ باطل اور خدمت خلق کے لئے کمربستہ رہتے تھے۔ محنت و ایثار کا یہ عالم تھا کہ تاریخ عالم کسی قوم اور کسی زمانے میں ان کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ جب رسولِ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو اس وقت اسلام، ہند، شام، مصر، چین اور افریقہ میں پہونچ چکا تھا۔ ملک عرب تقریباً تمام کا تمام حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا۔ وہ عرب جہاں ہر وقت آتش فساد مشتعل رہتی تھی وہ عرب جس کے باشندے غایت درجہ کے ریشہ کو جھگڑالو تھے وہ عرب جہاں دختر کشی قمار بازی شراب خوری، زناء استحصال بالجبر وغیرہ ذمائم، کثرت سے رائج تھے اور محاسن میں شمار کیے جاتے تھے۔ جہاں جہالت کی تاریکی سے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ جو اسلام کے بعد امن تہذیب حسن اخلاق، اور علم و عمل کا گہوارہ بن چکا تھا۔ قوم کا تعمیری نظام اعلیٰ منزل تک پہونچ چکا تھا۔ توحید کی تعلیم سے سینے منور ہو چکے تھے۔ وہاں ایک بڑی جماعت تیار تھی جو دنیا کی معلم اور راہبر بننے کے قابل تھی اور جنہوں نے اس خدمت کو باحسن وجوہ انجام دیا تھا

یہ تھا وہ تصوف اور تصوف کی تعلیم کا نتیجہ جو انبیاء علیہم السلام کا مسلک جو توحید و تہذیب و حسن اخلاق کا ضامن تھا۔ اگر اس مسلک کے علاوہ کوئی اور مسلک تصوف ہے تو اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اور وہ خدا کے یہاں مقبول بھی نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسلام کے سوا کوئی دین مقبول نہیں۔

غرض توحید اور حسن خلق یہ دو چیزیں تصوف کی روح رواں بتائی جاتی ہیں یہ دونوں چیزیں اعلیٰ درجہ پر اسلام میں موجود ہیں اور اسلام سے بہتر کسی مذہب و مشرب میں نہیں اسلئے متبعین اسلام کے سوا جو کوئی تصوف کا دعویٰ کرے وہ لاف و گزاف ہے۔

تصوف عہدِ خلافتِ راشدہ میں

عہد خلافت اول میں

سنہ ۱۱ھ لغایت سنہ ۱۳ھ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام صحابہ کے اجماع سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے یہ انتخاب موافق عقیدۂ اہل حق باعتبار فضیلت واقع ہوا۔ درحقیقت امت رسول میں حضرت صدیق اکبر سے افضل کوئی بھی نہ تھا نوادر حکم ترمذی میں روایت ہے۔

وما فضل ابوبکر الناس بکثرۃ صیام ولا صلوٰۃ ولا بکثرۃ روایۃ ولا فتویٰ ولا

کلام ولکن لشئی وقع فی صدرہ۔ یعنی ابوبکر صدیق کی فضیلت نہ بکثرت عبادت نہ بکثرتِ علم سے بلکہ اس خاص چیز کی وجہ سے ہے جو ان کے سینہ میں تھی۔

خداوند کریم کا جس بندے پر فضل و کرم ہوتا ہے جس کی عبادت اس کی بارگاہِ عالی میں مقبول ہو جاتی ہے اس کا سینہ منور ہو جاتا ہے اس پر حقائقِ اشیا منکشف ہو جاتے ہیں اس کا نورِ عقل شررِ شبلیہ ضیا بار ہو جاتا ہے۔ اس کے اخلاقِ فاضلہ درجہ کمال کو پہونچ جاتے ہیں انہیں انوار کی برکت سے وہ مخلوقِ خدا کی صحیح راہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ جب ان واقعات پر نظر کی جاتی ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر پیش آئے ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ باعلم۔ سب سے زیادہ صائب الرائے، سب سے زیادہ مدبر اور سب سے بڑھ کر شجاع اور متقی تھے۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے وقت تمام صحابہ پر ایک سکتہ کا عالم طاری تھا کسی کے ہوش و حواس بجا نہ تھے۔ حضرت عمر جیسے دانا اور شجیع اور مستقل مزاج کی یہ حالت ہوئی کہ شمشیر بکف مسجد میں آکر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے جو کوئی یہ کہے گا کہ رسول اکرمؐ نے وفات پائی اس کا سر اڑا دوں گا۔ اس وقت حضرت ابوبکر کے استقلال نے ان کو اور سب کو سنبھالا۔ اور آپ نے مسجد میں آکر یہ آیت تلاوت کی "محمد ایک رسول تھے ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے ہیں۔ کیا وہ وفات پا جائیں گے تو تم اپنی پہلی حالت پر لوٹ جاؤ گے"۔ اس آیت کا سننا تھا کہ سب کے ہوش و حواس درست ہو گئے۔

اس کے بعد انصار میں انتخابِ خلافت کا مسئلہ پیش ہو گیا۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق اسوقت نہ پہونچتے اور تدبر سے کام نہ لیتے تو اسی وقت مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہو جاتا۔ اس اہم معاملے کو رو براہ لانا انہیں کی عقلِ سلیم کا کام تھا۔ حضور کے آخر زمانے میں مدعیانِ نبوت کھڑے ہو گئے تھے آپ کی وفات سے ان کو تقویت حاصل ہوئی۔ اور انہوں نے شورش بپا کر دی۔ بعض قبائل میں ارتداد پھیل گیا۔ حضور نے اپنی زندگی میں جیش اسامہ تیار کیا تھا وہ لشکر روانہ ہونے نہ پایا تھا کہ وفات ہو گئی۔ حضرت ابوبکر نے یہ معاملہ صحابہ کے سامنے پیش کیا حضرت عمر اور تمام صحابہ نے کہا ملک کی اندرونی حالت ابتر ہے حضور کی وفات کا سانحہ تازہ ہے اس وقت اس لشکر کی روانگی مناسب نہیں۔ مگر حضرت ابوبکر کی ہمت و شجاعت اور عقلِ دوربین نے اس کو قبول نہ کیا اور اس لشکر کو روانہ کر دیا جو کامیاب ہوا اور مدعیانِ نبوت و باغیوں کی خوب سرکوبی کر دی۔ اسی بدامنی کے زمانے میں بعض مسلمانوں نے کہا کہ ہم مسلمان

ہیں. مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے. صحابہ نے اس معاملہ کو ٹالنا چاہا مگر حضرت ابوبکر نے کہا میں ان کے خلاف بھی جہاد کروں گا۔ آخر ان کو بھی سیدھا کر لیا۔ پھر جمعِ قرآن کا معاملہ پیش آیا۔ حضرت زید وغیرہ، جلیل القدر صحابہ نے اختلاف کیا لیکن حضرت ابوبکر نے سب کو قائل کر کے اس اہم کام کو بھی سرانجام کرا لیا۔ اگر ان واقعات پر تفصیل کے ساتھ غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ اس سے زیادہ خطرناک وقت اسلام کے لئے کوئی بھی نہیں تھا۔ اس وقت کی سنبھال اور اصلاح سب سے بڑے مدبّر اور شجیع سے ہی ممکن تھی جس کو حضرت ابوبکرؓ نے باحسن وجوہ انجام دیا اصلاحِ خلق، رفاہِ خلق، تعلیم امن و تہذیب اور اشاعتِ دین وغیرہ ان تمام امور کو ملک گیری اور ملک داری کے ساتھ ساتھ نہایت خوبی اور استحکام کے ساتھ قائم کیا، سخاوت، عفو، رحم، عدل، خدمتِ خلق۔ انکساری ان خصائل حمیدہ میں آپ سب سے بڑھے ہوئے تھے آپ کے حالات اور زندگی کے کارناموں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا طرز زندگی سیدھا سادہ تھا جفاکشی کا یہ عالم تھا کہ کوئی بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ رات کو مصلّے کی پشت پر سوار تھے۔ تو دن میں تختِ حکومت پر جلوہ گر تھے۔ یہ تمام محنت و جفاکشی نہ اپنی ذات کے لئے تھی نہ اپنے اہل و عیال کیلئے یہ سب کچھ خدمت و اصلاحِ خلق کیلئے تھا۔ ان کا مطمحِ نظر ان کی جدوجہد کا مقصد ترویجِ اخلاقِ حسنہ و توحید خالص و اشاعتِ علمِ دین اور قیامِ امن و تہذیب تھا یہی خلق کی سب سے بڑی خدمت ہے یہی تصوف کی تعلیم اور اس کا نتیجہ ہے۔ امّتِ محمدیہ میں یہ تھے صوفیِ اوّل خواجہ علی ہجویری نے کشف المحجوب میں خواجہ ابوالنصر سراج نے کتاب اللمع میں اور شیخ اکبر ابن عربی نے فتوحاتِ مکیّہ باب ۹۳ میں حضرت ابوبکر کو امام الصوفیہ لکھا ہے۔ حضرت ابوبکر کے زمانے میں بہت سے ممالک فتح ہوئے۔ کثرت سے لوگ مشرف باسلام ہوئے آپ نے ان کی تعلیم کیلئے مدارس قائم کئے۔ اور آپ خود بھی رسولِ کریم کے دیگر متبعین کی طرح تعلیم و تربیت فرماتے رہے اور کبارِ صحابہ جیسے حضرت عمر و عثمان و علی وغیرہ کو بھی تربیت فرمائی۔ [۱]

تصوف عہدِ خلافتِ دوم میں

سنہ ۱۳ھ سے سنہ ۲۴ھ تک

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے آپ کا طرزِ عمل وہی تھا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق کا تھا۔ آپ کے عہد میں فتوحات کی کثرت ہوئی۔ اسلام کی اشاعت میں عظیم الشان ترقی ہوئی۔ آپ نے رفاہ

[۱] مناظر السالک صفحہ ۲۱ بحوالہ رسالہ قند سعیہ خواجہ محمد باری۔

خلق اور قیام امن و امان اور دنیوی ترقی کیلئے بہت سی اصلاحیں نافذ کیں اور جبری تعلیم رائج کی شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ ان کے متعلق لکھتے ہیں اور علم صوفیہ اسنت در علم تصوف وراثت آمدت مرحومہ اور ازالۃ الخفاء حصہ دوم میں لکھا ہے کہ تصوف میں زیادہ فیض حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا ہے۔

حضرت عمر نے نہایت جانفشانی اور دیانت سے امور خلافت کو سرانجام دیا۔ جو کچھ کیا مفادِ عام اور مفاد اسلام کے لئے کیا انہوں نے اپنی ذات یا اپنے کنبہ کے لئے کچھ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ جب آخیر وقت میں صحابہ نے آپ سے انتخاب خلیفہ کیلئے کہا تو آپ نے اپنے عابد و زاہد اور عالم و فاضل بیٹے عبداللہؓ کا نام نہیں لیا۔ اس پر ایک صاحب نے ان کا نام لیا۔ تو فرمایا بیشک اس کو شریکِ مشورہ کر لینا۔ مگر اس کو منتخب نہ کیا جائے۔

تصوف عہد خلافت سوم میں

۲۴ھ سے لغایت ۳۵ھ

حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان خلیفہ ہوئے آپ نے بھی مثل حضرت شیخین کے صحابہ اور تابعین کی تربیت و پرداخت پر توجہ کی اور قرآن مجید کو ایک لغت پر جمع کرا دیا۔ آپ کے عہد میں فتوحات فاروقی کی تکمیل ہوئی بہت سے امصار و دیار فتح ہوئے، ہر ملک و دیار میں کثرت سے لوگ مشرف باسلام ہوئے، اور کثرت سے صحابہ اقطاع عالم میں منتشر ہو گئے۔ اس طرح نومسلموں کی تعلیم و تربیت میں سہولت ہو گئی۔

واقفانِ علم تاریخ آگاہ ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے دس دن بعد تفرقہ پیدا کرنے کے لئے یہود نے ایک جماعت بنائی تھی جنہوں نے بظاہر مذہب عیسوی قبول کر کے درویشی اختیار کر لی تھی۔ اور ریاضت و مجاہدہ سے اپنی بزرگی کا سکہ عوام کے قلوب پر بٹھا کر اس قسم کے عقائد و مسائل کو بیان کرنا شروع کیا کہ مذہب عیسوی میں تفرقہ پڑ گیا وہی روش یہود نے اسلام کے متعلق اختیار کی حضرت عثمان کے آخر عہد خلافت میں ایک یہودی بظاہر مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے پہلے تو یہ سلسلہ شروع کیا کہ حضرت عثمان اور ان کے عمال حکومت پر نکتہ چینی کرنے لگا۔ اور لوگوں میں اپنے خیالات شائع کرنے لگا اگرچہ حضرت عثمان نے کئی بار ان فرضی الزامات کی معقول و مدلل تغلیط کی لیکن ابن سبا کا پروپیگنڈا جاری رہا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سرداری، یا حکومت پر کسی کو مامور فرماتے تو سب سے پہلے بدری صحابہ کا لحاظ کرتے تھے پھر دیگر اصحاب میں سے ان کی اسلامی خدمات اور اہلیت کے مطابق انتخاب فرماتے۔ خلیفہ اول، اور خلیفہ ثانی کے عہد میں بھی یہی دستور تھا اسی پر حضرت عثمان کا عمل تھا۔ ابن سبا نے نو مسلموں اور نوجوانوں میں یہ تحریک پھیلائی کہ گورنری وغیرہ بڑے بڑے عہدوں کا مطالبہ کرو۔ اس طرح اس نے حکومت اسلامیہ اور خلیفہ کے خلاف ایک جماعت تیار کر دی۔ ساتھ ہی ساتھ عقیدۂ تفضیل کی بنا ڈالی۔ اول اول یہ خیال پھیلایا گیا کہ حضرت علی حضرت عثمان سے افضل ہیں۔ پھر اس کو ترقی دے کر حضرت علی کو سب سے افضل قرار دے دیا گیا۔ ابن سبا کی ماں چونکہ حبشن تھی اس لئے اسے ابن سوداء بھی کہتے ہیں۔ ابن سبا نے جب تفرقہ بازی کی حرکتیں شروع کیں تو گورنر بصرہ اور گورنر شام نے اس کو شہر بدر کر دیا۔ اس نے چند روز خاموش رہ کر مناسب موقع پر اپنا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ حضرت عثمان کے عہد میں صرف سیاسی اختلاف رہا اور فرقہ تفضیلیہ پیدا ہوا لیکن سوائے عقیدۂ تفضیل کے دیگر عقائد یا مسائل میں اور کوئی اختلاف نہ تھا۔

تصوف عہدِ خلافت چہارم میں

۳۵ھ سے ۴۰ھ تک

حضرت عثمان کے بعد حضرت علی خلیفہ ہوئے اور سیاسی اختلافات نے بڑھ کر جنگ و جدل کی صورت اختیار کی۔ ابن سبا اپنے خیالات کی اشاعت میں مصروف رہا اس کو اور اس کے ہم خیال لوگوں کو حضرت علی نے چند مرتبہ زجر و توبیخ کی جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی میں جنگ ہوئی تو اس زمانے سے حضرت علی کے طرفداروں کو شیعانِ علی (علی کے مددگار) کہنے لگے۔ دونوں جنگ آور گروہوں میں سیاسی اختلاف کے سوا کوئی مذہبی اختلاف نہ تھا۔ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ میں جنگ ہوئی صلح کے لئے ایک پنچایت قرار پائی اس کے ممبر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جس گروہ نے شرارت پھیلائی تھی، اور اس کے آدمی حضرت عثمان کے قتل میں شریک تھے۔ اس گروہ کے آدمی جو حضرت علی کے لشکر میں تھے صلح کے خلاف تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر صلح ہو گئی تو ہمارے جرائم و افعال کی تفتیش ہو گی ہم سزا یاب ہوں گے اور ہماری تحریکات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس لئے اس گروہ کی کوشش یہ تھی

کہ صلح نہ ہو۔ لیکن جب پنچایت قرار پا گئی تو ان کو اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ بالاستقلال علیحدگی اختیار کریں کیونکہ اب ان کا نہ یہاں ٹھکانہ تھا نہ دوسرا فریق ان کو ملا سکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے علیحدگی کی ٹھان لی علیحدگی کیلئے کسی مذہبی آڑ کی ضرورت تھی اس لئے ان کے سرگروہ مسعود تمیمی اور زید بن حصین وغیرہ نے حضرت علی کو کافر قرار دیا۔ اور ان کا ساتھ چھوڑ کر حوراء کی طرف چلے گئے اور عبداللہ بن وہب کو اپنا امیر منتخب کر لیا یہ لوگ امیر معاویہ اور حضرت علی دونوں کے طرفداروں کو یعنی تمام مسلمانوں کو کافر کہتے تھے مسلمانوں نے ان کو خوارج کا لقب دیا۔ مسلمانوں میں یہ سب سے پہلا مذہبی اختلاف تھا۔

خوارج ظاہری طور پر بہت زیادہ تقوی وطہارت کی پابندی کرتے تھے اور تھوڑی تھوڑی لغزشوں پر لوگوں کو کافر قرار دے دیتے تھے۔ انہوں نے اپنے خیالات کی تائید کے لئے حدیثوں میں تدریس و تلبیس شروع کی اور کچھ نئی حدیثیں بنائیں ان کی دیکھا دیکھی شیعان علی نے بھی یہی طرز عمل اختیار کیا۔

تصوف عہدِ خلافتِ پنجم میں
۴۱ھ

حضرت علی کے بعد ان کے صاحب زادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ امیر معاویہ سے سلسلہ جنگ جاری تھا شیعان علی اور خوارج اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ خلیفہ منتخب ہونے سے چند ماہ بعد امام حسن نے امیر معاویہ سے صلح کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور خلافت ان کے حوالے کر دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت اور امام حسن کے متعلق جو پیشین گوئیاں فرمائی تھیں وہ حرف بحرف پوری اتریں۔

(۱) ایک یہ کہ میرے بعد خلافت تیس برس رہے گی۔ پھر ڈنک مارنے کاٹنے والا ہو جانے گا خود سرانہ حکومت ہو جائے گی۔ حضرت علی کی شہادت تک خلافت کے انتیس سال چھ ماہ ہوئے۔ باقی چھ ماہ امام حسن نے خلافت کی اس طرح تیس سال پورے ہو گئے۔

(۲) حضور نے امام حسن کے متعلق فرمایا تھا کہ میرا بیٹا مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرانے کا یہ پیشین گوئی اس صلح سے پوری ہوئی۔ اس وقت تک خوارج کے سوا تمام مسلمان ایک ہی مذہب و مسلک پر قائم تھے۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں اور احادیث و تفاسیر کے ذخیروں میں نہ کہیں وحدۃ الوجود کا مسئلہ مذکور ہے نہ خلاف فطرت ترک دنیا کی تعلیم ہے

نہ ریاضتِ شاقہ کی ترغیب ہے نہ سماعِ قصائد و وجد و حال کا پتہ ہے۔ تمام مسلمانوں کی تحقیق تبلیغِ اسلام، اشاعتِ علوم، تہذیبِ اخلاق اور تعمیرِ قوم پر صرف تھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پانچوں خلفاء سے جو سلاسل طریقت جاری ہوئے ان کا ذکر سلاسل میں آئیگا۔

تصوف عہد خلافت راشدہ کے بعد بقیہ قرن اول میں

سنہ ۴۱ھ لغایت سنہ ۱۰۰ھ

تفضیل کا مسئلہ حضرت عثمان کے آخر عہد خلافت میں پیدا ہو گیا تھا لیکن وہ ایک نا معلوم صورت میں تھا۔ ضرور تھا کہ لوگ اپنے اپنے خیال کے موافق حدیثوں کے مطلب و معنی تجویز کرنے لگے تھے۔ اور احادیث میں تدلیس و تلبیس بھی ہونے لگی تھی لیکن علانیہ مذہبی رنگ میں فرقہ بندی حضرت علی کے عہد میں ہوئی اور اس کی ابتدا خارجی مذہب سے ہوئی۔

امیر معاویہ کے بعد زمام حکومت اکثر ظالم اور عیش پرست حکمرانوں کے ہاتھ رہی یہ اہلِ حکومت اپنے عیش و آرام اور استحکام و توسیعِ حکومت کے سوا دینی امور سے کم دلچسپی رکھنے والے تھے۔ اس لئے اب جو اصحابِ رسول اور تابعین تھے وہ تفسیر، حدیث، فقہ، قرآن تربیتِ ظاہری و باطنی کی خدمات بطور خود انجام دیتے تھے۔ بیعت چونکہ امر خلافت میں داخل ہو گئی تھی اسلئے بزرگان دین میں بیعت لینے کا رواج نہ تھا۔ صرف صحبت و تلمذ کا دستور تھا۔ لیکن باوجود امرائے نااہل کی حکومت کے اصحاب و تابعین جنگ و جہاد میں برابر شریک ہوتے تھے۔ قسطنطنیہ پر جب امیر معاویہ نے حملہ کیا تو اس فوج کا سپہ سالار یزید تھا اس لشکر میں رسول کریم کے جلیل القدر صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی تھے اور امام حسنؓ بھی تھے۔

تابعین امراء کو نصائح بھی کرتے تھے سیاسی معاملات میں بھی دخل دیتے تھے باوجود حکام و امراء کی سخت گیری کے حق گوئی سے باز نہ رہتے تھے۔ یزید اور حجاج بن یوسف جیسے ظالموں کے آگے بھی اظہارِ حق سے نہ رکے حضرت عبداللہ تابعی جنہوں نے حضرات عمر و عثمان و علی سے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ اور جو تمام سلاسل طریقت کے سرحلقہ ہیں ہمیشہ جہادوں میں شریک رہتے تھے۔ اور اکثر علمِ جہاد ان ہی کے ہاتھوں میں ہوتا تھا اسی وجہ سے ان کا لقب علم

بردار ہو گیا تھا۔

خلیفہ ولید اول نے اپنے بھائی سلیمان کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولیعہد بنانا چاہا خوشامدی مصاحبوں نے ہاں میں ہاں ملائی لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز نے سر دربار خلیفہ سے صاف لفظوں میں کہا کہ آپ کے بیٹے سے سلیمان بہتر ہے۔ خلیفہ نے ناراض ہو کر ان کو قید کر دیا۔ تین برس کے بعد چھوڑا پھر جب خلیفہ سلیمان بن عبد الملک نے اپنے بیٹے کو ولیعہد بنانا چاہا۔ تو شیخ رجاء بن حیوۃ نے کہا آپ کا بیٹا اس لائق نہیں ہے اپنے چچازاد بھائی عمر بن عبد العزیز کو منتخب کیجئے شیخ کی حق گوئی کا خلیفہ پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے اس مشورہ کو قبول کر لیا۔ قرن اول میں نہ تصوف کے نام سے کوئی مسلک قائم ہوا نہ اس مسلک کے نام سے کوئی کتاب تصنیف ہوئی۔ حضرات تابعین کا وہی طرز عمل تھا جو صحابہ کرام کا تھا۔ البتہ بعض خوارج اپنے عقائد کی تائید کیلئے حدیثیں گھڑتے تھے۔ اور شیعان علی اور طرفداران بنی امیہ و بنی عباس بھی اپنی تائید کیلئے یہی عمل کرتے تھے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ کے قول سے ثابت ہے کہ اس عہد میں دو ایک بزرگوں کو صوفی کہا گیا ہے۔

تصوف قرن ثانی میں

سنہ ۱۰۱ھ سے سنہ ۲۰۰ھ تک

تابعین اپنے اساتذہ صحابہ کے قدم بقدم چلتے تھے۔ ان کا مذہب، ان کا مسلک اور ان کا طرز عمل سب کچھ شیوخ کے موافق تھا۔ ان میں جو ہستیاں صحابہ کی طرح جامع صفات تھیں وہ رفتہ رفتہ کم ہوتی جاتی تھیں۔ گمراہ فرقوں کی سرگرمی بڑھتی جاتی تھی۔ قرآن کے معانی و مطالب اور اور حدیثوں میں تدلیس و تلبیس کی جاتی تھی۔ نئی نئی حدیثیں وضع کی جاتی تھیں۔ نئے نئے عقائد و مسائل گھڑے جاتے تھے۔ گمراہ فرقوں کے علماء زاہد و متقی کے لباس میں عوام کو اپنی طرف متوجہ کر کے گمراہ کرتے تھے۔ اس وقت بڑی ضرورت اس بات کی تھی کہ علوم دینیہ کی نگہ داشت کی جائے۔ اس لئے مختلف طور پر بزرگوں نے مختلف شعبوں کو سنبھالا۔ بعض تعلیم قرآن میں مصروف ہو گئے یہ قراء مشہور ہوئے۔ بعض تدوین و تعلیم حدیث میں مشغول ہوئے یہ محدث کہلائے۔ بعض نے قرآن کے معانی و مطالب کی تعلیم کا درس قائم کیا یہ مفسرین مشہور ہوئے۔ بزرگوں اور اماموں کی جماعت ظالم امراء اور عیش پرست رئیسوں اور خود غرض حکام کو ان کے ناروا طرز عمل پر زجر و توبیخ بھی کرتی تھی اور ان کے بعض مقاصد میں خلل انداز بھی ہوتی

تھی اسلئے ظالم حکمران، محدثین وفقہاء پر قسم قسم کی سختیاں کرتے تھے

قرنِ اوّل میں اور اس قرن میں بھی صحابہ و تابعین شہید اور قید کیے گئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قید خانہ ہی میں انتقال ہوا۔ ان حالات پر نظر کر کے بعض وہ بزرگ جو صاحب عزم نہ تھے۔ درس وتدریس، تعلیم وتعلم اور وعظ وپند وغیرہ امور سے دست کش ہو گئے اور انہوں نے صرف ذکر وشغل عبادت وریاضت کو اختیار کر لیا یہ جماعت زہاد وعباد کے نام سے مشہور تھی۔ یہ لوگ سیاسی اور ظاہری اصلاحی امور سے علیحدہ رہ کر اپنے پاس آنے جانے والوں کو صرف اذکار واشغال کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ عوام کی رجوعات ان کی طرف زیادہ تھی۔ یہ دیکھ کر گمراہ فرقے والوں نے اپنے فرقے کے عابدوں کو زہاد وعباد کہنا شروع کر دیا اہلِ حق نے اس تلبیس سے بچنے کیلئے اپنے زہاد کو صوفی کا لقب دیا۔ اور ان کی تعلیمات کو تصوف کہنے لگے۔ تصوف اصل میں اس تعلیم وعمل کا نام ہے جس کو اصطلاح شرع میں احسان کہتے ہیں سیاسی اور علمی واصلاحی کاموں سے زہاد وعباد کی ایک کثیر جماعت نے علیحدگی اختیار کر لی تھی یہ وہ لوگ تھے جن کی ہمتیں پست ہو گئی تھیں یا جو حکام کے جور وجفا کی تاب نہ لا سکتے تھے یا ان امور پر توجہ کرنے کے لئے ان کو حسب دل خواہ موانع حاصل نہ تھے اگر سب کا یہ حال نہ تھا کچھ صاحب ہمت بزرگ ایسے بھی تھے جو برابر ان خدمات کو انجام دیتے رہے اور صحابہ وتابعین کی تقلید میں پوری پوری سعی کرتے رہے اس قسم کے صوفیوں سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی۔ ۱۲۲ھ میں خلیفہ ہشام بن عبد الملک المتوفی ۱۲۷ھ کے عہد میں خلفاء امراء کی امور دین کی طرف بے رغبتی دیکھ کر امام زید بن علی بن امام حسین نے خلیفہ کے خلاف خروج کیا جنگ کرنے کیلئے ہزار دل شیعانِ علی نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امام حسین نے ان کی مالی امداد کی لیکن میدان جنگ میں شیعانِ علی نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تو انھوں نے فرمایا رفضتمونی یعنی تم نے مجھے چھوڑ دیا اس وقت تک شیعہ مذہبی فرقہ نہ بنا تھا۔ ایک سیاسی جماعت تھی۔ امام زید کے ساتھ صرف دو سو آدمی رہ گئے تھے انھوں نے اس قلیل جماعت کے ساتھ خلیفہ کی فوج کا مقابلہ کر کے جام شہادت نوش فرمایا امام زید کے متبعین زیدیہ مشہور ہو گئے جو رفتہ رفتہ شیعیت سے بہت قریب ہو گئے خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی المتوفی ۱۵۸ھ کے عہد میں مذہبی ابتری پر نظر کر کے محمد عرف نفس زکیہ بن عبد اللہ حسن مثنیٰ بن امام حسن نے خروج کیا اور شہید ہو گئے۔ پھر ان کے بھائی ابراہیم نے علم جہاد بلند کیا وہ بھی شہید ہو گئے خلیفہ نے ابو حنیفہ کو قید کر دیا۔

اسی قرن میں سادیہ، میمونیہ اور قرامطہ فرقے پیدا ہوئے جو اپنے عقائد کو مکر و حیل کے ساتھ شائع کرتے رہے سچے صوفی صرف عبادات و اشتغال کی تعلیم فرماتے تھے۔ ان کا مسلک کتاب و سنت کی پابندی تھا۔ اس وقت تک تصوف کے نام سے کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی تھی۔ نہ ظاہر شرع کے خلاف امور رائج ہوئے تھے۔

اس قرن کے آخر میں تصوف صرف عبادت و ریاضت کا نام رہ گیا تھا صوفیہ نے تمام ملکی و ملی خدمات سے درست کشی اختیار کر لی تھی۔ اور تحصیل علوم پر بھی ان کی توجہ کم ہو گئی تھی لیکن سب ایسے نہ تھے بعض سچے صوفی صحابہ و تابعین ہی کے نقش قدم پر چلتے تھے۔

تصوف قرن ثالث میں

سنہ ۱۷۱ھ سے سنہ ۲۶۰ھ تک

زہاد و عباد کا گروہ جسے صوفی کہا جاتا تھا صرف عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا تھا۔ یہ لوگ سیاسی اور ظاہری اصلاحی امور سے علیحدہ رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان میں علم کی کمی بھی ہوتی گئی بہت سے کم علم اور بے علم زاہد و صوفی پیدا ہو گئے لہذا قرامطہ وغیرہ گمراہ فرقے والوں کو ان میں اپنے اعمال و عقائد کے پھیلانے کا موقع ملا۔ کیونکہ کم علمی کی وجہ سے یہ لوگ ہر اس بات کو حسن ظن سے قبول کر لیتے تھے۔ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کی طرف منسوب کی جاتی تھی۔ یہ اصول روایت و درایت سے واقف نہ تھے اور گمراہوں کی مکر و حیل سے عزلت نشینی کی وجہ سے بے خبر تھے۔ اسلئے ان میں قسم قسم کی بدعات شائع ہونے لگیں۔ دوسری صدی کے ختم ہونے سے پہلے ان میں سماع رائج ہو گیا کیونکہ قرامطہ وغیرہ کے وہ عبادت گزار جو صوفی بنے ہوئے تھے اور امرا اور عوام کو اپنی طرف رجوع کرنے کیلئے نئے نئے طریقے ایجاد کرتے تھے۔ اور امراء کی رضا جوئی کیلئے غیر شرعی امور برداشت کرتے تھے بلکہ خلاف شرع رسوم و عادات کو ابھارتے تھے۔ اس لئے علمائے اہل حق اور محدثین وغیرہ اس گروہ کے مخالف ہو گئے تھے بلکہ جو اس فرقہ میں سچے صوفی تھے ان کو خود اس فرقہ پر اعتماد نہ رہا تھا اسی خاطر صوفیہ خواجہ بشر حافی ۲۱۹ھ نے فرمایا ہے کہ۔

از سخنان این طائفہ ہیچ چیز بدل من قرار نہ گرفت تا آنکہ دو گواہ عدل از کتاب و سنت بر آں نیافتم۔

چونکہ صوفیوں نے سوائے عبادت و ریاضت کے تمام امور اصلاح کو چھوڑ رکھا تھا اسلئے یہ کمال اسلام کے لئے صرف تصوف قابل پر مبنی ہے۔

انہیں حالات پر نظر کر کے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ۲۰۴ھ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے علہ
''تصوف سستی پر مبنی ہے اگر کوئی شخص ابتدا لئے دن میں صوفی رہا اور اس حال میں
ظہر کا وقت ہو گیا تو وہ بلا شبہ احمق ہے''

امام حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ نے فرمایا ہے۔ اگر کسی حدیث کی روایت میں کوئی صوفی
ہو تو اس سے ہاتھ اٹھا لو کیونکہ یہ لوگ بوجہ حسن ظن کے جرح و تعدیل پر نظر نہیں کرتے۔

لیکن ایسے ابتر حالات سب کے نہ تھے کچھ صوفی ایسے بھی تھے جو جادۂ مستقیم پر بہت
کے ساتھ قائم تھے۔ اور صحابہ و تابعین کی طرح تمام امور میں پابندی سنت کو لازم جانتے تھے

بعض مصنفین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے خواجہ ذوالنون مصری ۲۴۵ھ نے تصوف
کے مسائل میں کلام کیا اس پر لوگ ان کے مخالف ہو گئے۔ اور حاکم وقت نے ان کو سزا دی۔ میں کہتا
ہوں کہ خواجہ ذوالنون مصری کے اقوال بعض تعریفات ہیں۔ اگر اور کچھ ان کی طرف منسوب ہے
تو وہ اتہام کرنے والوں اور تحریف کرنے والوں کی کارگزاری ہے۔ اس زمانہ میں مقدسین کو بدنام
کرنے اور ان کی طرف مسائل و تصانیف منسوب کرنے کا بہت رواج تھا۔ امام ابوحنیفہ وغیرہ پر
کیسے کیسے الزام لگائے گئے اور ان کی طرف تصانیف و مسائل منسوب کئے گئے حکام وقت نے
اکثر اہل حق کو ایسے ہی حیلوں سے سزائیں دیں۔

اس عہد تک ان مسائل و اصطلاحات کا کچھ پتہ نہیں چلتا جو مروجہ تصوف میں رائج
ہیں عبادت و ریاضت اور نعمائے الٰہی پر غور و فکر کرنے کے سوا کسی نے خدا کی ذات میں
غور و فکر نہیں کیا وہ بزرگ ایسا کیوں کرتے جبکہ رسول کریم نے فرما دیا تھا۔

(خدا کی ذات میں غور و فکر نہ کرو البتہ اس کی نعمتوں میں غور و فکر کرو) اس ارشاد میں دو اشارے
ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی ذات پر احسانات الٰہی کا معاینہ کرو۔ تاکہ طبیعت شکر کی طرف مائل ہو۔ دوسرے
یہ کہ خدا کی پیدا کردہ نعمتوں میں غور کرو۔ کہ اس نے تمام مخلوق تمہارے فائدے کے لئے پیدا
کی ہے۔ تاکہ ان کے خواص و حقائق معلوم کر کے ترقی کی راہیں پیدا کر سکو۔ جو راحت و رفق خلق اور
اشاعت تہذیب اخلاق اور قیام امن میں ممد و معاون ہو سکیں۔ انبیاء علیہم السلام اور بزرگان
قرون ثلاثہ کے حالات سے ان معنوں کی تصدیق ہوتی ہے۔

علہ صفوۃ الصفا صفحہ ۲ یہ قول ابونعیم نے امام شافعی کے حالات میں روایت کیا ہے۔

تصوف قرونِ ثلاثہ کے بعد

امراء کے ظالمانہ احکام اور گمراہ فرقوں کی دجل و تلبیس سے دینِ حق کی تمام شاخوں میں ایک طرح کا تزلزل پیدا ہو گیا تھا، دنیا و حب جاہ کی وجہ سے مسلمانوں کو علومِ دینی کی طرف کم رغبت رہ گئی تھی کیونکہ لوگ ان ذرائع کو تلاش کرتے تھے جن سے ان کو حکومت میں دخل اور احکام کا تقرب حاصل ہو۔ اور جو لوگ اس قابل نہ ہوتے تھے وہ حصولِ زر کے لیے تجارت وغیرہ کے وسیع ذرائع اختیار کر کے ایسے منہمک ہو جاتے تھے کہ ان کو احکامِ شرعی سے بے پرواہی ہو جاتی تھی۔ علم کے حاصل کرنے سے روپے کا حاصل کرنا مقدم سمجھا جاتا تھا اس طرح اہلِ حکومت و تجارت و صنعت و حرفت، علمِ دین سے بے بہرہ ہو گئے تھے۔ اکثر صوفیوں نے صرف ذکر و شغل کو مطمحِ نظر قرار دے لیا تھا اس طرح ان کی بھی کثیر تعداد علومِ دینیہ سے محروم تھی۔ چونکہ گمراہ فرقے والوں کا قرآن پر داؤ نہ چل سکا لہٰذا انہوں نے حدیث پر حملہ کر دیا۔ نئی نئی حدیثیں اپنے مقصد کے موافق وضع کر لیں اور صحیح حدیثوں میں تغیر کر دیا۔ یہ دیکھ کر ائمہ اہلِ حق نے ایسے اصول و ضوابط مدون کر دیئے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو گیا۔ ان گمراہ کرنے والوں کے لئے اس سے بہتر کوئی موقع نہ تھا کہ تصوف پر ہاتھ ڈالیں انہوں نے ریاضت ہائے شاقہ مصنوعی زہد و اتقاء اور شعبدہ بازی سے لوگوں میں اثر پیدا کر کے خلاف شریعت عقائد و اعمال کو پھیلانا شروع کر دیا۔ توہم پرست، عجائب پرست، کم علم اور کم فہم لوگ ان کے معتقد ہو گئے۔ ان گمراہ کرنے والوں نے جیسے جیسے دجل و فریب کئے ان سب کا مختصر بیان اس کتاب میں آئے گا۔

حلولیہ وغیرہ فرقوں کے دام میں پھنس کر بعض لوگوں نے انا الحق وغیرہ اس قسم کے کلمات کہے سلاطینِ اسلام نے ان کو سزائیں دیں۔ غرض قرنِ ثانی کے آخر سے تصوف میں جو خرابیاں پیدا ہونی شروع ہوئی تھیں وہ روز بروز ترقی کرتی رہیں، اور قرونِ ثلاثہ کے بعد حلول و اتحاد کا خیال صوفیوں میں پوری طرح حلول کر گیا۔ اور غلط عقائد اور خلافِ شریعت اعمال رکھنے والے صوفی پیدا ہو گئے تصوف کا چشمہ صافی مکدر ہو گیا چنانچہ اہلِ حق کی جماعت میں اس فرقہ کا کوئی اعتماد نہ رہا۔ خود اسی گروہ کے محتاط اور متدین بزرگ اس گروہ کے اقوال و افعال پر اعتماد نہ رکھتے تھے خواجہ ادریسی کا قول ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ اب تصوف وہ تصوف نہیں رہا تھا جس کو تصوفِ حق کہا جاتا ہے۔ خواجہ جنید بغدادی جو تمام سلاسلِ طریقت کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ[1]

---

[1] انوار الصوفیہ فی اسرار العبودیہ صفحہ ۲۷۱

اصلی اور سابق صوفیوں کو زمانہ حال کے برائے نام صوفیوں پر قیاس نہ کرو۔ اس وقت کے صوفی ان سے صرف نسبت کا تعلق رکھتے ہیں۔ اور الفاظِ متصوفانہ یاد رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقتِ حال اور اصلیتِ مآل سے عاری ہیں۔ زمانہ سابق کے صوفی متبع سنّت، اسرارِ شریعت سے واقف تھے فرائضِ ظاہری کے پابند، پرہیزگار، نیکوکار، خدا ترس اور معرفت شناس تھے جو زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے قریب تھا۔ اس زمانہ کے صوفی ذاتی باصفا ہوتے تھے اس کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا لوگ رجعت قہقری اور ترقی معکوس کرنے لگے چنانچہ حدیث خیر القرون قرنی اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

— حضرت جنید کا یہ قول ان کے ذکر میں تذکرۃ الاولیاء میں مذکور ہے: ہمارے اس علم طریقت کی بساط سالہا سال ہوئے کہ لپیٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

خواجہ ابوالحسن پوشنگی المتوفی ۳۰۹ھ کا قول ہے۔

آج تصوف کا فقط نام رہ گیا ہے مگر مسمیٰ ندارد ہے آگے تصوف تھا مگر نام نہ تھا۔

خواجہ ابوالعباس دینوری نے فرمایا ہے۔

لوگوں نے ارکان تصوف کو توڑ دیا اس کے طریقوں کو تباہ کر دیا۔ اور اس کے معنوں کو بدل دیا

امام غزالی ۵۰۵ھ اپنے عہد کے صوفیوں کے متعلق احیاء العلوم باب دہم میں فرماتے ہیں۔

جو حال کے صوفی ہیں ان کا دستور یہ ہے کہ سچے صوفیوں کی طرح اپنا لباس، ہیئت، الفاظ، آداب اور مراسم و اصطلاحات بناتے ہیں یہ لوگ ظاہری حالات میں ان کے موافق ہوتے ہیں راگ سننے میں حال کرتے ہیں اور نماز انہیں کی طرح بجا لاتے ہیں مصلوں پر سر جھکا کر اور گریبان میں منہ ڈال کر متفکروں کی طرح بیٹھتے ہیں لمبے لمبے سانس لیتے ہیں بات کرنے میں بہت پست آواز سے بولتے ہیں۔ غرض جتنے شمائل اچھے صوفیوں کے ہوتے ہیں سب کچھ اختیار کرتے ہیں مگر اپنے نفس اور دل کی حفاظت نہیں کرتے اور ظاہر و باطن کو خفی و جلی گناہوں سے پاک نہیں کرتے جو صوفیوں میں ادنیٰ درجہ کی باتیں ہیں ان سے بھی نہیں بچتے حرام و شبہات اور بادشاہوں کے مال پر گرتے ہیں۔

شیخ ابن جوزی محدث ۵۹۷ھ نے لکھا ہے

تصوف کا لفظ دوسری صدی سے پہلے پیدا ہوا اور جب ظاہر ہوا تو صوفیہ نے اس لفظ کو

عـلہ تعلیم السری صفحہ ۱۲۳

پیدا کیا تو اس کے اوصاف بہتر الفاظ میں بیان کئے ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ ان کے نزدیک مجاہدہ نفس اور ریاضت کا نام تصوف ہے۔ جو اخلاق رذیلہ سے روکتا ہے اور اخلاق فاضلہ مثلاً زہد، حلم، صبر، اخلاص اور صدق وغیرہ پر آمادہ کرتا ہے چنانچہ حضرت جنید بغدادی سے تصوف کی حقیقت پوچھی گئی تو انہوں نے کہا "ہر بری خلق سے الگ ہونا اور اچھی خُلق اختیار کرنا تصوف ہے" اس کے بعد ابلیس نے صوفیوں کو دھوکا دینا شروع کر دیا۔ اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اس کا فریب بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ متاخرین پر اس کا پورا تسلط ہو گیا، اس فریب کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس نے علم سے ان کو روک دیا اور ان پر یہ ظاہر کیا کہ مقصد صرف عمل ہے اس لئے جب علم کا چراغ بجھ گیا تو وہ اندھیرے میں بھٹکنے لگے۔

اس کے بعد محدث موصوف نے صوفیہ کی کتابوں کا ذکر کر کے ان پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ زہد و اتقاء کی وجہ سے صوفیوں نے صحابہ، امام حسن بصری، امام سفیان ثوری، امام احمد بن حنبل، خواجہ فضیل بن عیاض، خواجہ ابراہیم بن ادھم اور شیخ معروف کرخی وغیرہ کو بھی صوفیہ میں شامل کر لیا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں۔

اس قسم کی کتابوں کی تصنیف کا سبب یہ تھا کہ یہ لوگ سنن اور آثارِ اسلام کا بہت کم علم رکھتے تھے۔ اور صوفیہ کا جو طریقہ ان لوگوں نے پسند کر لیا تھا اس پر لگے ہوئے تھے۔ اس طریقہ کو لوگوں نے اسلئے پسند کیا تھا کہ زہد مسلّم طور پر ایک قابلِ ستائش چیز تھی اور بظاہر ان لوگوں کو صوفیہ کے حال سے بہتر کوئی حالت اور ان کے کلام سے لطیف تر کوئی دوسرا کلام نظر نہیں آتا تھا اس کے برخلاف سلف کی سیرتوں میں کسی قدر خشونت پائی جاتی تھی اور عام طور پر مخلوق بھی اس قوم کی طرف مائل تھی کیونکہ اس طریقہ میں ظاہری طور پر نظافت و عبادت کے اجزاء شامل تھے اور سماع کا سامان بھی تھا جس کی طرف طبیعتیں مائل ہوتی تھیں، محدث موصوف نے شرعی نقطۂ نظر سے صوفیہ کی ریاضات و مجاہدات پر بھی اعتراضات کئے ہیں جو طریقہ سنت کے خلاف ہیں۔ در حقیقت شرعاً و عقلاً وہ اعتراضات صحیح ہیں، لیکن سچے صوفی اس قسم کی ریاضت نہ کرتے تھے۔ مگر اس کی تفہیم و امتیاز بہت مشکل ہے۔

علامہ ابن جوزی کی وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی اس زمانے میں ابنِ عربی بھی موجود تھے محدث موصوف نے صوفیہ کی حکمت اور تمام ریاضات و معمولات و خیالات کا ذکر کیا ہے۔ لیکن مسئلۂ وحدت الوجود کا ذکر نہیں کیا۔

بہرا اصل تصوف کے اعتبار سے یہ تمام حضرات صوفی تھے۔ اور خود معترض بھی صوفی تھے

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی حیات تک اس مسئلہ کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ پانچویں صدی کے آغاز سے تصوف کی عملی حیثیت نابود ہو گئی اور وہ علمی قالب میں ڈھال لیا گیا اس نے ایک مستقل فلسفہ کی صورت اختیار کر لی تصوف کو فلسفہ بنانے کا کام شیخ الرئیس حکیم علی بن سینا نے، شروع کیا۔ ابن تیمیہ نے لکھا ہے:

ابن سینا نے ایک فلسفہ ایجاد کیا جس کو اپنے سلف یونانیوں کے کلام اور اہل کلام جہمیہ وغیرہ کے عقائد سے مرکب کیا اور بہت سے عملی و علمی امور میں ملاحدۂ اسماعیلیہ کا طریقہ اختیار کیا اس میں کسی قدر صوفیہ کے کلام کی آمیزش بھی کی لیکن درحقیقت اس کا مرجع بھی اسماعیلیہ، قرامطہ اور باطنیہ کا کلام ہے۔ آگے یہی فلسفہ ترقی پکڑتا گیا اور اشراقیوں کے مسلک سے قریب ہوتا گیا۔ صاحب دبستان مذاہب نے لکھا ہے [۱]

عقائد صوفیہ صفیہ ہمان است کہ اشراقیان راست اما صوفیہ عقائد را بر طرز اشارات درآمیختہ اند تا نا اہلی در نیابد۔ اکثر کلام حضرت رئیس الموحدین شیخ محی الدین ابن عربی و صوفیہ صفیہ را رمز مے شمارد چون بسر حد تصریح میرسانند با حکمت اشراقیان مے آمیزد

محمد بن طاہر مقدسی نے صوفیوں میں شامل ہو کر ایک کتاب صفوۃ التصوف تصنیف کی اس میں ایسی باتیں لکھی ہیں جن کو پڑھتے ہوئے ایک شریف صاحب عقل کو شرم آتی ہے ابن طاہر کے متعلق شیخ ابوالفضل بن ناصر نے لکھا ہے کہ وہ اباحیہ فرقے سے تھا۔ غرض گمراہ فرقے کے لوگوں نے صوفی بن کر مسائل و عقائد باطلہ اور اعمال و افعال خلاف شریعت کو رواج دیا۔ یہاں تک کہ امرد پرستی ان میں رائج ہو گئی۔ ابن طاہر نے امردوں کی نظر بازی کے جواز میں ایک کتاب بھی تصنیف کی۔ ایرانی صوفیوں میں اس کا بہت رواج ہوا۔ کیونکہ یہ ایرانیوں کا قومی مذاق تھا ایک فاضل نے لکھا ہے [۲]

"عجمیوں کے مسلمان ہونے سے پہلے اسلام میں جو بدعتیں پیدا ہوئیں ان کو تصوف اور شیعیت نے رونق دی قرون ثلاثہ کے بعد سے تصوف کی اصطلاحات قائم ہوئیں۔ ان میں ہر دور میں تغیر و تبدل اور کمی بیشی ہوتی رہی۔ اور ان کے معانی و مفہوم بھی بدلتے رہے۔ ہندوستان میں تصوف میں ویدانت کا اثر بھی شامل ہو گیا۔ غرض تمام ممالک میں باطل فرقوں کے لوگوں نے صوفیانہ لباس میں اصل تصوف کے چشمہ صافی کو مکدر کر دیا۔ اور اکثر صوفی پابندی سنت و احکام شریعت کے خلاف عمل کرنے لگے۔ علامہ محمد مصطفےٰ احلمی اپنی کتاب تاریخ اسلام میں

---

[۱] رسالہ سماع و رقص صفحہ ۲۴۳ [۲] مخبر الاسلام باب سوم

بقایا حاشیہ صفحہ ۳۹ یہ باتیں انہوں نے تمام رواج کے اعتبار سے لکھی ہیں۔

لکھتے ہیں "اللہ ایک ہے وحدانیت نبی کی زندگی کا سرچشمہ تھا یہی آپ کی ساری ریاضت و مجاہدہ کا اصول تھا یہی وہ چیز تھی جو اسلام کے نبی نے ہمارے سامنے پیش کی پس جو تصوف اس روح سے دور رہا۔ وہ اسلام سے بھی دور رہا پھر بعد میں تصوف مختلف جامے پہنتا رہا اور اسلام کے علاوہ دوسرے عناصر بھی اس میں جگہ پاتے رہے۔ یہ ہندی تصوف ہے وہ فارسی ہے۔ یہ مسیحی تصوف ہے وہ یونانی ہے ان اجنبی عناصر کی فراوانی نے تصوف کو ایک ایسا مذہب بنا دیا جو گویا اسلام سے بالکل معارض و مخالف تھا یہ ناممکن ہو گیا کہ ان میں سے کسی کو ملتِ اسلامیہ کا جزو کہا جا سکے، حالانکہ اصل تصوف وہ ہے جو تعلیم نبی کا پرتو ہو اور جو قرآن و سنّت کے تابع ہو" نیز کہتے ہیں۔ "اسلام کا تصوف جب تک دائمی اسلام کے سرچشمہ سے مستفیض ہوتا رہا اس وقت تک اس کی حیثیت بالکل جداگانہ تھی" نیز لکھتے ہیں: "اسلام کے تصوف کا صرف ایک مرکز اور ایک محور ہے۔ کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اور بس"

قرامطہ اور دیگر گمراہ فرقوں نے اسلام میں تفرقہ ڈالنے اور تصوف کو خراب کرنے میں جو کوششیں کی ہیں ان کا ذکر آئندہ بیانات میں آئے گا۔ وحدۃ الوجود اور رقص و سرور کے متعلق بھی جداگانہ تفصیل درج کی جائیگی۔ اور گمراہ فرقوں کے عقائد کا بھی مختصر بیان کیا جائے گا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ مروجہ تصوف میں کون سا عقیدہ اور مسئلہ کس فرقے سے آیا ہے

میں پھر کہتا ہوں کہ یہ خراب عقائد و حالات تمام صوفیہ کے نہ تھے۔ ہر زمانہ میں سچے صوفی بھی ہوئے ہیں جنہوں نے تبلیغ اسلام کی، اسلام کی علمی خدمات کیں، حکومتِ اسلامیہ کی سیاسی خدمات انجام دیں۔ اور جنگ و جہاد میں شریک رہے۔ ان کی ذات سے خلقِ خدا کو بہت راحت و نفع پہنچا ہے۔ اظہارِ حق میں وہ کسی حاکم اور بادشاہ سے نہیں ڈرے اور انہوں نے بڑے بڑے مصائب و آلام برداشت کئے تمام بزرگوں کے حالات اور تمام واقعات کے لئے تو ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ ہم اس موقع پر چند بزرگوں کے متعلق مختصر طور پر کچھ لکھے دیتے ہیں۔

بعض صوفیہ کی چند سیاسی خدمات کا ذکر

(۱) خلیفہ عبد الملک کی طرف سے امام شعبی قیصرِ روم کے پاس سفیر بن کر گئے

(۲) ابو مسلم خراسانی سنہ ۱۳۲ھ نے جب بنی امیہ اور ان کے طرفداروں کو قتل کرنا شروع کیا۔ تو امام ابراہیم بن میمون سنہ ۱۴۲ھ اس کے پاس گئے اور اس کو مسلمانوں کے قتل سے باز رہنے کی

ہدایت کی۔ ابو مسلم نے ان کو قید کر دیا علماء کا ایک وفد ابو مسلم کے پاس گیا۔ اور امام کو چھڑا لایا۔ انہوں نے پھر جا کر ابو مسلم کی سرزنش کی تو اس نے امام کو قتل کر دیا۔ جب ان کی شہادت کی خبر امام اعظم کو پہونچی تو بہت روئے۔

(۳) خلیفہ منصور عباسی ۱۵۸ھ حج کو گیا اور امام سفیان ثوری کو بلا کر کہا۔ کچھ فرمایئے امام صاحب نے فرمایا خدا سے ڈر۔ دنیا تیرے ظلم و جور سے لبریز ہے خلیفہ نے کہا کوئی حاجت ہو تو فرمایئے امام صاحب نے فرمایا جن لوگوں کی تلوار کے زور سے تو خلیفہ ہوا ہے ان کی اولاد بھوکی مر رہی ہے خلیفہ نے کہا آپ کچھ اپنے لئے طلب کیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا حضرت عمر نے حج کیا تھا تو دس درہم سے کچھ اوپر خرچ ہوئے تھے تو اس قدر روپیہ لئے پھرتا ہے کہ بار برداری اس کی متحمل نہیں ہو سکتی آخر خلیفہ خاموش ہو گیا اور امام صاحب واپس تشریف لے آئے۔

(۴) یحیٰی بن عبداللہ بن امام حسن مثنیٰ بن امام حسن مجتبیٰ نے خلیفہ ہارون الرشید ۱۹۳ھ کے خلاف خروج کیا بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی آخر یحیٰی صلح پر مجبور ہو گئے۔ صلحنامہ لکھا گیا اس پر بہت سے علماء و صلحاء کی گواہیاں ہوئیں یحیٰی، وزیر فضل برمکی کے ساتھ دار الخلافہ آئے۔ کچھ دنوں تک مہمان نوازی رہی پھر بعض مصاحبوں کے مشورہ سے خلیفہ نے نقضِ عہد کرنا چاہا تو امام محمد بن حسن الشیبانی ۱۸۹ھ نے خلیفہ کی رائے کی مخالفت کی اور اس کو نقض عہد سے باز رکھا۔

(۵) خلیفہ مامون الرشید ۲۱۸ھ نے عقیدۂ خلقِ قرآن کا اعلان کیا اور علماء کو اس پر قائم رہنے کی ہدایت کی۔ امام احمد بن حنبل ۲۴۱ھ اور دیگر بہت سے ائمہ اور بزرگوں نے مخالفت کی خلیفہ نے سب کو سخت سزائیں دیں۔

(۶) خلیفہ معتصم باللہ ۲۲۷ھ نے ایک بزرگ بشر بن الوحید بن خالد کندی کو عہدۂ قضاء پر مامور کیا پھر ان سے کہا کہ مسئلہ خلق قرآن کے قائل ہو جائیں۔ انہوں نے کہا میں ایمان فروش نہیں ہوں۔ خلیفہ نے ان کو برخاست کر کے قید کر دیا۔

(۷) مصر میں شیخ بکار بن قتیبہ بن اسد بصری بڑے بزرگ تھے ان کو خلیفہ معتمد باللہ نے مصر کا قاضی بنا دیا گورنر مصر احمد بن طولون تنخواہ کے علاوہ ان کو کچھ روپیہ زائد بطور ہدیہ بھیجا کرتا تھا۔ شیخ اس روپیہ کو علیحدہ جمع کرتے جاتے تھے خلیفہ کو اس کے ولی عہد الموفق نے قید کر دیا۔ ابن طولون نے شیخ کو بلا کر کہا خلیفہ کو الموفق نے قید کر دیا ہے آپ الموفق کے بارے میں ولیعہدی سے معزولی کا فتویٰ لے دیجئے شیخ نے کہا۔ آپ نے میرے سامنے خلیفہ کا

فرمان رکھ کر موفق کی ولیعہدی پر دستخط کرائے تھے اب آپ اس کے خلاف چاہتے ہیں۔ تو اس کی دست برداری کیلئے خلیفہ کا فرمان لائیے گورنر نے کہا خلیفہ اس وقت معذور ہے شیخ نے کہا جب اظہار حق کے معاملہ میں وہ اس قدر معذور ہے تو مجھے بھی معذور سمجھئے گورنر نے کہا آپ کو شرم نہیں آتی کہ میں آپ کو تنخواہ کے علاوہ اس قدر رقم دیتا رہا ہوں شیخ نے کہا آپ کی رقم محفوظ ہے میں واپس بھیج دیتا ہوں۔

(۸) خلیفہ معتضد باللہ ۲۷۹ھ نے حکم دیا کہ امیر معاویہ پر برسر منبر لعن طعن کی جایا کرے۔ امام ابو یوسف کو خبر ہوئی۔ تو آپ نے خلیفہ کو سختی کے ساتھ منع کیا اور اس امر سے باز رکھا۔

(۹) خواجہ ابوالحسین نوری ایک کشتی میں سوار ہوئے اس میں بہت سے مٹکے رکھے ہوئے تھے۔ خواجہ نے ملاح سے دریافت کیا۔ ان میں کیا ہے اس نے کہا ان میں شراب ہے خلیفہ کے واسطے جا رہی ہے۔ یہ سن کر خواجہ نے سب مٹکے توڑ ڈالے جب خلیفہ معتضد باللہ کو خبر ہوئی تو خواجہ کو گرفتار کر کے بلایا اور دریافت کیا تو کون ہے؟ خواجہ نے فرمایا: میں محتسب ہوں خلیفہ نے کہا تجھے کس نے محتسب بنایا ہے کہا جس نے تجھے خلیفہ بنایا ہے خلیفہ خاموش ہو گیا۔

(۱۰) خواجہ ابو محمد حریری ۳۱۴ھ جانشینِ خواجہ جنید بغدادی قرامطہ کے مقابلہ پر جہاد میں شریک ہوئے قرامطہ نے پانی بند کر دیا خواجہ شدتِ عطش سے جان بحق ہو گئے۔

(۱۱) خراسان کے بادشاہ محمد بن ملک شاہ سلجوقی ۵۱۱ھ کو امام غزالی نے ایک خط لکھا اس کا نام نصیحۃ الملوک ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"حقوق اللہ نماز روزہ حج اور زکوٰۃ معاف ہو سکتے ہیں حقوق العباد معاف ہونے کی کوئی تدبیر نہیں حضرت عمر باوجود کمال احتیاط عدل و انصاف کے مواخذہ قیامت سے ڈرتے تھے مگر تیرا یہ حال ہے کہ تجھ کو رعایا کی کچھ پرواہ نہیں تیرا صرف یہی کام نہیں ہے کہ تو خود ظلم کرنے سے باز رہے بلکہ تو اس کا بھی ذمہ دار ہے کہ تیرے اعمال حکام مت کسی پر ظلم نہ کریں جو معاملہ بھی تو دوسروں کے ساتھ کرنا چاہے پہلے یہ سوچ لیا کر کیا تو اس کو اپنے لئے بھی پسند کر سکتا ہے اگر اسے اپنے لئے پسند نہیں کرتا اور دوسروں کے ساتھ ایسا کرتا ہے تو تو دغا باز اور خائن ہے۔"

(۱۲) خلیفہ المقتفی لامر اللہ ۵۵۵ھ کے زمانہ میں بغداد میں سلطان مسعود برادر

زادہ سلطان سنجر نے بہت زور پکڑا اور حکومت کے تمام امور پر قابض ہو گیا بہت سے جزیہ ٹیکس قائم کئے۔ لوگوں کو تکلیفیں دیں تو خواجہ ابن عباد اس کے پاس پہونچے۔ اور کہا تجھ کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ کہ اس نے تجھ کو یہ عروج دیا۔ لیکن تو لوگوں کو تکلیف دیتا ہے اور تو نے بہت سے محصول قائم کر دیئے ہیں۔ اور اس روپیہ کو بجائے خلق اللہ کی بہبودی کے لغو اور عیش و عشرت کے کاموں میں صرف کرتا ہے اس کی نصیحت کا بڑا اثر ہوا اس نے محصولات میں تخفیف کر دی۔

(۱۳) سلطان خوارزم شاہ نے بغداد پر حملہ کرنے کے لئے کوچ کیا۔ خلیفہ بغداد ناصر الدین ۶۲۲ھ نے سلطان کو سمجھانے کے لئے ایک وفد مرتب کیا اس سفارت کا امیر خواجہ شہاب الدین سہروردی کو مقرر کیا۔ خواجہ صاحب تشریف لے گئے دیکھا کہ بڑے رعب داب کا دربار ہے تین لاکھ فوج شمشیر برہنہ کھڑی ہے۔ خواجہ صاحب کسی امیر سے مرعوب نہ ہوئے۔ اور سلطان کے خیمہ میں پہونچ کر السلام علیکم کہا اور آل عباس کی تعریف کر کے بادشاہ کو خون ریزی سے باز رہنے کی نصیحت کی بادشاہ کو یہ تمام امور ناگوار ہوئے۔ اس نے خواجہ صاحب کی سفارت کو حقارت سے ٹھکرا کے لشکر روانہ کر دیا۔ خدا کی قدرت یہ لشکر راستے میں برف باری سے برباد ہو گیا اور سلطان سے سوائے اس کے کچھ نہ بن پڑا اپنی جان بچا کر بھاگے اس واقعہ کو مشہور شاعر کمال الدین نے نظم کیا ہے۔

اجرام کوہ ہا ست کہ نہاں در میان برف	مانند پنبہ دانہ کہ در پنبہ دانہ است

سلطان ابھی حدودِ عراق سے نکلنے نہ پایا تھا کہ دوسری آفت یہ آئی کہ چنگیز خاں نے اس کے ملک پر حملہ کر دیا۔ خوارزم شاہ نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر بھاگا آخر اسی غم و اندوہ میں مر گیا۔

(۱۴) خلیفہ معتصم باللہ ۶۵۶ھ کے عہد میں جب چنگیز خاں نے نیشاپور پر حملہ کیا تو باوجود پیرانہ سالی کے خواجہ فرید الدین عطار جنگ میں تشریف لے گئے اور چنگیزی سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے بالآخر ایک سپاہی نے ان کو شہید کر دیا۔

(۱۵) امام ابن تیمیہ ۷۲۸ھ سے لوگوں نے حاکم مصر کے ظلم و ستم کی شکایت کی۔ امام صاحب حاکم کے پاس پہونچے اس نے مسکرا کر ازراہِ طنز کہا آپ نے کیوں تکلیف کی میں خود حاضر ہو جاتا۔ امام صاحب نے کہا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غلاموں کے برابر بھی نہیں

ہیں۔ حضرت موسیٰ تبلیغِ حق کے لئے دن میں تین مرتبہ گئے تو فرعون سے بھی بڑھا ہوا ہے پھر میں تیرے پاس کیوں نہ آتا۔

(۱۶) اما وزیر حکومت نے چاہا کہ ولی لوگ بطور علامت سفید عمامہ باندھا کریں۔ امام ابن تیمیہ نے وزیر سے کہا یہ حکم خلاف شریعت ہے اس کو منسوخ کر دو۔ وزیر نے بہت حجت کی اور دھمکایا جب امام صاحب پر کچھ اثر نہ ہوا تو اس حکم کو منسوخ کر دیا۔

(۱۷) قتلغ خاں گورنر دمشق نے بے حد ظلم وستم کئے۔ تمام شہر پریشان ہوگیا کسی کی جان و عزت و آبرو محفوظ نہ تھی امام ابن تیمیہ، خواجہ نظام الدین اور محمود شیبانی نے متفق ہوکر ایک لشکر مرتب کرکے قتلغ خاں پر حملہ کر دیا اور اس کو شکست دے کر نکال دیا۔

(۱۸) ایک مرتبہ دمشقیوں اور مغل سپاہیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ مغل زن و مرد کو قید کر کے لے گئے۔ امام ابن تیمیہ ملک غازان کے پاس پہونچے اور اس کو سمجھایا بادشاہ نے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔

(۱۹) ملک غازان نے ۷۰۲ھ شاہ مصر ناصر بن قلاوون پر حملہ کیا امام ابن تیمیہ بہت سے مجاہدین کو جمع کر کے مصر کی فوج میں شریک ہو گئے۔ بمقام مرج الصفر (اس کو شقحب بھی کہتے ہیں) جنگ ہوئی مصری لشکر فتحیاب ہوا۔ امام شمس الدین جامع تذکرۃ الحفاظ کا قول ہے کہ مرج الصفر کی فتح امام ابن تیمیہ کی وجہ سے ہوئی

(۲۰) امام رازی اور خواجہ اجمیری نے سلطان غوری کے ساتھ اشتراکِ عمل کیا۔

(۲۱) سلطان محمد تغلق ۷۵۲ھ کو غصہ زیادہ تھا سلطان نے ایک مرتبہ خواجہ نصیر الدین چراغِ دہلوی کی دعوت کی جب کھانے سے فراغت ہوگئی تو سلطان نے خواجہ سے عرض کی کہ مجھ کو کچھ نصیحت کیجئے خواجہ نے فرمایا۔ تمہارے مزاج میں درندوں کا سا غصہ ہے اس کو ترک کر دو۔

(۲۲) سلطان شہاب الدین بادشاہ کشمیر ۷۹۶ھ نے پچاس ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیادہ فوج سے حدودِ سلطنت دہلی پر حملہ کیا۔ فیروز شاہ تغلق نے مقابلہ کیا اسی زمانہ میں کشمیر میں حضرت خواجہ امیر کبیر سید علی ہمدانی تشریف لائے چھ ماہ قیام کر کے وہ ہندوستان کی طرف چلے راستے میں فیروز پور قیام کیا۔ یہیں سلطان شہاب الدین خیمہ زن تھا۔ سلطان خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خواجہ صاحب کو یہ امر ناگوار گزرا کہ دو مسلمان بادشاہ آپس میں لڑیں۔ خواجہ نے سلطان سے کہا کہ صلح کر لو۔ اس وقت سلطان کا پلہ بھاری تھا۔ مگر خواجہ کے فرمانے سے اس

نے صلح کر لی۔

(۲۳) مرزا شاہرخ بن تیمور کی دست درازیاں دیکھ کر خواجہ اسحاق ختلانی اور ان کے مرید سید نور بخش ۸۲۶ھ نے ختلان میں حکومت قائم کر لی اس پر جنگ ہوئی اور شاہرخ فتحیاب ہوا

(۲۴) یعقوب شاہ بادشاہ کشمیر ۱۰۰۱ھ کے عہد میں کشمیر میں بے حد مظالم ہوئے۔ تو خواجہ یعقوب صیرفی (استاد حضرت مجدد صاحب) اور بابا داؤد خاکی نے آگرہ آ کر بادشاہ کو کشمیر پر فوج کشی کی ترغیب دی اور شرائط ذیل پر لشکر کی رہنمائی اور امداد کا وعدہ کر کے فوج شاہی کے ساتھ آئے اور کشمیر فتح کرا دیا۔

۱۔ حاکم وقت امور مذہبی اور بیع و شراء اجناس اور نرخ غلات کے معاملات میں دخل نہ دے۔
۲۔ اہل کشمیر کو غلام و کنیز نہ بنایا جائے
۳۔ اہل کشمیر ہر قسم کی بدعت اور جور و تعدی سے مامون رہیں
۴۔ امرائے کشمیر جو زمانہ طوائف الملوکی میں مصدر فتنہ و فساد ہوئے ہیں ان کو امور ملکی میں شریک نہ کیا جائے۔

(۲۵) جب اکبر بادشاہ نے اپنی پیغمبری کا سکہ جمانا چاہا تو بزرگان دین نے اس کی مخالفت کی۔ اور بزرگوں کی طرح قاضی عبد اللہ الشہید سیوہاروی نے بھی بادشاہ کے خلاف وعظ تقریر کا سلسلہ قائم کیا۔ بادشاہ نے ان کا خاندانی اعزاز نوبت و نقارہ اور نصف جاگیر ضبط کر لی لیکن قاضی صاحب نے اس سلسلہ کو بدستور جاری رکھا قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ راقم سطور کے اجداد میں سے تھے۔ اور خواجہ نظام الدین بلخی کے پیر صحبت تھے

(۲۶) حضرت مجدد الف ثانی کو جہانگیر نے طلب کیا۔ حضرت تشریف لیگئے اور حسب قاعدہ دربار سجدۂ تعظیم ادا نہ کیا۔ بادشاہ کو کچھ نصیحت بھی کی یہ امر اس کو ناگوار ہوا۔ اور حضرت کو کئی سال تک نظر بند رکھا۔

(۲۷) سلطان اورنگ زیب عالمگیر غازی نے جب دکن پر چڑھائی کی تو سلطانی لشکر میں دو بزرگ یوسف اور شریف بھی شامل تھے۔ ان کا مزار حیدرآباد میں ہے اور آج تک زیارت گاہ خلائق ہے

(۲۸) معظم بہادر شاہ ابن عالمگیر غازی کی بدعنوانیوں پر حضرت سید آدم بنوری خلیفۂ حضرت مجدد صاحب نے مخالفت کی بادشاہ نے ان کی گرفتاری کا حکم صادر کر دیا۔

ملہ کتاب یادگار صفحہ ۹ شمس المطابع مراد آباد ۱۳۱۸ھ

(۲۹) معزالدین جہاندار شاہ کے مقابلہ پر جب فرخ سیر نے خروج کیا تو چونکہ جہاندار بہ نسبت فرخ سیر کے حکومت کے لئے زیادہ موزوں تھا اور عقائد و اعمال کے اعتبار سے بھی اس سے بہتر تھا۔ تو خواجہ محمد سعید عرف میراں بھیک چشتی سنہ ۱۱۳۱ھ نے نواب ظفر خاں صوبیدار کو ہدایت کی کہ وہ فرخ سیر کا ساتھ دے۔

(۳۰) جب سکھوں نے مسلمانوں پر بے حد مظالم کئے تو حضرت سید احمد شہید، مولانا اسماعیل شہید و شاہ عبدالرحیم نے جمعیت فراہم کر کے سکھوں پر جہاد کیا، اگرچہ یہ سب حضرات شہید ہو گئے۔ مگر سکھوں کی قوت پاش پاش ہو گئی سنہ ۱۸۰۳ء میں جب انگریزوں نے دہلی و آگرہ کا قصد کیا تو دہلی کے ایک بزرگ صابر علی شاہ چشتی شاہ عالم ثانی کے پاس گئے اور انگریزوں پر جہاد کرنے کی ترغیب دی[1]

صوفیائے کرام کی تبلیغی خدمات کو تمام مسلم اور غیر مسلم مورخین نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے۔ کہ اسلام کی اشاعت میں صوفیوں کا بہت زیادہ حصّہ ہے پروفیسر ڈاکٹر آرنلڈ نے پریچنگ آف اسلام میں دنیا کے ہر خطّے کے متعلق ثابت کیا ہے کہ صوفیوں نے اسلام پھیلایا حضرت خواجہ جنید بغدادی، حضرت غوث الاعظم حضرت خواجہ اجمیری، خواجہ عبداللہ خفیف خواجہ شہاب الدین سہروردی اور بہت سے متقدمین و متاخرین صوفیہ کے دست حق پرست پر لاکھوں آدمی اور والیان ملک مشرف باسلام ہوئے۔ اور سچے صوفی ہمیشہ تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کی اصلاح میں مشغول رہے اس مختصر میں اس قدر گنجائش نہیں کہ میں ان بزرگوں کی تبلیغی خدمات کا اجمال کے ساتھ بھی بیان کر سکوں

خواجہ سدید الدین سید جلال معروف بلبل شاہ آٹھویں صدی ہجری کے ابتداء میں کشمیر آئے۔ کشمیر کا راجہ رتن ان کے حالات و کرامات کو دیکھ کر مشرف با سلام ہوا راجہ کے بعد ہزاروں ہندوؤں نے حضرت کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا۔

امیر کبیر سید علی ہمدانی کے ہاتھ پر کشمیر میں ہزاروں آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کے صاحب زادے سید محمد صاحب نے تو ایسی حیرت انگیز کرامت دکھائی کہ جس کی نظیر تاریخ اسلام میں نہیں ملتی یعنی ان کے ہاتھ پر ایک دن میں دس ہزار سے زائد ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ اس امر کو ہندو مسلمان یورپین تمام مورخوں نے لکھا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو جہانگیر بادشاہ نے قید کر دیا۔ تو آپ نے قید

[1] رسالہ الصدیق ملتان ۱۹۵۶ء

خانہ میں دو ہزار ہندو قیدیوں کو مشرف باسلام کیا

حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی چشتی نے اپنے خلیفہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کو ایک مکتوب میں لکھا ہے

ہر جا باشید در اعلائے کلمتہ اللہ باشید و اصلاح مفاسد فرزندان آدم نمائید کہ انبیاء مبعوث برائے ہمیں کار بود اند جان و مال خود را صرف کار دین کنید فیض دینی و دنیوی بہ تمام رسانید و ہمہ حلاوت و عیش خود را فدائے آں بندگاں باید کرد۔

حضرت مولانا سید شاہ احمد حسن محدث امروہوی چشتی ۱۳۱۲ھ خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ نے نگینہ ضلع بجنور میں ایک جلسہ میں ڈھائی گھنٹے اسلام کے متعلق تقریر فرمائی راقم سطور بھی اس جلسہ میں شریک تھا۔ گیارہ ہندو مشرف باسلام ہوئے اس جلسہ کی کیفیت ایک ضخیم کتاب رکوب السفینہ فی مناظرۃ نگینہ میں شائع ہو چکی ہے

"صوفیائے کرام کی علمی خدمات" ابتدا سے لیکر آج تک صوفیائے کرام تالیف و تصنیف کے ذریعہ سے بھی اسلام کی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ ان کی علمی خدمات کے عشر عشیر بیان کے لئے ضخیم جلدوں کی ضرورت ہے"

امام سفیان ثوری نے تفسیر لکھی، امام مالک، امام اعظم، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور تمام ائمہ نے حدیث و فقہ کی خدمت کی۔ اور اپنے علم و اجتہاد سے ایک عظیم الشان فن یعنی علم فقہ کو پیدا کیا۔ شیخ عبداللہ بن مبارک نے کتاب الزہد تصنیف کی امام غزالی نے تفسیر لکھی اور احیاء العلوم تصنیف کی شیخ اکبر نے ۲۷۷ کتابیں تصنیف کیں دو تفسیریں ہیں شیخ کی تصانیف میں تحریف بہت ہوئی ہے۔

خواجہ علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش، حضرت غوث الاعظم، خواجہ جامی، خواجہ شہاب الدین سہروردی، خواجہ سعدی شیرازی، خواجہ قاضی حمید الدین ناگوری اور بہت سے صوفی بڑے بڑے مصنف گزرے ہیں۔ تفسیر بیضاوی کو قاضی بیضاوی نے اپنے مرشد کے حکم سے تصنیف کیا صاحب فوز المرام لکھتے ہیں ملہ

قاضی ناصر الدین بیضاوی جو امام ہیں تفسیر اور فقہ اور علم کلام اور علم اصول اور علم تصوف میں دیکھو ان کی تفسیر کو جو مشہور ہے بھری ہوئی ہے ساتھ تصوف کے۔

علامہ فیضی کی مشہور بے نقط تفسیر میں حضرت مجدد الف ثانی نے فیضی کی امداد کی۔

ملہ فوز المرام صفحہ ۱۳۸ بحوالہ کواکب ظاہرہ۔

لیکن جب حضرت کو معلوم ہوا کہ فیضی کے عقائد اچھے نہیں ہیں تو ساتھ چھوڑ دیا لہذا یہ تفسیر مکمل نہ ہو سکی۔ شاہ کلیم اللہ چشتی جہان آبادی شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز یہ تمام بزرگ صاحب تصنیف تھے۔ تمام بڑے بڑے صوفیا حدیث و فقہ و تفسیر کا درس دیتے تھے۔ شاہ کلیم اللہ نے اپنے خلیفہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کو ایک مکتوب میں لکھا۔

بمطالعہ کتب و حدیث و فقہ و سلوک چوں احیاء و کیمیا و امثال ذالک و تواریخ مشائخ پیشین بہتر است یاران اہل علم را درس تفسیر و حدیث و فقہ درمیان ظہر و عصر و بعد از صبح بگویند

مولانا فخر الدین چشتی دہلوی برابر حدیث و تفسیر فقہ کا درس دیتے رہے۔ تمام قدیم بزرگوں کی خانقاہیں مدارس اور کتب خانے تھے خواجہ گنج شکر کے کتب خانہ کا تذکرہ فوائد الفواد میں ہے سلطان المشائخ کے کتب خانے کا ذکر اکثر مورخین نے کیا ہے۔ کتب خانہ خانقاہ شیخ کبیر واقع سہسرام میں ایک لاکھ روپیہ کی کتابیں تھیں۔

خواجہ عبداللہ خفیف نے ہندوستان سے کوہستان جزیرہ سراندیپ کا راستہ دریافت کیا

غرض سچے صوفیوں نے ترویج علم و تہذیب، قیام امن و عدل، اشاعت اسلام، جہاد باللسان و جہاد بالسیف اور خلق اللہ کی ظاہری و باطنی ترقی میں پوری جد و جہد کی امراء و سلاطین کو بلا خوف نصیحت کرتے رہے یہ لوگ پوری طرح متبع سنت تھے۔

لیکن مصنوعی صوفیوں کی کثرت ہوتی جاتی تھی یہ جماعت علم سے بے بہرہ تھی اور العلم حجاب اکبر کو اپنی سند میں پیش کرتے تھے العلم حجاب اکبر کے متعلق ایک صوفی صاحب علم نے کیا خوب فرمایا ہے کہ علم سے مراد علم ذات ہے یعنی اپنے وجود کا اس قدر علم کہ تکبر سے خودی پیدا ہو جائے حجاب اکبر ہے

مصنوعی صوفیوں پر زیادہ اثر ان کی کم علمی کی وجہ سے فرقہ اباحیہ اور باطنیہ وغیرہ کا پڑا یہ لوگ ان کے دجل و فریب کو سمجھ نہ سکے لہذا ان میں بہت سی بدعات اور خلاف عقیدہ امور شائع ہو گئے۔

جب حالات بہت ابتر ہو گئے تو امام غزالی نے پانچویں صدی ہجری کے آخر میں تصوف اسلام کو بصورت فن مرتب کیا۔ احیاء العلوم وغیرہ اسی فن کے متعلق ہیں۔ اکثر مصنفین نے لکھا ہے کہ اسی سے مسئلہ وحدۃ الوجود کا ظہور ہوا

صوفیاء کے گروہ نے اگر درس و تدریس، اصلاح خلق اور جہاد سے سلاطین کی اجرہ و تنبول

سفر نامہ ابن بطوطہ

ت کے خوف سے دست کشی اختیار کی تھی تو کاش وہ اپنے مسلک کو بدعات وغیرہ ہی سے محفوظ رکھتے اور طریق سنت کے موافق اپنی تعلیم کو محدود کر لیتے لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ کم علمی حب جاہ، حب زر اور خود پسندی نے ان کو مغلوب کر کے راستے سے بھٹکا دیا۔ اگر قدیم صوفیوں حضرت جنید، حضرت غوث الاعظم، خواجہ اجمیری اور خواجہ صابر کے حالات دیکھے جائیں، ان کے ملفوظات پر نظر کی جائے اور اس میزان میں موجودہ صوفیوں کو تولا جائے تو معلوم ہوگا یہ لوگ ان سے بالکل علیحدہ ہیں۔

اس زمانے میں صوفیوں کی وہ جماعت جو شریعت کی پیروی کرتی ہے درس و تدریس میں مشغول ہے۔ لہو و لعب اور بدعات سے متنفر ہے موجودہ صوفیوں کی اصطلاح میں ان کا لقب وہابی ہے۔ میں اس موقع پر مناسب سمجھتا ہوں کہ بزرگان متقدمین اور ائمہ سلاسل اور مشائخ عظام نے جو کچھ صوفی کی تعریف کی ہے ان کے اقوال یہاں نقل کر دوں اکثر اقوال تذکرۃ الاولیاء سے ماخوذ ہیں۔ اگر کوئی قول کسی دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے تو حوالہ لکھ دیا ہے۔

صوفی کی تعریف

سر حلقۂ چشتیہ خواجہ عبدالواحد بن زید ۱۸۷ھ

جو اپنی عقل کو سنت رسول پر صرف کرتے ہیں۔ اپنے قلوب کو اس پر متوجہ رکھتے ہیں اور اپنی خباثتوں سے رسول کے دامن میں پناہ لیتے ہیں ان لوگوں پر صوفی کا اطلاق ہوتا ہے۔ [۱]

خواجہ ذوالنون مصری ۲۴۵ھ: صوفی وہ ہے کہ اس کی گفتگو اس کے حال کے مطابق ہو اور ایسی کوئی بات نہ کہے جو خود اس میں نہ ہو۔ جب خاموش ہو تو اس کا معاملہ اس کے حال کی تعبیر ہو۔ قطع خلائق میں اس کا حال ناطق ہو۔ صوفی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمام چیزوں میں صرف خدا کو پسند کیا اور خدا نے تمام انسانوں میں ان کو پسند کیا۔

خواجہ بشر حافی ۲۲۷ھ: صوفی وہ ہے جس کا دل خدا کے ساتھ ہو۔

خواجہ سہل تستری ۲۸۳ھ: صوفی وہ ہے جو کدورت سے صاف ہو۔ تفکر سے بھرپور ہو۔ خدا کی خاطر بشریت سے علیحدہ اور زر و خاک اس کے نزدیک برابر ہوں۔

خواجہ ابوالحسن نوری ۲۹۵ھ: صوفی وہ ہے جس کی جان کدورت بشریت سے آزاد

ہو، انیتِ نفس سے صاف ہو خواہشات سے خالی ہو اور ماسوی اللہ سے بھاگا ہوا ہو، نہ وہ کسی کا مالک ہو نہ مملوک نہ وہ کسی کی قید میں ہو نہ کوئی اس کی قید میں ہو۔

خواجہ ابوحمزہ محمد ابراہیم ۲۸۹ھ: صوفی صادق وہ ہے جو عزت کے بعد خوار ہو تونگری کے بعد درویش ہو ظاہر ہونے کے بعد پنہاں ہو صوفی موسن کا الٹ ہوتا ہے

امام سلاسل التصوف خواجہ جنید بغدادی ۲۹۷ھ: صوفی وہ ہے جس کا دل ابراہیم علیہ السلام کی طرح دنیا کی دوستی سے پاک ہو۔ خدا کا فرمان بجا لانے والا ہو، اس کی تسلیم و رضا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح ہو اس کا اندوہ و غم حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح ہو اس کا صبر ایوب علیہ السلام کی طرح ہو، اس کا ذوق و شوق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہو اور اس کی مناجات میں اخلاص رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہو۔ تصوف اصطفاء سے ہے جو ماسوا سے برگزیدہ ہو وہ صوفی ہے۔

خواجہ ابوعبداللہ محمد بن افضل ۳۱۹ھ: صوفی وہ ہے کہ مبرا رہے تمام بلاؤں سے اور منزہ رہے تمام عطاؤں سے۔

خواجہ شبلی ۳۳۴ھ: صوفی وہ ہے جو تمام جہان کو اپنا عیال سمجھے صوفی وہ ہے جو لوگوں سے منقطع ہو اور حق سے متصل ہو۔

خواجہ ابوعبداللہ محمد بن الحسین نروغندی (غالباً ۳۴۵ھ): صوفی حق تعالیٰ سے اور زہد نفس سے ہوتا ہے زہد کی تعریف جو صوفیائے کرام نے فرمائی ہے وہ آئندہ کسی باب میں نقل کی جائے گی،

خواجہ ابوالحسن علی بن ابراہیم حضرمی ۳۹۱ھ: صوفی وہ ہے جس کا دل جملہ کائنات سے الگ رہے حق تعالیٰ ہی کے ساتھ آرام و چین پکڑے اور اپنے کل کام اسی کو سونپ دیجے۔

خواجہ ابوالحسن خرقانی ۴۲۵ھ: صوفی بہ مرقع و سجادہ نبود و صوفی برسم و عادات صوفی نبود صوفی آں بود کہ او را حاجتے نبود چیزے ندارد کہ ماہ و ستارہ انجا حاجت نبود[1]

خواجہ نورالدین جامی ۸۹۸ھ: صوفی را در زہد مرتبہ بود وراء مرتبہ زاہد کہ حجب نفس از آں دور بود[2]

امام الصوفیہ امام عبدالوہاب شعرانی ۹۷۳ھ: صوفی متبع سنت اسرار شریعت سے واقف۔ فرائض ظاہریہ کے پابند پرہیزگار، نیکوکار اور معرفت شناس ہوتے ہیں

۱۔ نفحات الانس ص ۲۷۵ ۲۔ ایضاً ۳۔ انوار القدسیہ ص ۱۶ تا ص ۸

اور کامل صوفیوں میں کوئی نزاع و اختلاف نہیں ہوتا صوفی حتی الامکان کسی چیز کو جو شریعت سے خارج ہے نہیں کرتے امام صاحب نے صوفیوں کے بہت سے علامات لکھے ہیں ان میں سے چند ایک کو نقل کیا جاتا ہے۔

(۱) وہ علوم ضروریہ کو حاصل کرتا ہے (۲) وہ اپنے نفس سے لوگوں کے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے یعنی لوگوں کے حقوق ادا کرتا ہے اور اپنے نفس کے لئے خلقت سے مطالبہ نہیں کرتا (۳) ہر ایک کو اس کے درجہ کے موافق جگہ دیتا ہے۔ اور ہر شخص کی قدر و منزلت کو پہچانتا ہے (۴) نفع و نقصان کو سوائے خدا کے کسی کے ہاتھ میں نہیں دیکھتا (۵) وہ ایسے الفاظ سے پرہیز کرتا ہے جس سے کوئی دعوٰے یا تزکیہ نفس کا ظاہر ہونا ہو (۶) وہ حرکات ظاہریہ جیسے نماز میں کاپنے کندھوں کے ہلانے سرنگوں ہونے وغیرہ سے پرہیز کرتا ہے اور اندرونی حالت کو چھپاتا ہے (۷) وہ لوگوں کی بہبودی چاہتا ہے اور ان کو صنعت دستکاری وغیرہ ذرائع معاشرت سے روزی حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے (۸) خود کسی سے سوال نہیں کرتا، نہ کسی سائل کو رد کرتا ہے اور نہ زجرہ کرتا ہے (۹) دنیا داروں سے اپنی حاجت کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ اور اپنی بھوک پیاس کو ظاہر نہیں کرتا (۱۰) وہ اپنے ملنے والوں سے شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے (۱۱) وہ آیات متشابہات وصفات الٰہیہ و اسمائے مذدونذبہ و حروف مقطعات میں زیادہ غور و خوض نہیں کرتا (۱۲) صوفی کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک فقیہہ ہے جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے۔

" حضرت خواجہ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش " جس نے دل کو محبت غیر حق کی کدورت سے پاک رکھا وہ صافی ہے اور جس نے محبوب حقیقی یعنی خدائے تعالے کو شرک و تعطل سے منزہ اور غیر کے خیال سے پاک رکھا وہ صوفی ہے[1]

یہ ہے سچے صوفی کی تعریف اور تصوف کا صحیح مسلک جس کو صوفیوں کے اماموں اور سلاسل طریقت کے سرحلقہ مشائخ نے بیان فرمایا ہے اگر غور کیا جائے تو قرن اول اور قرن ثانی کے ختم کے قریب تک سو فیصدی ایسے صوفی نظر آئیں گے۔ قرن ثانی کے آخر سے قرن ثالث کے ختم تک پچاس فیصدی، اس کے بعد دس بیس فیصدی اور چودہویں صدی میں ہزاروں میں ایک آدھ۔ آج کل مصنوعی صوفیوں کی اس قدر کثرت ہے کہ مسلمانوں میں ستر فیصدی صوفی ہیں متقدمین کے عہد میں صدیوں میں ایک معصوم پیدا ہوا تھا آج ہر شہر

[1] کشف المحجوب

میں بہت سے منسوب موجود ہیں قرنِ اوّل اور قرنِ ثانی کے آخر تک تصوف کا مسلک کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر عمل کرنا اور اس کے مطابق دینی و دنیوی ترقی میں خلق اللہ کی بھلائی کرنا تھا۔ وہ خدمتِ حکومتِ الٰہیہ کے قیام و استحکام کے لئے جد و جہد کرتے اور حصول علم میں کمال درجہ جانفشانی کرتے تھے قرنِ ثانی کے آخر سے اکثر لوگوں نے جو صوفی کہلائے سلاطین کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر گوشۂ عافیت اختیار کیا گو انہوں نے صرف ذکر و شغل کے ذریعہ تصفیۂ قلب کو اپنا مطمحِ نظر بنا لیا تھا۔ مگر وہ درس و تدریس میں بھی مشغول رہے۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا یہ گروہ عزلت نشین علم سے محروم ہوتا گیا اور ان میں قسم قسم کی بدعات رائج ہوتی گئیں اور عجم و ہند کے تصوف سے مل کر ایک ایسا عجیب و غریب مسلک جاری ہو گیا جس کو قرآن حدیث اور اسلام سے بہت کم تعلق ہے اور بدھ کے فلسفے سے زیادہ قریب ہے۔ اب کثرت سے گروہ صوفیہ کی یہ حالت ہے۔

(۱) علم سے محروم (۲) انا الحق کے مدعی اور ہر لحظہ اس کا اعلان کرنے والے (۳) رقص و سرود کے شائق (۴) شاہدان بازاری سے ارتباط رکھنے والے (۵) تارکِ صوم و صلوٰۃ (۶) شعبدہ باز (۷) خلاف شرع امور کا علی الاعلان ارتکاب کرنے والے (۸) شرعی مسائل کا مضحکہ اڑانے والے (۹) ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھنے والے مریدوں کے مال پر گزر اوقات کرنے والے اور امیرانہ ٹھاٹ رکھنے والے (۱۰) شیعہ وغیرہ فرقوں سے بعض عقائد میں موافقت رکھنے والے (۱۱) رنگے ہوئے کپڑے پہننے والے۔ (۱۲) گیسو دراز (۱۳) قبروں پر میلے لگانے والے جہاں ہر قسم کا بازار لگتا ہے، ناچ گانا تماشے اور تمام لہو و لعب کی باتیں ہوتی ہیں۔ کھانے کے ہوٹل اور مٹھائیوں کی دکانیں ہوتی ہیں وہاں صوفی لوگ قبرستان میں دسترخوان لگا کر دعوتوں کے مزے اڑاتے ہیں سرحلقۂ صوفیائے جلیل امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک شخص کو قبرستان میں کھاتے دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص منافق ہے

لیکن یہ سب کا حال نہیں دنیا سچے صوفیوں سے کبھی خالی نہیں ہزار دو ہزار میں ایک دو ایسے بھی ہیں جن کو صحیح معنوں میں صوفی کہا جا سکتا ہے۔

الباب الثانی فی الکتب

یہ تو تحقیق ہو چکا کہ تصوف اس مسلک اور علم کا نام ہے جو انسان کو زہد و اتقاء و حسن اخلاق کے ساتھ ساتھ دنیا میں ظاہری و باطنی ترقی کے راستے پر گامزن ہونا سکھاتا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس علم کے متعلق کون کون سی کتابیں تصنیف ہوئیں اور ان کی کیا حالت ہے اور وہ کیا سکھاتی ہیں۔

یہ امر بھی مسلم ہے کہ خداوند ذوالجلال نے انسان کو دنیا میں اسلئے بھیجا ہے کہ وہ نیکی اور راستی کے ساتھ ساتھ ظاہری و باطنی ترقی کی منزلوں کو طے کرے اور اس کی رہنمائی کیلئے نبی و رسول مبعوث فرمائے اور کتب و صحائف نازل فرمائے جن میں وہ ہدایات تھیں کہ جن پر کاربند ہو کر انسان خیر و فلاح کی زندگی بسر کر سکتا۔ اسی وجہ سے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے صوفی حضرت آدم علیہ السلام تھے در حقیقت یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ ہر نبی و رسول صوفی تھا۔ اور ہر صحیفۂ آسمانی تصوف کی کتاب ہے۔ لیکن انبیاء کے اصل صحائف اب دنیا میں موجود نہیں۔ آسمانی کتابوں میں اب ہمارے ہاتھوں میں خدا کی آخری کتاب ہے، جو نبی آخر الزمان پر نازل ہوئی یعنی قرآن۔

یہ وہ کتاب ہے جس کی حفاظت کا خود خداوند کریم نے وعدہ فرمایا ہے اور اب تک وہ وعدہ سچا ثابت ہوا ہے۔ یعنی آج چودہ سو برس سے یہ کتاب بعینہٖ ویسی ہی موجود ہے جیسی رسول اکرمؐ پر نازل ہوئی تھی۔ اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ مسلمانوں کا تو یہ ایمان ہے ہی کہ قرآن مجید تحریف سے پاک ہے۔ لیکن قرآن کے غیر محرف ہونے کا محققین مذاہب غیر کو بھی اقرار ہے سر ولیم میور نے لکھا ہے [۱]

”قرآن جیسا محمدؐ نے بیان کیا ہے ویسی کا ویسی ہے“ جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ کتاب آسمانی ہے اور غیر محرف ہے تو خدا کی کتاب کے سوا خدا رسی کے بہترین اصول اس کے سوا کون بتا سکتا ہے جو اصول و اعمال اس کے خلاف قرار دیئے جائیں گے۔ وہ یقیناً غلط ہوں گے۔ اب ہمیں اس کی تعلیمات کے متعلق غور کرنا چاہیئے۔ یہاں تمام تعلقات و احکام پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہماری کتاب کا تعلق صرف مسلک تصوف سے ہے لہذا اسی حد تک اجمال کے ساتھ کچھ لکھا ہے۔

[۱] دیباچہ جوامع الکلم ص ۲ لائف آف محمد

تصوف کی روحِ رواں تین چیزیں ہیں، توحید[1] اخلاق[2] اور زہد[3]۔ لہٰذا ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ان امورِ ثلاثہ کی تعلیم و بیان میں قرآن کا کیا درجہ ہے۔ ان امور کے متعلق باب التاریخ میں لکھا جاچکا ہے۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

تصوف کی سب سے پہلی صحیح اور مکمل کتاب جو اس وقت موجود ہے وہ قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کو رسولِ اکرمؐ نے پیش فرمایا آپؐ نے اکثر احکام و آیات کی تشریح بھی فرمائی اس لئے آپ کے اقوال جن کو حدیث کہا جاتا ہے وہ قرآن مجید کی تفسیر ہے۔

حدیثیں حضورؐ نے خود بھی لکھوائیں اور حضور کی اجازت سے صحابہ نے بھی لکھیں۔ حضورؐ اور صحابہ کے عہد کی بائیس تحریراتِ حدیث آج تک موجود ہیں[5] علم حدیث کے بعد علم فقہ ہے۔ جن کو قرآن و حدیث کے اصول سے ان مقدس ائمہ نے مدوّن کیا ہے جنہوں نے صحابہؓ و تابعین سے تعلیم حاصل کی تھی۔ ان سے زیادہ آیات و احادیث کے صحیح مفہوم کو پانے والا کون ہو سکتا ہے۔ گویا فقہ قرآن و حدیث دونوں کی تفسیر ہے۔ اس کے بعد علم تفسیر کا نمبر ہے۔ تفسیریں صحابہ نے بھی لکھی ہیں۔ ان میں سے بعض موجود بھی ہیں۔ ان کے بعد ائمہ نے بھی علماء نے لکھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس صحابی اور سفیان ثوری کی تفسیریں موجود ہیں یہ سب تصوف ہی کی کتابیں ہیں۔ لیکن سنہ [illegible]ھ ہجری سے اہل بغداد نے کثرت سے احسان کی جگہ تصوف کہنا شروع کردیا اسلئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس خاص نام کی رعایت سے قرونِ ثلاثہ میں کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ قرنِ ثالثہ میں امام عبداللہ بن مبارک سنہ ۱۸۱ھ شاگردِ امام اعظم نے (جن کو صاحب تذکرۃ الاولیاء نے اولیاء میں شمار کیا ہے) کتاب الزہد والرقاق تصنیف کی یہ کتاب کتب خانہ جامع قزوینی میں موجود ہے سنہ ۴۵۹ھ میں شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن علی المقری المتوفی سنہ ۳۸۱ھ نے اربعین تالیف کی اس میں زہد و اخلاق کی حدیثیں ہیں۔

اب لوگ تصوف، قرآن و حدیث و فقہ و تفسیر سے علیحدہ ایک پانچواں علم سمجھتے ہیں اس علم سے متعلق خصوصیت سے سب سے پہلے جس مصنف کا نام لیا جاتا ہے وہ شیخ جنید بغدادی سنہ [illegible]ھ کا رسالۃ القصد الی اللہ ہے۔ مجھے تحقیق نہیں ہوا مگر غالباً یہ رسالہ اب دنیا میں موجود نہیں ہے، اس کے بعد فن تصوف کے نام سے ہر عہد میں صوفیائے کرام تصانیف کرتے رہے۔ اکثر بزرگوں کی مستقل متعدد تصانیف ہیں بعض کے ملفوظات ہیں، کسی کے

[1] دیکھو تاریخ الحدیث مصنفہ صارم

مکتوبات ہیں۔

کتاب اللمع مصنفہ خواجہ ابو النصر سراج ۳۷۸ھ لمعات الصوفیہ مصنفہ شیخ ابی عبدالرحمان السلمی ۴۱۲ھ رسالہ قشیریہ امام ابوالقاسم قشیری ۴۶۵ھ کشف المحجوب شیخ علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری ۴۶۵ھ

اس زمانہ تک تو مختلف اور مخلوط طور پر تصانیف تھیں لیکن امام غزالی ۵۰۵ھ نے تصوف کو بصورت فن مدون کیا اور احیاء العلوم وغیرہ کتابیں تصنیف کیں۔ حضرت غوث اعظم ۵۶۱ھ نے غنیۃ الطالبین وغیرہ تصنیف کیں۔ شیخ فریدالدین عطار ۶۲۷ھ نے تذکرۃ الاولیاء وغیرہ کتابیں لکھیں خواجہ شہاب الدین سہروردی ۶۳۲ھ نے عوارف المعارف اور شیخ محی الدین اکبر ابن عربی ۶۳۸ھ نے فصوص الحکم وغیرہ تصنیف کیں۔ مولانا عبدالرحمان جامی ۸۹۸ھ نے نفحات الانس وغیرہ امام عبدالوہاب شعرانی ۹۷۳ھ نے کبریت احمر وغیرہ تصنیف کیں اور بہت سے بزرگوں کی تصانیف ہیں لیکن صوفیاء کی کوئی تصنیف بھی غیر مخدوش نہیں ہے۔ کیونکہ فرقہ ہائے ضالہ کے داعیوں کو اس گروہ میں اپنی دجل وتلبیس کے پھیلانے کا بہت موقعہ ملا ہے اور ان کی تصانیف کی کتب حدیث وغیرہ کی طرح جانچ نہیں ہوئی اسلئے ان بزرگوں کی تصانیف پر محققین نے شبہات وارد کئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب قرامطہ اور اس کے دوسرے فرقوں اسماعیلیہ وغیرہ کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ ہم نے حدیث وفقہ وغیرہ میں جو جعل سازیاں کرنی چاہی تھیں وہ کماحقہ سرسبز نہیں ہو سکیں کیونکہ محدثین وعلماء نے اسماء الرجال اور اصول روایت ودرایت کے ذریعہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ کر کے دکھا دیا تھا۔ تو ان کو سب سے بہتر یہی میدان نظر آیا کہ صوفیائے کرام کی کتابوں میں تحریف کریں انہوں نے تحریف میں یہاں تک کمال کیا کہ کتب تاریخ وقصص اور شعراء کے دواوین کو بھی تحریف سے نہیں چھوڑا۔ اس زمانہ میں مطابع وغیرہ تو تھے نہیں۔ نقل کے ذریعہ سے کتابیں چلتی تھیں لہذا اکثر فرقہ ضالہ کے معتقدین نے کتابت کا پیشہ اسی غرض سے اختیار کیا تھا ایک یہ صورت بھی کی گئی کہ داعیان فرقہ ضالہ نے اکثر اسماء والقاب وہی مقرر کئے تھے جو اہل حق کے تھے ان کے یہاں امام جریر طبری بھی ہیں۔ امام ابو حنیفہ بھی ہیں، ترمذی، شافعی، عطار، اور حافظ غرض سب ہیں انہوں نے اپنی کتابوں کے نام بھی ان کی کتابوں کے نام پر رکھے۔ اور ان بزرگوں کی طرف سے مستقل

تصانیف بھی مشہور کیں۔ ابان بن عثمان بن یحییٰ بن زکریا معروف بہ ابان الاحمر نے کتاب المغازی تصنیف کر کے حضرت ابان بن عثمان غنی کے نام سے مشہور کی۔ جابر جعفی اپنے عقیدہ کے موافق حدیثیں بنا کر یا حدیثوں میں تغیر کر کے مستند روات کی سندوں کے ساتھ حدیثیں رائج کیا کرتا تھا۔ ابوالقاسم محمد بن عبداللہ بن ابی خلف قمی بھی یہی کیا کرتا تھا ابراہیم بن قتیبہ نے شیخ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کی کتاب معارف کے نام پر اپنی کتاب کا نام بھی معارف رکھا۔ کتاب سرالعالمین امام غزالی کے نام سے مشہور کی گئی ایک کتاب جس کا نام مختصر ہے مالک قرطبی نے تصنیف کر کے امام مالک کے نام سے مشہور کی۔ شیخ مجدالدین فیروز آبادی کے نام سے کسی نے ایک کتاب امام اعظم کی رد و تکفیر میں تصنیف کر دی۔ وہ کتاب شیخ ابوبکر بن خیاط کی نظر سے گذری تو انہوں نے شیخ مجدالدین کو خط لکھا۔ شیخ نے جواب میں لکھا کہ یہ مجھ پر کسی نے افترا کیا ہے میں نے اس قسم کی کوئی کتاب نہیں لکھی۔ میں تو امام اعظم کا معتقد ہوں۔ وہ کتاب اگر آپ کو ملے تو جلا دیں۔ منصور حلاج کی تصنیف سے ۴۷ کتابیں مشہور ہیں۔ لیکن ابن الندیم نے الفہرست میں لکھا ہے کہ حلاج ہر فن میں صفر محض تھا

تصانیف عطار: شیخ فریدالدین عطار اولیائے کبار میں سے ہیں ان کی تصانیف نظم و نثر میں ہیں ان کی کل تصانیف کی تعداد قاضی نوراللہ شوستری مجتہد ۱۰۱۹ھ نے (۱۱۴) لکھی ہے بعض نے (۱۰۰) بعض نے (۴۰) تعداد لکھی ہے ایک جعفی المذہب آدمی نے عطار تخلص کر کے ان کے نام پر چند کتابیں تصنیف کر کے مشہور کیں۔ ان میں سے ایک کتاب لسان الغیب ہے اس کے متعلق مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی مقدمہ تذکرۂ عطار میں لکھتے ہیں

" اس کتاب کی لغویت اور عطار کے نام پر افترا ہونے کے راز سے ناواقف نہ رہیں" مشہور ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد ایک مثنوی اسرار الشہود شیخ عطار کے نام سے مشہور ہے مگر اصل میں یہ شمس الدین محمد لاہجی اسیری کی تصنیف ہے کیونکہ اس میں سید نوربخش کی مدح ہے

آمد از غیب نامش نوربخش بود چوں خورشید نامش نوربخش

سید نوربخش خواجہ شیخ عطار سے کم و بیش تین صدی بعد ہوئے ہیں۔ ایک کتاب اسرار نامہ شیخ عطار کے نام سے مشہور ہے بے دو ہیں۔ ایک بحر ہزج مسدس میں ہے دوسری بحر رمل مسدس میں ہے اس کی زبان شیخ عطار کے زمانہ کی زبان سے زیادہ صاف ہے۔

اسلیئے اسے عطار کی تصنیف نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ حاجی خلیفہ نے اسے مولانا روم کی طرف منسوب کیا ہے۔ خواجہ عطار کی کلیات میں بھی بہت کچھ تصرف ہوا ہے ان کے کلیات کا سب سے قدیم نسخہ ان کی وفات سے ڈیڑھ صدی بعد لکھا گیا

ایک کتاب تذکرۃ الاولیا ان کی طرف منسوب ہے۔ اس میں ایسی غلط اور لغو روایتیں ہیں جو صریح تاریخ و واقعات و عقل کے خلاف ہیں۔ مثلاً منصور حلاج کے متعلق لکھا ہے کہ اس کو میدانِ حشر میں زنجیروں سے جکڑ کر لائیں گے تاکہ صفحۂ حشر کو زیر و زبر نہ کر دے نیز لکھا ہے کہ شیخ عطار سے خلیفہ نے حلاج کے متعلق سوال کیا حالانکہ یہ صریح غلط ہے۔ کیونکہ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ شیخ کی وفات حلاج کے واقعہ سے قبل ہو چکی تھی۔ لکھا ہے کہ شیخ عبداللہ بن خفیف جب منصور کی سولی کے نیچے پہونچے تو جان بحق ہو گئے۔ حالانکہ شیخ کی وفات ان کے وطن شیراز میں حلاج کے واقعہ سے (۶۲) برس بعد ہوئی لکھا ہے حلاج کے قتل کے فتوے پر حضرت جنید نے مہر کی تھی حالانکہ حضرت جنید حلاج کے قتل سے بارہ برس پہلے وفات پا چکے تھے حضرت خواجہ پارسا فصل الخطاب میں فرماتے ہیں

"آنچہ در بعضے کتب نوشتہ کہ سید الطائفہ شیخ جنید فتویٰ بقتلِ حسین بن منصور نوشتہ اند ایں افترائے محض است بر سید الطائفہ وفات ایشاں پیش از قصۂ منصور بیازدہ یا دوازدہ سال بودہ۔"

صوفیوں میں مشہور ہے کہ حضرت جنید کے سامنے جب منصور کے قتل کا فتویٰ پیش کیا گیا تو حضرت نے اس پر یہ شعر لکھ دیا۔

ظاہرا ایں مرد گرچہ کشتنی است   باطناً ہرگز نمیدانم کہ کیست

حضرت سفیان ثوری کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان کی بددعا سے خلیفہ مع ارکانِ دولت زمین میں دھنس گیا یہ بیان تمام تاریخوں کے خلاف ہے حضرت سفیان کے عہد کے خلفاء کی موت کے واقعات کتب تاریخ میں اس طرح مذکور ہیں کہ بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان الحمار جنگ میں مارا گیا اور بنی عباس کا پہلا خلیفہ ابوالعباس سفاح معمولی موت سے مرا اس کے بعد ابوجعفر منصور خلیفہ ہوا۔ وہ حضرت سفیان کا معتقد تھا ۱۵۸ھ میں حج سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں اپنی موت مرا۔ خلیفہ مہدی ابن منصور بھی حضرت سفیان کا معتقد تھا اسی کے عہد میں حضرت نے وفات پائی۔

خواجہ داؤد طائی کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ فضیل بن عیاض نے ان کو صرف دو مرتبہ دیکھا۔ یہ صریح غلط ہے۔ یہ دونوں بزرگ امام اعظم کی مجلسِ فقہ کے رکن تھے برسوں رات دن ساتھ رہے۔

کنز الحقائق ایک کتاب شیخ عطار کے نام سے مشہور ہے یہ اصل میں پہلوان محمود بن بوریائی ولی خوارزمی ۷۲۲ھ کی تصنیف ہے اس میں یہ شعر بھی ہے۔

بود جان پدر بشنو ز محمود کز بینش جز حقیقت نیست مقصود

ایک کتاب مفتاح الفتوح ہے اس کے متعلق محمد بن عبد الوہاب قزوینی نے دیباچہ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ یہ کسی زنجانی کی تصنیف ہے مصنف نے اس کا سالِ تصنیف خود ایک شعر میں بیان کیا ہے

بسالِ ششصد ہشتاد و دو چہار مشہور سال رابد آخرِ کار

خواجہ عطار کی وفات ۶۲۷ھ میں ہوئی اس لیے یہ کتاب خواجہ کی وفات سے (۱۱) برس بعد کی تصنیف ہے۔ ایک کتاب رحلت نامہ ہے۔ یہ شیخ بہلول کی تصنیف ہے اس میں یہ شعر ہے

ہر کہ می خواہد کہ او واصل شود در رہ بہلولش ہمہ حاصل کند

یہ مثنوی شیخ بہلول کے نام سے بھی مشہور ہے منصور نامہ۔ یہ بھی مثنوی بہلول کا ایک حصہ ہے۔ بے سر نامہ یہ کتاب شیخ عطار جیسے فاضل و کامل فن اور بزرگ کی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ تمام کتاب منصور نامہ کے اشعار کے سرقہ سے مرتب ہوئی ہے۔

منصور نامہ میں یہ شعر اس طرح ہیں

بود منصور سے عجب شوریدہ حال در رہِ تحصیل او را صد کمال

حال در حالِ عجیب بود اے پسر نے چوں حالِ این خسیساں بےخبر

اور رموزِ سرِ حق بے پردہ بود نے کہ چوں ما راہ را گم کردہ بود

بے سر نامہ میں بھی یہی اشعار ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلے شعر میں منصور کی جگہ عطار ہے دوسرے شعر کے دوسرے مصرعہ میں خسیساں کی جگہ کساں ہے تیسرا شعر اس طرح ہے۔

در رموزِ سرِ حق بے پردہ بود نے کہ ہمچو ما و تو در پردہ بود

ایک مثنوی کنز الاسرار ہے یہ کسی تربتی تخلص کی تصنیف ہے۔ عطار کے نام سے

مشہور ہے اس میں یہ شعر ہے۔

نصیحت ہائے مسکین نہ بینی را ۔۔۔ بگوشش خود بگیرد مرد دانا

ان تمام کتابوں میں شیعیت کے بعض مسائل کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ایک کتاب لسان الغیب نام ان کی طرف منسوب ہے اس میں یہ شعر ہے۔

شیعۂ پاک است عطار اے پسر ۔۔۔ جنسِ این شیعہ بجانِ خود بخر

خواجہ عطار ایک فاضل اور متانت شاعر تھے۔ ان کی طرف جو منظوم تصانیف منسوب ہیں کسی اچھے شاعر کی تصنیف نہیں سمجھی جا سکتیں۔ ان کے نام سے ایک کتاب ہیلاج نامہ بھی مشہور ہے

ہیلاج نامہ عطار کے اغلاط

معائنہ بر وزن مفاعلہ ہے اس شعر میں غلط طور پر مفاعیلہ باندھا ہے

معائنہ مرا کرد است واصل ۔۔۔ حقیقت او در روشن جان وہم دل

عام کی جمع عوام ہے اس شعر میں اعوام غلط باندھا ہے۔

کنون اے شیخ این اعوام مسکین ۔۔۔ بصورت اندرین شورند در کین

بت شکن ایک الف زیادہ ہے

نہ این جاست ابراہیم درمن ۔۔۔ نشود در عاقبت این جا بت اشکن

شمارا، زائد باندھا ہے۔

خبر دارم شمارا از شمارا ۔۔۔ کہ خواہد بود نام خر قنارا

مظہر العجائب عطار میں ہے

روز قرآن سخت گیر د پوست ماں ۔۔۔ پوست را اندازپیش کرگساں

مولانا روم کے نام سے یہ شعر یوں مشہور ہے۔

من ز قرآں برگزیدم مغز را ۔۔۔ پوست را پیش سگاں انداختم

عطار کا ایک مستزاد ہے۔

نقشِ قدم از مخزنِ اسرار برآمد ۔۔۔ خود گنج عیان شد

بود خوف کہ خود بر سر بازار برآمد ۔۔۔ بر خود نگراں شد

مولانا روم کے نام سے بھی یہی مستزاد مشہور ہے۔

تصانیف ابنِ مقفع

عثمان بن عمر بن بحر المعروف بہ جاحظ معتزلی نے کئی کتابیں لکھ کر حکیم ابنِ مقفع کے نام سے مشہور کیں۔ اس کے بعد بعض لوگوں نے اس کے نام سے کتابیں لکھیں چھٹی صدی ہجری میں حلولیہ اور اباحیہ فرقے کے لوگوں نے اپنے مسائل و عقائد کو زور شور سے شائع کرنا شروع کیا اور مسئلۂ اتحاد و حلول کی تبلیغ پر تمام ہمت صرف کر دی اسی زمانے میں فلسفہ کا زور ہوا۔

تصانیف ابن عربی۔ یہ دیکھ کر شیخ محی الدین اکبر نے ان مصنوعی مسائل کے متعلق گہرے فلسفیانہ رنگ میں تصانیف کیں اور اپنے پرزور فلسفیانہ دلائل سے اتحاد و حلول سے بچانے کے لئے مسئلۂ وحدۃ الوجود کی طرف رخ کیا اور اس مسئلہ کو اس خوبی سے اور ایسے نازک دلائل سے ثابت کیا کہ اتحاد و حلول کا شبہ بھی نہ ہونے پائے تحریف کرنے والوں کو یہ اچھا موقعہ ہاتھ آیا انھوں نے شیخ کے متعلق بعض مسائل و عقائد مشہور کر دیئے اور ان کی کتابوں میں خوب تحریف کی ان کے نام سے کتابیں مشہور کیں۔ اب کوئی ذریعہ ایسا نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ شیخ نے وحدۃ الوجود کو کیا سمجھا تھا۔ اور کیا دلائل قائم کئے تھے۔ شیخ کی طرف ایک بڑی تفسیر بھی منسوب ہے اس کے متعلق محققین نے لکھا ہے کہ اس میں بہت کم حصہ شیخ کا ہے ایک کتاب فتوحاتِ مکیہ ہے اس میں بھی تحریف ہوئی ہے چنانچہ شیخ ہی کے سلسلہ کے ایک امام شیخ عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے کہ میں نے فتوحاتِ مکیہ کا ایک قلمی نسخہ شیخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا شیخ شمس الدین سید محمد بن سید ابوالطیب کے پاس دیکھا اس میں وہ مسائل نہ تھے جو شیخ کی طرف فتوحاتِ مروجہ میں منسوب ہیں اس کو دیکھ کر شیخ شعرانی نے فتوحات کا خلاصہ کیا اس کا نام لواقح الانوار القدسیہ رکھا پھر اس کا خلاصہ کر کے کبریتِ احمر نام رکھا ان کتابوں میں وہ مسائل نہیں ہیں جو شیخ کی بدنامی کا باعث ہیں اور جن کو تحریف کرنے والوں نے بڑھا دیا ہے۔ مروجہ کتابوں میں بعض مقولے ایسے اضافہ کئے گئے ہیں جو کسی اہلِ عقل کے قلم سے نہیں نکل سکتے مثلاً لکھا ہے کہ

ہماری کتابیں دیکھنا حرام ہیں۔

جب مصنف کو معلوم تھا کہ یہ اس قدر مضر کتابیں ہیں کہ جن کا دیکھنا جائز نہیں تو تصنیف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ اسبابِ معصیت کو فراہم کرنا جائز نہیں حق یہ ہے کہ حضرت شیخ پر یہ افترا ہے۔ ان کے متعلق امام شعرانی نے کتاب الیواقیت میں لکھا ہے۔

عـہ تذکرہ شیخ محی الدین ابن عربی صفحہ ۱۰۳ مصنفہ عبدالغفور دوستی مطبوعہ ۱۳۰۶ھ

آپ کتاب و سنت کے سخت پابند تھے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس کسی نے لوگوں میں ایسی بات کہی کہ وہ اس کو نہ سمجھ سکیں۔ تو وہ ان کے لئے فتنہ ہے اور حضرت علی نے فرمایا ہے۔ لوگوں میں وہی بات کرو جس کو وہ سمجھ سکیں۔ اس صورت میں کسی طرح یقین نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت شیخ جیسے بزرگ متبع سنت نے ناقابل فہم اور ادق نکات بیان کئے ہوں۔ حضرت شیخ کے جو اقوال اس کتاب میں نقل کئے ہیں ان سے بھی امام شعرانی کی تصدیق ہوتی ہے۔ شیخ کی تصانیف کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے چار سو لکھی ہے اور صاحب برھان الازھر نے (۴۸۸) لکھی ہے

تصانیف اجمیری۔ خواجہ معین الدین اجمیری کے نام سے کتابیں مشہور ہیں۔ انیس الارواح، رسالہ در کسب نفس، اور دیوان۔ خواجہ اجمیری کے دیوان کے متعلق مولوی صباح الدین عبدالرحمان صاحب اپنے مضمون میں رسالہ معارف ۱۹۴۵ء میں لکھتے ہیں خواجہ کی طرف ایک دیوان بھی منسوب ہے۔ مگر اہل نظر کی رائے میں یہ جعلی ہے۔

معراج العاشقین۔ خواجہ گیسو دراز کی تصنیف ہے ایک کتاب معراج العاشقین انجمن ترقی اردو نے شائع کی تھی عرصہ کے بعد ارکان انجمن کو تحقیق ہوا کہ یہ رسالہ خواجہ صاحب کا مصنفہ نہیں ہے انجمن ترقی اردو کراچی نے اس کا اعلان اپنے رسالہ اردو جنوری ۱۹۵۰ء میں کیا خواجہ گنج شکر کے نام سے بھی ایک کتاب آفاق النفس مشہور رہی ہے۔

تصانیف سعدی۔ شیخ سعدی کی کتابوں میں بہت زیادہ تحریف ہوئی ہے۔ شیخ نے خود بیان کیا کہ میں محدث ابن جوزی کا شاگرد ہوں محدث موصوف حدیث کے معاملہ میں نہایت محتاط تھے لیکن شیخ سعدی کی تصانیف میں جو حدیثیں مذکور ہیں وہ اکثر یا تو ضعیف ہیں یا موضوع ہیں۔ جیسے لی مع اللہ وقت لا یسعہ ملک مقرب یا حضرت ابوہریرہ کی حدیث زر غبا۔ بوستان میں ایک حکایت ہے جس میں شیخ کا سومنات میں آنا مذکور ہے وہ بالکل جعلی ہے اور بہ مقصد شیعوں کے مسئلہ تقیہ کو ثابت کرنے کیلئے گھڑا گیا ہے۔ کیونکہ وہ حکایت سراسر غلط بیانی کا مجموعہ ہے شیخ ایسی لغو باتیں نہیں کر سکتے تھے مثلاً لکھا ہے

بتے دیدم از عاج در سومنات   مرصع چو در جاہلیت منات

یعنے سومنات کا بت ہاتھی دانت کا بنا ہوا تھا یہ غلط ہے ہندو ہاتھی دانت کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ وہ معبود کی تصویر اس سے کیونکر بناتے۔

ثنا دند گبراں پاژند خواں چو سگ با من از بہر یک استخواں

پاژند ہندو نہیں پڑھتے۔ پارسیوں کی کتاب ہے ہندوؤں کی کتاب وید ہے اسی طرح

پس بردہ مطراں آذر پرست

ہندو کو کہیں گبر اور کہیں مطراں کہا ہے حالانکہ مطراں پادریوں کو کہتے ہیں اور عیسائی آذر پرست نہیں ہیں گبر پارسیوں کو کہا جاتا ہے۔ غرض ان تمام باتوں سے اس کی مصنوعیت ثابت ہوتی ہے اسی طرح بوستاں میں اور بھی اشعار ہیں۔

کشف مکتوم۔ یہ کتاب امام فخر الدین رازی کی طرف منسوب ہے اس میں اعمال تسخیر کواکب اور جادو لکھے ہیں بعض عملوں کے ساتھ لکھا ہے کہ اس عمل کو کرنے کے بعد زنا یا اغلام کرے حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ کتاب فخر رازی شیعی کی تصنیف ہے

عوارف المعارف۔ عوارف المعارف کا جو نسخہ بابا فرید الدین گنجشکر کے پاس تھا اس میں اور شیخ نجیب الدین متوکل کے نسخے میں اختلافات تھے چنانچہ سلطان المشائخ نے بابا صاحب سے عرض کیا۔

من نسخہ دیگر بخدمت شیخ نجیب الدین متوکل دیدہ ام۔

تصانیف سلطان المشائخ۔ سلطان المشائخ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے ایک شخص نے آپ کی لکھی ہوئی ایک کتاب دکھائی تو انہوں نے فرمایا۔

من ہیچ کتابے نہ نوشتہ ام (فوائد الفواد) حمید شاعر قلندر مرید خواجہ چراغ دہلوی نے خیر المجالس مصنفہ ۷۵۶ھ ہجری میں لکھا ہے۔

گیارہویں مجلس خیر المجالس خواجہ چراغ دہلوی نے فرمایا۔

میرے حضرت پیر و مرشد سلطان الاولیا خواجہ نظام الدین قدس سرہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ الاسلام فرید الدین اور شیخ الاسلام حضرت خواجہ مولانا قطب الدین بختیار کاکی اور باقی خواجگان چشت اور دوسرے

مشائخ نے جو ہمارے شجرہ میں ہیں کسی نے کوئی تصنیف نہیں کی ۔ میں نے عرض کیا (یعنی حمید شاعر نے) کہ کتاب فوائد الفواد میں لکھا ہے کسی نے حضرت سلطان جی کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ایک معتبر آدمی سے سنا ہے وہ کہتا تھا کہ میں نے آپ کی تصنیف سے ایک کتاب دیکھی ہے ۔ حضرت سلطان جی نے فرمایا اس نے غلطی کی ہیں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی یہ سن کر حضرت خواجہ چراغ دہلوی نے فرمایا کہ واقعی ہمارے سلطان ما ولیار نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی ۔ پھر میں نے (یعنی حمید شاعر نے) عرض کیا کہ یہ رسالے جو آج کل ہمیں دستیاب ہو رہے ہیں جن کا نام ملفوظات حضرت شیخ قطب الدین اور ملفوظات حضرت شیخ عثمان ہارونی ہے ۔ کیا یہ رسالے بڑے حضرت کے زمانے میں ظاہر نہ ہوئے تھے ۔ آپ نے (حضرت چراغ دہلوی نے) فرمایا یہ رسالے اس وقت نہ تھے اگر ان حضرات کی تصنیف ہوتے تو حضرت ان کا ذکر کرتے ۔

محمد اکمل خاں صاحب ایم اے سوانحعمری خواجہ غریب نواز مطبوعہ ۱۹۳۵ء مطبع سلیمی پریس الٰہ آباد میں صفحہ ۸۵ پر لکھتے ہیں ۔

ملفوظات خواجگان چشت میں بعض ایسی باتیں درج کر دی گئی ہیں جو کسی طرح ایسے بزرگوں کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتیں ۔

مولوی برکت اللہ فرنگی محلی لکھنوی ترجمہ فصوص الحکم میں لکھتے ہیں

امام عبدالوہاب شعرانی نے فرمایا ہے کہ جب میں ابو طاہر مغربی سے ملا تو انہوں نے مجھے ابن عربی کی کتاب فتوحات مکیہ کا وہ نسخہ دکھایا جس میں حاسدوں نے غلط عبارتوں کو بڑھا دیا تھا ۔ اسی طرح ملحدوں نے حضرت امام احمد بن حنبل کے مرض الموت میں تکیہ کے نیچے جھوٹے عقائد لکھ کر رکھ دیئے تھے ۔ لیکن چونکہ سب ان کے عقائد سے واقف تھے لہذا فتنہ میں نہ پڑے امام غزالی کی احیاء العلوم میں بھی چند جھوٹے مسئلے لکھ دیئے گئے تھے قاضی عیاض نے ان سب کو جلانے کا حکم دے دیا امام عبدالوہاب شعرانی نے فرمایا کہ اسی طرح میری کتاب بحر المورد میں جھوٹے مسائل لکھ کر شامل کئے تین سال تک مصر و مکہ کے علماء کے پاس اپنی دستخطی کتاب بھیجی تب فتنہ فرو ہوا ۔

دلیل العارفین ۔ دلیل العارفین کے متعلق یہ دعوٰے ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اپنے مرشد خواجہ اجمیری کے ملفوظات جمع کئے ہیں اس کے متعلق

ان کے خلیفہ خواجہ گنج شکر کا بہ قول صاحب خیر المجالس نے صفحہ ۶۷ پر بحوالہ اخبار الاخیار نقل کیا ہے از خواجگان چشت ہیچ شخصے تصنیف نہ کردہ است۔

اجمل خاں صاحب صفحہ ۹ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں

"اس رسالہ میں بعض ایسی عجیب و غریب اور خلاف عقل باتیں لکھ دی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ حضرت خواجہ غریب نواز کی تصنیف ہرگز نہیں ہے بعض باتیں ایسی ہیں جن کا قرآن و حدیث میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔ ایسی باتیں لازمی طور پر کسی شخص نے آپ کے نام سے مشہور کرنے کے لئے اس رسالہ میں بڑھا دی ہیں یہی واقعہ اکثر بزرگوں کی تصانیف کے متعلق اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے" ان کی طرف ایک کتاب اور منسوب ہے۔

معراج العاشقین۔ یہ کتاب خواجہ گیسو دراز کی طرف منسوب ہے اس کے متعلق ڈاکٹر زور اردو مخطوطات میں لکھتے ہیں خواجہ بندہ نواز (اہل دکن خواجہ گیسو دراز کو کہتے ہیں) سے منسوب ایک رسالہ معراج العاشقین شائع ہو چکا ہے ان کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے دکنی نثر میں متعدد رسالے لکھے ہیں۔ ان کے بعض اقوال و مواعظ کو ان کے معتقدین و مریدین نے بھی کتابی شکل میں لکھ کر ان کے نام سے معنون کر دیا ہے۔ زیر نظر کتاب بھی اردو نثر میں ہے۔ لیکن ٹھیک طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ خواجہ بندہ نواز ہی کی زبان ہے ممکن ہے کہ ان کے کسی معتقد نے ان کے اقوال یا ان کے کسی فارسی رسالے کو اردو جامہ پہنایا ہو۔ زبان کے لحاظ سے یہ اوائل گیارہویں صدی کی کتاب معلوم ہوتی ہے۔

ملفوظات: خواجہ جلال الدین ہانسوی خلیفہ بابا فریدالدین گنج شکر کے نام سے ایک کتاب مشتمل کلمات جس کو ملفوظات بھی کہتے ہیں مشہور ہے صاحب حیات مسعودی نے لکھا ہے کہ اس میں بہت تحریف ہوئی ہے[1]۔

ریاض القدس۔ ریاض القدس مصنفہ خواجہ نظام الدین بلخی خواجہ صاحب ... سے صدیوں کے بعد کریم المطابع بجنور میں ۱۳۰۵ھ ہجری میں شائع ہوئی۔ اس کی تصحیح مولوی ... الدین احمد ایڈیٹر اخبار مہر نیمروز بجنور نبیرہ قیام الدین قائم علوی چاند پوری کی۔ صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں

یہ تصحیح اگر بینی خطا ئے
نیاری بر سر من ماجرا ئے

[1] دیکھو صفحہ ۲۹

ازاں جاکہ کارِ تصحیح کاریست بزرگ کہ میدانِ وسیع کتاب را از الفاظ و کلمات و جملہ و فقرات بل ہر لفظ و حرکات و سکنات و طرزِ تحریر و رسم خط و املاء وغیرہ بکام ژرف ہمراہ شود۔ و حالِ اکثر نساخان زمانہ حال وخطاطانِ موجودۃ الوقت وسنگ سازانِ فی زمانِنا ظاہر وباہر بالخصوص کتاب منقول عنہ بس کہنہ وسالخوردہ و کرم آزردہ و کاتبش در اکثر جا راہ غلط کردہ بود و نسخۂ دیگر کہ ممد صحت گشتی بوجہ نادر الوجودی عنقا وار بس نایاب و مفقود و عدم فرصتی از دیگر امور مزید برآں علاوہ برآں بس حتی الوسع کمر جہد بہ تصحیحش بستہ درکوشیدم و بعض جا مجبور بہ تحریر اصل کتاب قناعت ورزیدم چونکہ سہو و خطا بخمیر بشر سرشتہ اند اگر در نظر سے چند سطور صفحہ در صفحات از دست کاتب و سنگ ساز و از کام نظر لغزشے راہ یافتہ باشد ہر آئینہ از ناظرین با تمکین امید اغماض و چشم پوشی است۔

غرض مشہور لوگوں کی کتابوں میں شیعہ فرقوں نے بہت کچھ تحریف کی ہے اور ان کے نام سے جعلی کتابیں بھی مشہور کی ہیں اب یہ فیصلہ بہت دشوار ہے بلکہ ناممکن ہے کہ کون سی کتاب ان کی تصنیف ہے اور کون سی جعلی ہے۔ اور جو کتابیں ان کی ہیں ان میں کس قدر تحریف ہوئی ہے۔ اس کا فیصلہ صرف ایک ہی طرح ممکن ہے جیسے ہم آگے بیان کریں گے۔

فوائد الفواد

فوائد الفواد جس میں حضرت سلطان نظام الدین اولیاء کے ملفوظات ہیں اس کے بارے میں رسالہ آستانہ اجمیر نے نقل کیا ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے اس میں کہیں سماع کو مستحب و حلال لکھا ہے کہیں حرام لکھا ہے یہ اختلاف ہی اس کی دلیل ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے۔

میزان الکبریٰ علامہ شعرانی نے اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں اپنی ایک تصنیف کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی نقلیں بہت سے لوگوں نے حاصل کیں پھر مجھ کو معلوم ہوا کہ اسکے سو سوا سو نسخوں میں تحریف کی گئی ہے جب میری زندگی میں یہ حال ہے تو خدا جانے میرے بعد کیا ہوگا۔

دیگر کتب۔ مجدد صاحب، شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبد العزیز صاحب اور مولانا اسماعیل شہید صاحب کی تصانیف بھی تحریف کرنے والوں کی دست برد سے محفوظ نہیں رہیں۔ ایک کتاب دستور الکسب، مولوی رفیع الدین مراد آبادی کی تصنیف

ہے، وہ شاہ رفیع الدین کے نام سے مشہور ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب تفہیمات الٰہیہ میں بہت زیادہ تحریف ہوئی ہے مولینا اشرف علی تھانوی مرحوم المتوفی ۱۹۴۳ء کی مشہور تصنیف بہشتی زیور میں ایک کاتب نے جو اہلِ حدیث تھے ایک مسئلہ میں اپنے مسلک کے مطابق ترمیم کردی۔ مولینا کے ایک عالم مرید کی نظر سے جو وہ کتاب گزری تو اسکو بڑا تعجب ہُوا۔ انہوں نے مولینا سے استفسار کیا مولینا نے اپنے ماہواری رسالے میں اعلان کیا کہ یہ تحریف ہے۔ راقم سطور نے ایک رسالہ محمود اور فردوسی شائع کیا تھا اس رسالہ کو ایک صاحب نے بجنسہ ایک ماہنامہ میں اپنے نام سے شائع کرادیا البتہ صرف ایک فقرہ بڑھایا تھا۔ میرے دوست سید سراج الحسن بی اے ترمذی الہ آبادی ایڈوکیٹ حیدرآباد دکن نے مجھ سے کہا کہ شخص مذکور پر دعوے دائر کردینا چاہیے مگر میرے محسن دوست مولوی فیض الدین صاحب مرحوم ایڈووکیٹ حیدرآباد دکن نے فرمایا کہ اس کی پیروی میں آپ کو بہت دوڑ بھاگ پڑے گی بس اس پر خاک ڈالئے جو کچھ ہُوا، ہُوا۔ مجلس مولود کے متعلق ایک مضمون مولوی احمد دین دہلوی نے اخبار رفیق مدراس شعبان ۱۳۶۳ھ ہجری میں شائع کرایا یہ اسی مضمون کے کچھ الفاظ بدل کر اسی اخبار میں ربیع الاول ۱۳۶۶ھ میں ایک صاحب نے اپنے نام سے شائع کردیا۔ کشف المحجوب، غنیۃ الطالبین، احیاء العلوم، رسالہ قشیریہ، عوارف المعارف یہ کتابیں اور دیگر بزرگوں کی کتابیں اگرچہ مخدوش ہیں مگر پھر بھی بہت کچھ شریعت کے مطابق ہیں۔

تمام تصانیف کے متعلق تفصیل سے لکھنا کہ ان کی کیا حالت تھی اور کس ذریعہ سے ہم تک پہونچیں اس مختصر کی بساط سے باہر ہے اسلئے بعض کتابوں کے متعلق مختصراً لکھا جاتا ہے۔

کتاب اللمع

اس کتاب کو ۱۹۱۴ء میں پروفیسر نکلسن نے طبع کرایا۔ پروفیسر مذکور نے دو قلمی نسخوں سے مقابلہ کرکے یہ نسخہ مرتب کیا۔ ان دونوں نسخوں میں سے ایک ۵۴۸ھ ہجری کا اور دوسرا ۶۸۳ھ کا لکھا ہُوا تھا یعنی پہلا نسخہ مصنف کی وفات سے (۱۷۰) برس بعد کا لکھا ہُوا تھا۔ پہلا بدخط اور کرم خوردہ تھا اور دوسرے کے درمیان کے اوراق ندارد تھے۔

طبقات الصوفیہ:۔ طبقات صوفیہ شیخ ابی عبدالرحمان السلمی نے لکھی اس کتاب کے متعلق مولینا جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں۔

الحق آن کتابیست لطیف و مجموعہ ایست شریف مشتمل بر حقائق و معارف صوفیہ

ودقائق ولطائف این رسالہ تنبیہ اما چوں بزبان ہروی قدیم کہ دراں عہد بود وتنوع یافتند و
تصحیف وتحریف نویسندگان بجائے رسیدہ کہ دربسیارے از مواقع فہم مقصود بسہولت
دست نہ دہد

"آداب المریدین"

آداب المریدین مصنفہ خواجہ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی ۵۶۳ھ یہ کتاب عربی میں تھی
اس کا ترجمہ فارسی میں گیسو دراز نے کیا جس کو ۱۳۵۸ھ ہجری میں سید عطاء حسین ایم اے
نے انتظامی پریس حیدرآباد دکن میں شائع کرایا۔ شائع کنندہ نے مقدمہ میں صفحہ ۱۲
پر لکھا ہے کہ

اس فارسی شرح کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانہ میں ہے۔ لیکن آداب
المریدین کی عبارت اس میں بہت غلط لکھی ہوئی تھی۔ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں اس
کے دو نسخے ہیں ان سے میں نے نقل حاصل کی۔ لیکن دونوں بہت غلط لکھے ہوئے ہیں۔
ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ کا نسخہ غلطیوں سے بھرا ہوا ہے۔ الفاظ کی غلطیاں بے
شمار ہیں اور کہیں کہیں کاتب نے الفاظ اور بعض جگہ عبارت بھی چھوڑ دی ہے۔ بعض جگہ
الفاظ کی غلطیوں اور بعض جگہ ان کو چھوڑ دینے کی وجہ سے عبارت بے ربط اور ناقابل فہم
ہو گئی ہے آخر کے قریب کاتب نے متن اور شرح کے تقریباً دو تین صفحے عبارت چھوڑ دی
متن میں حضرت مخدوم نے بعض مقامات پر جو الفاظ لکھے ہیں۔ ان کی شرح بر شیخ احمد سہروردی
کے نسخے میں ان الفاظ کے بدلے دوسرے ہم معنے الفاظ ہیں۔

جوامع الکلم۔ جوامع الکلم یعنی ملفوظات خواجہ گیسو دراز ۸۲۵ھ اس کتاب کو حافظ
محمد حامد نے ۱۳۵۶ھ میں انتظامی پریس حیدرآباد دکن میں شائع کرایا۔ شائع کنندہ نے
مقدمہ میں دوسرے صفحہ پر اس کتاب کے متعلق لکھا ہے۔ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام
نسخے بے شمار اور لاتعداد غلطیوں سے لبریز ہیں اور بعض مقامات پر بعض مضامین الحاقی
بھی معلوم ہوتے تھے جن کی حقیقت تمام نسخوں کے ساتھ مطابق نہ ہونے کی وجہ سے بے
نقاب ہوئی ہے

حظائر القدس۔ حظائر القدس مصنفہ خواجہ گیسو دراز اس کتاب کو حافظ عطا حسین
ایم اے نے ۱۳۵۶ھ میں انتظامی پریس حیدرآباد دکن میں شائع کرایا۔ شائع کنندہ نے دیباچہ
میں صفحہ ۱ پر لکھا ہے۔

اس کتاب کے نسخے نہایت کمیاب ہیں۔ کتب خانہ آصفیہ میں اس کے دو نسخے ہیں ایک ۱۱۰۸ھ کا لکھا ہوا اور دوسرا ۱۱۳۶ھ کا دونوں نسخوں کی کتابت غلط تھی اور وہ کرم خوردہ بھی ہیں۔ کلکتہ کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں بھی اس کتاب کا ایک نسخہ ہے۔ میں نے اس کو حاصل کیا۔ اور اس کے مقابلہ سے اپنے نقل کنائندہ نسخے کی جہاں تک ممکن ہوا تصحیح کی لیکن سوسائٹی کا وہ نسخہ ناقص تھا اور نفسِ کتاب کا تقریباً دو ثلث ہی تھا۔ اس لئے ثلثِ آخر کی تصحیح نہ ہو سکی سالِ حال میں سررشتہ امور مذہبی نے پندرہ سولہ سال پیشتر کا نقل کیا ہوا نسخہ کتب خانہ روضتین گلبرگہ میں بھیجا وہاں سے وہ میرے پاس آیا اس کی کتابت نہایت بدخط تھی اور جا بجا غلطیاں ہیں

احیاء العلوم۔ امام غزالی کی احیاء العلوم میں بھی تغیرات ہوئے ہیں۔ اور اس میں بعض ضعیف اور موضوع حدیثیں داخل کی گئی ہیں۔ اس کتاب کے مترجم نے خود لکھا ہے۔

ع۔ کچھ اہلِ علم اس کی احادیث قابلِ اعتبار نہیں جانتے

سیر الاولیاء

یہ کتاب ۸۰۰ھ میں خواجہ محمد مبارک عرف میر خورد خلیفہ سلطان المشائخ نے تصنیف کی۔ مصنف کی وفات سے کم و بیش پانسو برس بعد ایک نسخہ برآمد ہوا جس کو لالہ چرنجی لال ۱۸۹۵ء نے شائع کرایا۔ اس کتاب میں کئی جگہ سلطان المشائخ کو خلافت ملنے کا ذکر ہے۔ ہر جگہ ۶۶۹ھ ہجری لکھا ہوا ہے۔ لیکن سلطان جی کے مرشد بابا فرید ۶۶۴ھ میں وفات پا چکے تھے اسلئے یہ بیان صحیح نہیں حضرت سلطان المشائخ کے متعلق تین کتابیں مشہور ہیں۔ ایک فواد الفواد جو حضرت کے خلیفہ حسن علاء سنجری کی تصنیف ہے۔ دوسری سیر الاولیاء یہ میر خورد حضرت کے خلیفہ کی تصنیف ہے۔ تیسری کتاب چہل روزہ نام ہے جو خواجہ جہان احمد ایاز سابق راجکمار ہر دیو کی تصنیف ہے مشائخ نظامیہ ان تینوں کتابوں میں سے سیر الاولیاء کو بہت معتبر جانتے ہیں اور درحقیقت سیر الاولیاء کا طرز انداز باقی کتابوں سے بہتر ہے

چہل روزہ۔ اب ہم چہل روزہ کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ نومبر ۱۹۵۲ء میں راقم سطور کا دہلی جانا ہوا۔ ایک خاص ضرورت سے بستی نظام الدین میں جانا ہوا۔ وہاں سلطان المشائخ کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ اتفاقاً خواجہ حسن نظامی سے ملاقات ہو گئی خواجہ صاحب نے

دو کتابیں اپنی مصنفہ اپنے قلم سے میرا نام لکھ کر بطور ہدیہ مجھ کو دیں۔

ایک فاطمی دعوتِ اسلام دوسری چشتی اولیاء نامہ۔ پہلی کتاب طبع سوم کی تھی جو ۱۹۵۰ء کی مطبوعہ تھی پہلی کتاب کے متعلق میں بعد میں لکھوں گا اس چشتی اولیاء نامہ پر اظہارِ خیال کرتا ہوں۔

چشتی اولیاء نامہ المعروف بہ نظامی بنسری

خواجہ صاحب نے لکھا ہے کہ یہ کتاب فارسی قلمی کتاب چہل روزہ کا ترجمہ ہے۔ اصل کتاب کتب خانہ ریاست بھوپال میں ہے۔ وہاں سے خواجہ صاحب نے اس کی نقل حاصل کرکے اس کا ترجمہ کیا اور اس پر خود بہت سے حواشی تحریر کیے۔

راج کمار ہردیو دیوگڑھ (دکن) کے راجہ کے خاندان سے تھا۔ یہ سلطان علاؤالدین خلجی کے عہدِ حکومت میں دہلی[1] آیا۔ اور غیاث الدین تغلق کے زمانے میں مسلمان ہوا۔ (حاشیہ حسن نظامی صفحہ ۱۴)

یہ مسلمان ہوا تو اس کا نام احمد ایاز رکھا گیا۔ ملک جونا ولی عہد غیاث الدین تغلق نے (جو تخت نشینی کے بعد محمد تغلق مشہور ہوا) اس کو خواجہ صاحب کا خطاب دیا اور میر عمارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ احمد ایاز سلطان المشائخ کا مرید ہوا۔ یہ جب سلطان جی کے یہاں حاضر ہوتا تو وہاں کے حالات قلم بند کرتا ان حالات کے مجموعہ کا نام چہل روزہ ہے۔ اب اگر اس کتاب کی جانچ کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ کتاب درحقیقت ہردیو کی تصنیف ہے تو مصنف حالات سے ناواقف ہے اور اس نے خلاف بیانی کی جرأت بیجا کی ہے۔ ایک صریح جھوٹ یہ ہے کہ اس نے لکھا ہے کہ سلطان المشائخ نے جو باؤلی تیار کرائی۔ میں اس زمانہ میں بادشاہ کا میر عمارت تھا اور باؤلی بنانے کے انتظام و اہتمام میں بذاتِ خود شریک تھا اس کی اس نے بھی طول طویل داستان لکھی ہے۔ یہ تمام داستان غلط اور لغو ہے۔ کیونکہ باؤلی کی تیاری کی تاریخ (چشمۂ دلکشا) ہے جس سے (۷۲۳ھ) برآمد ہوتے ہیں۔ یہ زمانہ علاؤالدین خلجی کا تھا۔ ہردیو اس وقت تک مسلمان نہ ہوا تھا نہ دربارِ شاہی سے اس کا تعلق تھا۔

اس کتاب کو پایۂ اعتبار سے ساقط کرنے کیلئے ایک یہی بات کافی ہے اس کے علاوہ ہردیو اپنے وطن کے نام سے بھی واقف نہیں۔ کیونکہ اپنے وطن کا نام دیوگڑھ لکھتا ہے راجہ بھوج کے زمانے میں اس مقام کا نام وہارا نگری تھا۔ پھر دیوگیر مشہور ہوا (گیر) یہ لفظ دکن

---

[1] علاؤالدین خلجی ۶۹۵ھ میں تخت نشین ہوا اور غیاث الدین تغلق ۷۲۰ھ میں تخت نشین ہوا [2] بعض نے غلطی سے دیوگری لکھا ہے۔ بعض نے دیوگڑھ بھی لکھا ہے۔

کے بعض مقامات کے ناموں کے آخر میں ہوتا تھا۔ جو نگیر اب تک موجود ہے۔

سلطان محمد تغلق نے ۷۲۵ھ ہجری میں اس کا نام دولت آباد رکھا۔ چنانچہ محمد تغلق کا درباری شاعر بدر چاچی ایک مدحیہ قصیدے میں لکھتا ہے

تو دیو گیر خوانش کہ دولت آباد است   کہ چار طاق در او بست شہنشاہ جہاں

نام خواہ کچھ بھی ہو، اور کسی نے کچھ لکھا ہو، راجکمار کو تو صحیح نام لکھنا تھا۔ اس کتاب میں جابجا سلطان المشائخ کا گانا سننا۔ مزامیر سننا۔ ان کو سجدۂ تعظیمی کیا جانا۔ اور رقص کرنا مذکور ہے یہ تمام امور اس کتاب کے بیان کے خلاف ہیں جس کو نظامیہ سلسلہ کے مشائخ سب سے زیادہ معتبر کہتے ہیں۔ یعنی سیر الاولیاء۔ اسلئے اس کو صحیح نہیں مانا جا سکتا۔ رقص و سرود اور سجدہ کے متعلق انہیں عنوانات کی بحث میں ہم اس کتاب میں چند اگاند ذکر کریں گے۔ اس کتاب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سلطان المشائخ اور ان کے بڑے بڑے مرید ناواقف اور کم علم تھے چنانچہ صفحہ ۴۲ پر لکھا ہے کہ سید محمد نواسۂ بابا گنج شکر و خلیفہ سلطان المشائخ نے کہا کہ آنحضرت پڑھے لکھے نہ تھے اور ان کے اصحاب بھی پڑھے لکھے نہ تھے مگر چونکہ علی نے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا اور ان میں عقل بھی بہت زیادہ تھی۔ اس واسطے آنحضرت نے شریعت ظاہری کی تعلیم و تربیت تو سب کو دی، مگر باطنی شریعت کی تعلیم صرف علی کو دی۔

رہا باطنی تعلیم کا معاملہ تو اجمیری تھا نیسری صحابہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ تعلیم طریقت اسلام راشدہ لوحدکا قریب ہشتاد نفر یافتند شداد بن اوس سے بھی ایسی ہی روایت ہے بخاری رسالہ مکیہ میں بھی ہے۔ انحضرت نے چند اصحاب کو تعلیم فرمایا ہے جو ولایت کا اعلیٰ درجہ ہے یہ حدیث آگے آئے گی۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جس شیخ کے ایسے کم علم اور ناواقف خلفاء اور مجلس کے علماء تھے اس شیخ کا علم بھی معلوم۔ صفحہ ۱۰۱ پر لکھا ہے کہ سلطان المشائخ نے اجودھن (ان کے پیر کا وطن) کے کتے کا ہم شکل ایک کتا دیکھا۔ سات دفعہ اس کی تعظیم کو کھڑے ہوئے۔ یہ بیان سلطان المشائخ کی طرف منسوب ہے۔ حضرت سلطان المشائخ عالم فاضل متبع شریعت تھے۔ انہوں نے حدیثوں میں دیکھا ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے سے بھی منع فرمایا ہے۔ پھر سلطان المشائخ ایسی لغو حرکت کس طرح کر سکتے تھے۔ یہ چیزیں ان پیروں اور پیر پرستوں نے گھڑی ہیں جو لوگوں کے دلوں میں اپنی عظمت قائم کرنا

چاہتے ہیں۔ یہ باتیں ایسا شخص کہہ سکتا ہے جو حدیث سے بالکل بے خبر ہو۔ صحابہ کے حالات اور تاریخ سے بھی ناواقف ہو۔ آنحضرت نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے فرمایا۔ جو ہم سے سنا کرو لکھ لیا کرو۔ (ابوداؤد) بخاری اور طبقات ابن سلام طبقات ابن سعد وغیرہ بہت سی کتابوں میں ان صحابیوں کے نام لکھے ہیں۔ جو قبل از اسلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ مکہ میں صرف خاندانِ قریش میں سترہ آدمی لکھے پڑھے تھے۔ چالیس صحابیوں سے رسولِ اکرم کتابت کی خدمت لیتے تھے (روضۃ الاحباب)

حضرت ابوبکر کا غلام عامر بن فہیرہ لکھنا پڑھنا جانتا تھا (بخاری)، صحابیات میں اسماء بنت عبداللہ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں ایک مسیحی فاضل نے اپنی ایک تصنیف صناجۃ الطرب میں ان صحابیوں کے نام لکھے ہیں جو قبل از اسلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ حضرت ام خالد بنت بن سعد بن ابی العاص نے فرمایا کہ اول بسم اللہ میرے باپ نے لکھی تھی۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ ایسی باتوں سے اہل علم کی نظروں میں شیخ کی کیا وقعت رہے گی۔

صفحہ ۸۹ پر سید محمد نے جن کی علمیت و معلومات کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ خواجہ اجمیری کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ پانچ پانچ دن کے طے کے روزے رکھتے تھے۔ اور صفحہ ۱۳۶ پر حسن نظامی صاحب نے اپنے حاشیے میں لکھا ہے کہ بابا فرید نے چالیس رات کنوئیں میں لٹکے لٹک کر صلوٰۃ معکوس ادا کی۔

یہ تمام امور شرعاً جائز نہیں خواجہ اجمیری اور بابا فرید جیسے فاضل اور بزرگ اصحاب نے ہرگز اس قسم کی خلاف سنت ریاضتیں نہیں کیں۔

صفحہ ۱۰۰ پر لکھا ہے کہ سلطان المشائخ کی مجلس میں جب امیر خسرو وغیرہ ہم سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت نے فرمایا کہ تم سب مل کر ایسی زبان تیار کرو جس کو ہندوستان کے رہنے والے ہندو اور باہر کے آئے ہوئے مسلمان آپس میں بات چیت کرنے اور لین دین میں استعمال کریں۔ حسن نظامی صاحب نے سلطان جی کے اس ارشاد کو اردو کی بنیاد قرار دے دیا۔ گویا اس وقت تک اردو زبان رائج نہ ہوئی تھی۔ لیکن یہ امر سراسر خلافِ واقعہ ہے۔ کیا سلطان جی نے اپنے مرشد بابا فرید کے اردو اشعار نہ سنیں ہوں گے۔ اور کیا سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے مصنفہ رسالہ کا ذکر نہ سنا ہوگا۔

"اے طالب آسمان و زمین سب کچھ خدا میں ہے جو تحقیق جان اگر تجھ میں کچھ سمجھ ذرہ ہے"

علہ استیعاب جلد اول

اور اپنے مرشد کا یہ فقرہ بھی نہ سنا ہوگا کہ جب بابا جی کی آنکھیں دکھنے آگئیں تو بابا صاحب نے ان پر پٹی باندھ لی۔ تو ان کے مرشد خواجہ کاکی نے باندھنے کی وجہ دریافت کی تو بابا صاحب نے فرمایا۔

"آنکھ آئی ہے"

(یہ محاورہ آج تک آشوب چشم کیلئے رائج ہے)

"صفحہ ۲۲۹ پر ہے آج حضرت کی مجلس میں ایک مرید ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے۔ اور لال دوپٹہ اوڑھے ہوئے حاضر ہوئے حضرت نے ان کو دیکھا تو پوچھا موسیٰ یہ کیا صورت بنائی ہے" یہ بھی غلط ہے کیونکہ تذکروں میں لکھا ہے کہ موسیٰ شاہ سکندر کے مرید تھے ان کا ذکر ہم نے باب سلاسل میں لکھا ہے۔ موسیٰ سہاگ کی ملاقات تاریخی اعتبار سے سلطان المشائخ سے نہیں ہو سکتی کیونکہ موسیٰ نے ۸۵۲ھ میں وفات پائی اور سلطان المشائخ نے [illegible] میں وفات پائی۔ دونوں کے درمیان سوا سو برس سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔ اس کتاب میں اور بھی بہت سی غلطیاں ہیں۔ غرض یہ کتاب خواجہ احمد ایاز پر ایک اتہام ہے یہ کسی ایسے ناواقف بدعتی کی تصنیف ہے جو کم علم اور تاریخ بزرگان سلف سے ناواقف تھا۔ اس لئے یہ کتاب کسی درجہ میں بھی قابل اعتماد نہیں۔ اس کتاب میں سماع اور سجدہ تعظیمی وغیرہ کا کئی جگہ ذکر ہے اور اس پر حسن نظامی نے حواشی بھی لکھے ہیں۔ ہم نے ان پر بحث انہیں عنوانات کے تحت کی ہے۔ ان بحثوں سے بھی یہی ثابت ہوگا کہ اس کتاب کا مصنف کوئی صاحب علم اور واقف حال آدمی نہیں ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے ان کی بیعت کر لی تھی۔ اسلئے شیعہ ان سے کبیدہ خاطر ہیں حسن نظامی بھی اسی کا اثر ہے۔ کیونکہ ان کے عقائد و خیالات سب کچھ فرقہ تفضیلیہ کے موافق ہیں چنانچہ وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کی روحانی زندگی کا جھیم قرار دیتے ہوئے ہر صفحہ [illegible] پر لکھتے ہیں۔

"یہ تو میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ روحانیت کی وراثت اولاد کو بہت کم ملتی ہے بلکہ خلفاء ہی کے وارث ہوتے ہیں حضرت علی علیہ السلام کی خلافت [illegible] کے جانشین حضرت امام حسن تھے۔

لیکن روحانی سلسلے کی خلافت حضرت حسین کو ملی تھی"۔ حضرت امام حسن حضرت علی کے ظاہری و باطنی دونوں طرح کے خلیفہ تھے۔ سلسلہ چشتیہ میں امام حسن بصری کے متعلق محدثین و صوفیہ میں اختلاف ہے کہ محدثین کا ایک گروہ امام حسن بصری اور حضرت علی کی ملاقات کا قائل نہیں پھر خلافت کیسے ملی؟ اس طرح سلسلہ چشتیہ منقرض ہو جاتا ہے چشتیہ کا غیر مخدوش سلسلہ اس طرح ہے امام حسن بصری عن امام حسن عن حضرت علی۔

امام حسن بصری کے متعلق بعض نے لکھا ہے کہ وہ حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں پیدا ہوئے تھے۔ اور انہوں نے حضرت عثمان سے بیعت کی تھی اس لئے امام حسن بصری کے مرشدِ اول حضرت عثمان تھے اس کے بعد حضرت علیؓ لیکن بعض کو اس سے انکار ہے اسلئے غیر مخدوش سلسلہ حضرت امام حسن ہی سے ہے۔[۲]

شہزادہ احمد اختر چشتی اپنی کتاب تذکرۂ اولیاء ہند میں لکھتے ہیں۔

حضرت علی نے چار صاحبوں کو اپنا خلیفہ بنایا۔

وہ چار پیر کہلاتے ہیں۔ ایک امام حسن دوسرے امام حسین تیسرے کمیل بن زیاد چوتھے حسن بصری (دیباچہ)

اور صفحہ ۴۳ جلد اول میں لکھتے ہیں۔

کتاب حبیب السیر سے معلوم ہوا کہ حضرت حسن بصری نے تربیت۔ امام حسن رضی اللہ عنہ سے بھی پائی ہے

اولیائے کرام کے درجات میں نقباء کا ایک بڑا درجہ ہے۔ نقباء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات والا صفات کو بھی شمار فرمایا ہے۔ اصل حدیث کا ترجمہ ہم کتاب جمع الفوائد سے کرتے ہیں جس میں یہ حدیث بحوالہ ترمذی شریف مذکور ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو سات نجباء یا نقباء عنایت فرمائے ہیں۔ لیکن مجھے چودہ نقباء دیئے گئے ہیں۔ ہم نے عرض کیا وہ کون ہیں فرمایا میں میرے دونوں بیٹے (حسن و حسین) جعفر، حمزہ، ابوبکر، عمر، مصعب بن عمیر، بلال، سلمان، عمار، مقداد، حذیفہ اور عبداللہ بن مسعود۔

نظامی صاحب امام حسن سے خدا اور رسول کے عطا کردہ شرف کو چھین لیتے ہیں۔

[۲] صاحب نفحات الانس پر صفحہ ... یہ لکھتے ہیں۔ کہ امام حسن سے ایک سلسلہ قادریہ ... تذکرہ ... مطبوعہ ... (ترجمہ ...)

ہے جس کی تفصیل ربط المشائخ میں ہے "اگر امام حسن کو روحانی خلافت نہ ملی ہوتی تو تمدمادمیں یہ سلسلہ کیونکر جاری ہوتا ؟

مجھے یاد پڑتا ہے کہ نظامی صاحب نے نقشبندیہ سلسلہ پر یہ اعتراض کیا کہ شجرہ نقشبندیہ میں خواجہ بایزید کے بعد شیخ ابوالحسن خرقانی کا نام آتا ہے اور ان دونوں کے درمیان اس قدر فصل ہے کہ لقاء صوری ممکن نہیں۔ اسلئے سلسلہ نقشبندیہ منقرض ہے

گو خواجہ خرقانی اور خواجہ بایزید بسطامی کے درمیان بڑا فصل ہے لیکن یہ سلسلہ لقائے صوری سے بھی ہے۔ ابوالحسن خرقانی عن شیخ ابوالمظفر ترک طوسی عن شیخ ابی یزید عشقی عن شیخ محمد مغربی عن شیخ احمد خضرویہ عن خواجہ بایزید بسطامی۔ صفحہ ۱۵ پر نظامی صاحب حاشیے میں لکھتے ہیں۔

ہجوم کرنے والے زائرین کو انتظام اور قابو کے اندر رکھنے کیلئے پاک پٹن میں بابا فرید کے مزار پر، لکڑیوں سے مارتے ہیں (منتظمین) میں نے دیکھا کہ لکڑیوں سے ان کے چہرے خون آلود ہو جاتے ہیں اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کا خون داڑھیوں پر ملتے جاتے ہیں فریدا، فریدا، فریدا، اور کسی مار پیٹ کی پرواہ نہیں کرتے کعبہ شریف کے طواف کے وقت بھی بدو عرب ایسی ہی حرکتیں کیا کرتے تھے۔

پاک پٹن کی مار پیٹ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے ممکن ہے صحیح ہو، مگر کعبہ شریف کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ میں نے آج تک کسی حاجی سے نہیں سنا نہ کسی سفرنامہ میں پڑھا نہ بچشم خود ایسا دیکھا۔

فاطمی دعوت اسلام

مصنفہ خواجہ حسن نظامی دہلوی

طبع سوم ۱۹۵۵ء

اس کتاب میں خواجہ حسن نظامی نے سادات کی تبلیغ اسلام کو بیان کیا ہے جس میں کثرت سے شیعہ فرقوں کے داعیوں کا ذکر ہے اگرچہ باعتبار تاریخ یہ کتاب بھی پر از اغلاط ہے۔ لیکن ہماری اس کتاب سے ان امور کا تعلق نہیں۔ اسلئے ہم ان کا ذکر بھی نہیں کرتے تصوف کے متعلق جو بعض غلط امور بیان کئے ہیں ان میں سے خاص خاص کا ذکر کیا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ یہ امر قابل اظہار ہے کہ حسن نظامی صاحب تفضیلیہ میں۔

اسلئے ہر موقع پر وہ اپنے عقیدہ کو راست ثابت کرنے کیلئے ہر قسم کی سعی کرتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد اور عشرۂ مبشرہ میں سے چوتھے خلیفہ تھے خدا نے تمام ظاہری و باطنی خوبیاں انہیں عطا فرمائی تھیں ان کی اور ان کی اولاد کی محبت ہمارے ایمان کی قوت و زینت ہے۔ ان کی جس قدر مدح کی جائے کم ہے۔ لیکن ان سے پہلے جو تین خلفاء ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم گزرے وہ ان سے افضل تھے اور خلافت باعتبار فضیلت قائم ہوئی۔
یہی عقیدہ تمام اہل حق اور صوفیانِ برحق کا ہے۔ نظامی صاحب نے اس کتاب کو (۱۳۴) صفحات پر ختم کیا ہے اور اس کے بعد ایک ورق شامل کیا ہے جس پر شمار کا ہندسہ نہیں ہے۔ اس میں عنوان ہے "بنی فاطمہ کے کارنامے"

اس عنوان کے تحت حضرت علی کی فضیلت ثابت کی ہے۔ حضرت کی رفاقت میں شعب ابو طالب میں رسول کریم اور ابو طالب وغیرہ کے ساتھ حضرت علی بھی محبوس رہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت اس زمانے میں بچے تھے سارا خاندان محبوس تھا تو یہ ماں باپ کی رفاقت کے سوا کہاں جاتے اس کے علاوہ یہ بات ہے کہ ابوبکر، عمر، عثمان، بلال وغیرہ اصحاب نے آنحضرت کی رفاقت میں اس سے زیادہ مصائب برداشت کئے ہیں اس کے بعد حسن نظامی صاحب نے غزوۂ احزاب (خندق) کا ذکر کیا ہے معلوم نہیں کس مصلحت سے پوری حدیث اور حدیث کے الفاظ کا ترجمہ نہیں لکھا۔ لکھتے ہیں۔

ابو سفیان بارہ ہزار فوج لیکر مدینہ پر چڑھ آیا تو آنحضرت نے مدینہ کے گرد خندق کھودلی تھی۔ کافروں کا ایک بڑا پہلوان جس کا نام عمر بن عبدود تھا۔ اپنا گھوڑا کودا کر خندق کے اندر آگیا۔ اور اس نے آنحضرت کو پکارا کہ محمد میرے لئے کسی کو بھیجو آنحضرت نے دہنے بائیں طرف دیکھا مگر کوئی مسلمان آگے نہ بڑھا۔ البتہ علی آگے بڑھے تو آنحضرت نے فرمایا تمہاری عمر چھوٹی ہے اور دشمن ایک ہزار سواروں کی طاقت رکھتا ہے۔ دشمن نے دوبارہ آواز دی۔ پھر آنحضرت نے دائیں بائیں دیکھا مگر دشمن کی دھاک ایسی تھی کہ مقابلہ کے لئے کوئی نہ بڑھا حضرت علی پھر بڑھے اور آنحضرت نے دوبارہ روک دیا تیسری دفعہ دشمن نے کہا اگر تمہارے پاس مجھ سے لڑنے کیلئے کوئی

نہیں ہے تو ہتھیار ڈال دو۔ اور یار۔ مان لو۔ پھر آنحضرت نے دائیں بائیں دیکھا اور کوئی آگے نہ بڑھا
مگر حضرت علی آگے بڑھے تو آنحضرت نے ان کے سر پر اپنا عمامہ رکھدیا۔ اور اپنی تلوار ذوالفقار
انہیں دے دی اور کہا جاؤ میں نے تم کو خدا کے سپرد کیا اور دشمن کو تمہارے سپرد کیا۔ حضرت علی
سامنے آ گئے۔

آگے لکھا ہے کہ حضرت علی زخمی ہوئے اور انہوں نے وار کر کے دشمن کو قتل کر دیا۔ اس
معرکہ میں خاک جو اڑی تو مسلمانوں نے سمجھا کہ حضرت علی شہید ہو گئے۔ مگر حضرت علی جب خون
سے چمکتی ہوئی تلوار لئے ہوئے گرد و غبار سے باہر آئے اور انہوں نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا تو رسول
اللہ اور ان کے ساتھ سب مسلمانوں نے بھی تکبیر کے نعرے بلند کئے۔ اس معرکہ کے متعلق صحیح
حدیث میں جو کچھ مذکور ہے۔ اس کے لکھنے سے پہلے میں یہ عرض کرنا بھی ضروری خیال کرتا ہوں
کہ نظامی صاحب اردو کے مشہور ادیب ہیں مگر لکھتے ہیں۔

گھوڑا کود کر خندق کے اندر آ گیا

اندر آنے کا یہ مطلب ہے کہ خندق میں گر گیا حالانکہ نظامی صاحب کا یہ مطلب نہیں ہے
یوں لکھتے کہ خندق کے پار آ گیا

صحیح واقعہ

جب خندق کے قریب دشمن کا لشکر خیمہ زن تھا تو آنحضرت نے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا۔
کوئی ہے جو باہر نکل کر دشمن کی خبر لائے۔

لیکن زبیر ابن العوام کے سوا کوئی نہ نکلا اور انہوں نے یہ خدمت انجام دی۔ رسول اللہ نے
خوش ہو کر انہیں حواری کا خطاب دیا۔

ضرار، جبیرہ، نوفل، عمر بن عبدود۔ یہ چار آدمی باہر آئے اور مبارز طلب کیا۔ تو پہلی
ہی بار فوراً حضرت علی باہر آئے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ یہ عمر بن عبدود ہے اسی طرح تین بار ہوا۔
آخر حضور نے حضرت علی کو عمامہ وغیرہ دے کر اجازت دے دی حضرت علی نے عمر بن
عبدود کو ایسا زخمی کیا کہ وہ جانبر نہ ہو سکا۔ ضرار اور جبیرہ نے حضرت علی پر حملہ کیا حضرت عمر
نے بڑھ کر حملہ روکا۔ اور ضرار کا تعاقب کیا تو وہ بھاگ گیا۔

آنحضرت کے عہد میں بہت سے معرکوں میں ایسا ہوا ہے کہ دیگر اصحاب نے پیش قدمی
کی ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض معرکوں میں اصحاب اس امر کے منتظر رہے کہ حضور کس کو بڑھنے
کا حکم فرماتے ہیں اس قسم کے واقعات سے اس لئے کسی کو سب سے بڑا بہادر ثابت کرنا کہ

اس کی فضیلت قائم ہو صحیح نہیں۔

صد ۲۹ پر لکھتے ہیں صوفیوں کے جس قدر سلسلے ہیں سوائے نقشبندیہ سلسلے کے وہ سب حضرت علی سے مولوط ہیں۔ نظامی صاحب کو معلوم نہیں کہ تمام سلاسل خلفائے اربعہ کے ذریعہ سے آنحضرت تک پہونچتے ہیں تمام سلاسل میں خلفائے اربعہ شامل ہیں حضرت خواجہ محمد پارسا رسالہ قدسیہ میں فرماتے ہیں

امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ بعد از حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ازاں خلفائے کہ برامیر المومنین علی مقدم بودند ہم بہ نسبت باطن تربیت یافتہ اند۔

اس طرح تمام سلاسل کی اصل آنحضرت کے بعد حضرت ابوبکر سے ہے۔ گو سلسلۂ نقشبندیہ حضرت علی سے بھی ہے خواجہ بایزید بسطامی عن امام جعفر صادق عن امام محمد باقر عن امام زین العابدین عن امام حسین شہید کربلا عن حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

ایضاً یہ سند دوم

خواجہ جنید بغدادی عن شیخ سری سقطی عن خواجہ معروف کرخی عن امام علی رضا عن امام موسیٰ عن امام جعفر صادق عن امام محمد باقر عن امام زین العابدین عن امام حسین عن حضرت علی۔

صد ۱۸ پر لکھتے ہیں کہ میں نے نقشبندیوں پر یہ اعتراض شائع کیا تھا کہ ان کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق سے ملتا ہے۔ اور حضرت ابوبکر کے بعد سلمان فارسی کا نام آتا ہے۔ مگر حضرت سلمان فارسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مقرب تھے۔ پھر ان کو حضرت ابوبکر سے بیعت ہونے کی کیا ضرورت تھی اس کے علاوہ حضرت سلمان فارسی حضرت علی کے شیعہ کہلاتے تھے وہ کیونکر حضرت ابوبکر سے روحانی بیعت کر سکتے تھے۔ اس کے بعد نظامی صاحب نے لکھا ہے۔

" لیکن آج سے یہ اعتراضات اور اختلافات بھی میں نے اپنے دل و دماغ سے دور کر دیئے ہیں"

ہم یہاں اس قدر تشریح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ تمام سلاسل میں رواج ہے۔ اور بزرگانِ متقدمین میں بہت زیادہ اس کا رواج تھا۔ کہ اگر کسی پیر کے دو مرید ہوئے۔ ایک ان میں نائب اور خلیفہ ہوا تو پیر کے بعد دوسرے مرید نے اس پیر بھائی سے تجدید بیعت کر کے تعلیم حاصل کی ہے۔ اور اصل حقیقت تو وہ ہے جو ہم نے خواجہ محمد پارسا سے نقل کی ہے جب خود حضرت علی ہی نے حضرت ابوبکر سے فیضان حاصل کیا تو پھر ان کے اور ہمراہیوں کا کیا ذکر

ﻉ مصباح العرفان مطبوعہ مطبع العلوم مراد آباد ۱۳۲۲ھ صد ۳۹

ہے۔ اس کے علاوہ شبعانِ علی کی تقسیم عہدِ حضرت ابوبکر وغیرہ میں نہ تھی تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ تقسیم حضرت عثمانِ غنی کے عہد آخر سے شروع ہوئی ہے۔ اس لئے خلافتِ اول کے زمانے میں اس کا ذکر کرنا صریح غلطی ہے۔

صفحہ ۶ پر لکھتے ہیں

"اسلامی دنیا میں جس قدر صوفیہ کے سلسلے جاری ہیں ان کے بانی عموماً فاطمی سادات تھے"

چشتیہ سلسلہ خواجہ احمد ابدالی چشتی کی نسبت سے ہے۔ یہ سید نہ تھے چشتیوں کے سرحلقہ امام حسن بصری سید نہ تھے۔ سہروردیہ سلسلہ شیخ شہاب الدین سہروردی کی نسبت سے ہے وہ بھی سید نہ تھے۔ شیخ صدیقی تھے۔ رہے نقشبندیہ سو حضرت سلمان فارسی اور خواجہ بہاءالدین نقشبندی یہ بھی سید نہ تھے۔

سلسلۂ مجددیہ: یہ مجدد الف ثانی سے ہے جو فاروقی تھے۔

سلسلۂ قادریہ: یہ ضرور سادات سے ہے مگر وہ بھی حضرت جنید بغدادی سے ہے۔

تاریخ تصوف

میں نے بہت جستجو کی مجھے اردو فارسی عربی کی کوئی ایسی کتاب دستیاب نہیں ہوئی۔ جس میں از ابتدا تا ایندم تصوف کی مفصل تاریخ کا مذکور ہو زمانہ حال میں ایک مصری عالم ڈاکٹر محمد مصطفےٰ حلمی کی ایک کتاب عربی میں شائع ہوئی ہے جس کا ترجمہ رئیس احمد جعفری نے اردو میں کیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اچھی کتاب ہے لیکن اس کو تاریخ تصوف کہنا موزوں نہیں کیونکہ اس میں مختصر طور پر تصوف کی غیر کامل تاریخ ہے۔ کچھ تعلیمات و اصطلاحات کا بھی ذکر ہے لیکن سلاسل تصوف و مسائل تصوف و کتب تصوف کا کچھ ذکر نہیں

اسلام اور موسیقی

مؤلفہ محمد جعفر پھلواری رفیق ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور مشہور عدیم ...... پریس لاہور ۱۹۵۶ء

اس کتاب میں مؤلف نے فرقہ ظاہریہ کے امام محمد بن طاہر کی ...... کی ہے یعنی ابن طاہر کی طرح راگ و مزامیر کا جواز ثابت کیا ہے۔ ابن طاہر نے جو ...... صحابہ کے اقوال اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں جن کو علماء نے محققین نے لغو و باطل ثابت

کیا ہے۔

مولوی محمد جعفر نے اول بائبل سے ثبوت پیش کیا ہے اور بائبل کے محرّف ہونے کا بھی اقرار کیا ہے۔ محرف کتاب کے کسی ایسے حوالے پر اطمینان نہیں کیا جاسکتا جو کتب معتبرہ کے خلاف ہو اس کے علاوہ ہم نے بائبل ہی سے اس کا ناجائز ہونا ثابت کیا ہے (یہ حوالہ لکھا جاچکا ہے) اسلئے ان دونوں متضاد اقوال میں سے وہ قول قبول کیا جاسکتا ہے جو کتب معتبرہ کے موافق ہوگا۔ مؤلف نے لفظ زبور سے بھی مزامیر وغیرہ کا مطلب لیا ہے حالانکہ زبور کے معنے ہیں نیک و پاک مناجات اور صاف کرنا

موسیقی کی تاریخ لکھنے والوں نے حکیم فیثا غورث کو اس فن کا موجد قرار دیا ہے۔ فیثا غورث حضرت داؤد کے بعد گزرا ہے۔ اسلئے جب فن ہی حضرت کے عہد میں موجود نہ تھا تو پھر حضرت کی نسبت اس کی طرف درست نہیں۔

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت داؤد یا اور انبیاء علیہم السلام کی امتوں میں موسیقی کا رواج تھا تب بھی یہ اہل اسلام پر حجت نہیں ہوسکتا کیونکہ بعض انبیاء کے عہد میں بعض چیزیں حلال تھیں۔ مگر اسلام میں وہ حرام ہیں۔ بائبل میں نبیوں کا شراب پینا بھی مذکور ہے تو کیا اس سے شراب کا جواز ثابت کیا جاسکتا ہے۔ خود ابتدائے عہد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض باتیں رائج تھیں۔ مثلاً شراب چنانچہ بعض صحابہ بھی شراب پیتے تھے اسی طرح سود اور متعہ وغیرہ بھی جائز رہے۔ بعد میں ان کو حرام قرار دے دیا گیا۔

موسیقی ایک فن ہے جس کے قواعد وضوابط معین ہیں جو چیز ان قوانین کے موافق ہوگی وہ موسیقی میں داخل ہوگی۔ اگر کوئی شخص قواعد کے خلاف بلند آواز سے یا آہستہ کوئی نظم پڑھے تو اس کو موسیقی نہیں کہا جاسکتا۔

جعفر صاحب نے جس قدر بھی احادیث یا بزرگوں کے اقوال پیش کئے ہیں۔ ان سب میں گانے بجانے کیلئے لہو کا لفظ آیا ہے اور جعفر صاحب نے خود بھی اس کو تسلیم کیا ہے لہو الحدیث خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس و حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے جلیل القدر صحابہ سے راگ ہی منقول ہے اہل علم جانتے ہیں کہ ان ہر دو حضرات کا فہم قرآن و حدیث میں کیا رتبہ ہے ان کے مقابلہ میں کسی کی نہیں سنی جاسکتی اس کے علاوہ لہو خود ایک بیکار مشغلہ ہے لہذا مومن کی شان سے بعید ہے کہ ایسی باتوں

میں مشغول ہو جعفر شاہ صاحب نے بعض اقوال ایسے بھی پیش کئے ہیں کہ کسی نے کہا ہمیں قرآن وحدیث میں موسیقی کے خلاف کوئی حکم نہیں ملا۔ ان میں سے بعض اقوال جلیل الشان حضرات کی طرف منسوب ہیں۔ لیکن یہ الحاقی معلوم ہوتے ہیں اور اس قول سے ان کی شانِ علم پر دھبہ آتا ہے۔ کیا آیت لھو الحدیث انہوں نے قرآن میں نہیں پڑھی تھی؟ کیا حضرت ابن عباس وابن مسعود کے اقوال انہوں نے نہیں سنے تھے؟ حالانکہ عالمانِ حدیث جانتے ہیں کہ حدیث وہی مانی جائے گی جو ائمہ ستہ کی شرائط پر پوری اترے گی احیاء العلوم وغیرہ جیسی کتابوں کی حفاظت کتبِ صحاحِ ستہ کی طرح نہیں کی گئی محققین نے تسلیم کیا ہے کہ ان میں الحاقی روایات بھی ہیں۔ اور اس قسم کے مسائل کے متعلق ان کے بیانات صریح ہیں۔

اس لئے صحاحِ ستہ کے خلاف ان کو سند میں لانا صحیح نہیں۔ جعفر صاحب نے اپنے خلافِ مقصد حدیثوں کے رواۃ پر جرح بھی نقل کی ہے لیکن یہ اصول ہے کہ جس شخص کے متعلق جرح قوی اور زیادہ ہو اور اس کی تعدیل کمزور ہو تو اس کی روایت ناقابلِ قبول قرار دی جاتی ہے اور اگر جرح کم یا کمزور ہے اور تعدیل مضبوط ہے تو وہ راوی معتبر ہے۔

صفحہ ۹۵ پر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کی عبارت جوازِ مزامیر میں پیش کی ہے۔ معمولی فارسی پڑھا ہوا طالب علم بھی اس عبارت کا وہ مفہوم قرار نہیں دے سکتا جو جعفر صاحب نے سمجھا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ بعض شافعی علماء نے اعلانِ نکاح کیلئے دف بجانا جائز لکھا ہے مگر اکثر شافعی علماء نے اس کی مخالفت کی۔ قاضی صاحب نے دف کے جائز سمجھنے والوں پر طعن کیا ہے۔ کہ دف اور نقارہ میں کوئی فرق نہیں۔ غرضِ صحیح کے لئے حلال سمجھنا اور غرضِ غیر صحیح کیلئے حرام کہنا یہ غیر معقول بات ہے۔ قاضی صاحب نے اپنی کتاب مالابد منہ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

یہ امر بھی اہلِ علم پر روشن ہے کہ سلفِ صالحین جہاں سماع کہتے تھے وہاں سماعِ قرآن مجید مراد ہوتا تھا اور یہی سماع بزرگانِ دین میں رائج تھا۔ سماع قصائد بلا مزامیر میں بھی اختلاف رہا ہے خواجہ گیسو دراز کا قول صفحہ ۱۹۱ پر نقل کیا ہے (فتحِ کار من بیشتر در تلاوت و سماع بود) یہاں تلاوت کے ساتھ سماع کا لفظ ہے تلاوت خود پڑھنے اور سماع دوسروں سے سننے کو کہتے ہیں۔ مراد سماعِ قرآن

ہے نہ کہ سماع نفسانہ۔

صفحہ ۱۸ پر علی حیدر شاہ پہلوری کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے ایک مرید شرکتِ عرس و سماع کو جائز نہیں کہتے تھے لوگوں نے علی حیدر شاہ سے کہا انہوں نے اپنے اس مرید کے صدق و اخلاص کی تعریف کی۔

صفحہ ۲۷ پر امام تقی الدین سبکی کا قول نقل کیا ہے اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس زمانے میں لوگ سماعِ قصائد کو لہو ہی سمجھتے تھے دوسرے یہ کہ اس کے جواز میں شبہ ہے۔

مومن اور ولی کی شان اور پہچان یہی ہے کہ وہ لہو اور بیکار باتوں سے مجتنب رہے سلطان المشائخ جنہیں مشہور سماع سمجھا جاتا ہے انہوں نے فرمایا ہے دہر کہ مزامیر شنود در محفلِ من نیاید۔

جعفر صاحب سماع مزامیر کو مستحسن قرار دے رہے ہیں اور سلطان المشائخ ایک امر مستحسن پر سزا دے رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان المشائخ حدیث و قرآن اور تعامل سلفِ صالحین سے واقف نہ تھے اور علم شریعت سے بالکل کورے تھے۔ اور ان کے مریدوں میں سے بھی کوئی جعفر صاحب کی سی قابلیت کا آدمی نہ تھا جو مرشد کو اس غلطی سے آگاہ کرتا اور سلطان جی علم باطن سے بھی بے خبر تھے کہ لوگوں کو اس غذائے روحانی سے روکتے تھے۔ افسوس یہ لوگ لکھتے وقت یہ بھی نہیں سمجھتے کہ کس کس پر کیا کیا الزامات عائد ہوتے ہیں۔ دیگر بہت سے بزرگوں پر بھی یہی الزام عائد ہوتا ہے انیس الارواح کے حوالے سے خواجہ عثمان ہارونی کا ایک قول نقل کیا گیا ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے خواجہ مودود چشتی سے سنا کہ خوارزم اور اس کے نواح کے لوگ مزامیر سننے کی وجہ سے خراب ہو گئے۔

جعفر شاہ نے سماع کے ثبوت میں بوستان سعدی کے یہ اشعار بھی نقل کیے ہیں لیکن وہ اشعار الحاقی معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا شعر یہ ہے

سماع اے برادر بگویم کہ چیست ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ مگر مستمع را بدانم کہ کیست

یعنی سعدی صاحب فرماتے ہیں کہ میں سماع کو تو نہیں جانتا مگر سننے والے کو جانتا ہوں یا جاننا چاہتا ہوں۔ پھر آگے اس کی کیفیت بیان کی ہے کہ اگر اس نیت سے

سنئے تو یہ ہو غرض پہلے شعر میں تو سماع کے جاننے سے انکار ہے۔ باقی شعروں میں سننے والوں اور اس کے اثرات سے پوری پوری واقفیت کا اظہار کیا ہے۔

یہ بے جوڑ طرزِ بیان سعدی جیسے استاد کیا کسی اچھے شاعر کا بھی نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر سماع فی نفسہٖ جائز و مستحسن ہوتا تو سعدی جیسا عالم اور صوفی اس سے بےخبر اور لاعلم نہ ہوتا اور اس طرح انکار نہ کرتا۔

الغرض اس کتاب سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ سماع مزامیر میں نہ ثواب ہے نہ عذاب ہے۔ لہو ہے بیکار شغل ہے۔ حضور نے فرمایا ہے کہ مومن بیکار باتوں میں مشغول نہیں ہوتا جب مومن کی شان سے یہ بات بعید ہے تو صوفی اور ولی کو تو ضرور اس سے اجتناب کرنا لازم ہے یہ بھی ثابت ہے کہ اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہے اور کسی قدر مفید بھی ہے اس صورت میں حرمت و مضرت کا پہلو غالب رہے گا اس کتاب میں وہی دلائل ہیں جن کو اہلِ بدعت ہمیشہ پیش کرتے رہے ہیں۔ اور علمائے حق ان کی تردید بالتشدید کر چکے ہیں ہاں ثبوت میں اس قدر جدت ضرور کی ہے کہ ایک تو بوستان سعدی کا حوالہ ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اور ایک ان کے گھر کی تصنیف لمحاتِ سلیمانی کا حوالہ ہے۔

اس کتاب میں ایک اور خاص جدت ہے کہ جس کی جرأت آج تک کسی بدعتی اور ضال و مضل نے بھی نہیں کی یعنی احادیث نبوی کو راگ کے قانون پر تطبیق دیا ہے۔ یہ ایک نیا گناہ ہے جو ایجاداتِ جعفری میں سے ہے اور کلامِ رسول کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے صفحہ ۸۶ پر لکھتے ہیں۔

بعض ایسی حدیثیں جو ترنم کا مطالبہ کرتی ہیں ان میں چند قسم کی چیزیں آتی ہیں۔ بعض مناقب جلیلہ جیسے من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ یہ ترانہ صوفیوں کی بعض محفلِ سماع میں یوں گایا جاتا ہے۔

داہو توم تا ھو توم توم تانا نانانی یللی یللی یلی یلی ۔۔۔۔۔۔ اسی انداز سے لو کان نبی بعدی لکان عمر کو بھی گایا جا سکتا ہے۔

مجھے اس ترانہ کی دھن پوری طرح آتی ہے لیکن کاغذ پر منتقل کرنا مشکل ہے۔

میں اپنے غیر محتاط زمانہ جوانی و دانی میں بدایوں، بریلی، بھوپال، کلیر، اجمیر، لاہور

وغیرہ میں محافل رقص و سرود میں کثرت سے شریک ہوا ہوں میں نے کبھی کسی قوال یا مراثی یا صوفی سے حدیثوں کی یہ تان نہیں سنی جو آج جعفر صاحب سے معلوم ہوئی۔ اس لئے گمان کرتا ہوں کہ انہیں کی ایجاد ہے۔ میرے نزدیک اصل کا نقل کرنا بھی مناسب نہ تھا مگر کتاب پر ضروری تبصرہ کرنے کی مجبوری سے ایسا کیا گیا ہے۔ مشہور ہے نقلِ کفر کفر نہ باشد۔ اب آخر میں ہم ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس سے اہل کتاب کے پڑھنے کے انداز اور لحنوں کی ممانعت صاف طور پر ثابت ہوتی ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا قرآن کو عرب کے لہجوں اور آواز پر پڑھو۔ اور عشقیہ لحنوں اور اہل کتاب کے طریقوں سے بچو (بیہقی) علاوہ ازیں ہم نے بنظر احتیاط یہ مسئلہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں پیش کیا۔ وہاں سے جو فتویٰ صادر ہوا۔ اس کو بجنسہٖ نقل کیا جاتا ہے۔

حدیث الغنا یورث النفاق وغیرہ کی رو سے راگ حرام ہے۔ حرام کے لحنوں کو محفوظ کرنا بہت گناہ ہے۔ بلکہ کفر کا اندیشہ ہوتا ہے ہاں اگر دوسرے کا قول، اس کا صحیح مفہوم اور صحیح استدلال بیان کیا گیا ہو تو گناہ نہیں ہے ۱ ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ مہر

(جامعہ اشرفیہ)

مولانا عبد الماجد دریا بادی اسلام اور موسیقی پر تبصرہ کرتے ہوئے صدق جدید لکھنؤ ۲۳ نومبر ۱۹۵۶ء میں لکھتے ہیں "کتاب کا نام ہی چونکا دینے والا نہیں خود کتاب بھی اسی رنگ کی ہے پڑھنے والے کے ذہن میں قدرتاً سب سے پہلا سوال مقصد تحریر کے متعلق پیدا ہوتا ہے۔ اور جب فہرست مضامین کے معاً بعد پہلا عنوان یہی نظر آتا ہے تو دل خوش ہو اٹھتا ہے۔ لیکن ایسی ہی مایوسی ہوتی ہے جب کہ ان فقروں سے دوچار ہوتی ہے کہ اس موضوع پر لکھنے کا مقصد فن موسیقی پر کوئی کتاب لکھنی نہیں اور اس کتاب کا مقصد یہ نہیں کہ اسی کے فقہی جواز و عدم جواز پر کوئی تفصیلی بحث کی جائے اور ان منفی فقروں کے بعد جب تلاش مثبت کی ہوتی ہے تو قناعت اس اجمالی اطلاع پر کرنا ہوتی ہے کہ ہمیں اس موضوع پر جو کچھ بھی بحث کرنی ہے اس کا بڑا حصہ ثقافتی و کلچر ہے۔ ہمیں دکھانا ہے کہ عام طور پر مسلمانوں کو اس سے ربط رہا ہے۔ گویا مقصود یہ دکھانا ہے کہ امت نے اپنی تاریخ میں موسیقی کی کہاں تک سرپرستی کی۔ کیسے کیسے ڈوم ڈھاڑی مراثی قوال گویّے پیدا کئے۔ اور گانے بجانے کے آرٹ میں اپنی تاریخ کے ہر دور میں کیا کیا کمالات دکھائے یہ تو تھا کتاب کا نام بڑی آسانی سے۔ موسیقی کی تاریخ

مسلمانوں میں۔ بازیادہ سے زیادہ۔ موسیقی اور مسلمان رکھا جا سکتا تھا۔ اسلام کو عنوان میں لانے کی آخر کیا ضرورت تھی۔ اور پھر اگر مستشرقین کے ہم مذاق ہو کر مسلمانوں کو ان کی تاریخ اس سے بھی کھلے منکرات و فواحش کے نقطۂ نظر سے سنانا ہے تو ابھی تو اور بھی بہت سے عنوانات دعوتِ تحریر دے رہے ہیں۔ اسلام اور رقاصی۔ اسلام اور نقش کاری۔ اسلام اور بادہ نوشی۔ اسلام اور سود خوری۔ بلکہ ایک جامع عنوان اسلام اور فسق و فجور جس کے تحت میں ساڑھے تیرہ سو سال کے اندر جتنے جتنا دری فاسق و فاجر گزرے ہیں سب کے کارنامے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ اور ان پر بے تکلف ثقافت اسلامیہ کی مہر لگائی جا سکتی ہے۔ باب اول کا عنوان ہے قرآن اور جمالیات صفحہ ۲۲-۲۶ باب کا خلاصہ یہ ہے قرآن پاک کے مطالعہ کرنے کے بعد اس کی جمال پسندی میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی پسند کو کئی طرح ظاہر فرماتا ہے۔ لفظِ حسن اور اس کے مشتقات سے، لفظِ جمال اور اس کے مشتقات سے لفظِ زینت اور اس کے مشتقات سے .... دوسرے انداز بیان سے ہم نے قرآن مجید کا مطالعہ جب اسی نقطۂ نگاہ سے کیا کم و بیش تین سو آیتیں ملیں گی۔ جن کا تعلق جمالیات سے ہے۔ صفحہ۔ گویا منطقی مصنف نے دلیل کا صغریٰ کبریٰ یوں قائم کیا ہے۔ قرآن کے جمال و زینت و حسن و احسان سے مراد آج کل کی اصطلاحی جمالیات ہے اور موسیقی اسی جمالیات کا ایک جزو ہے۔ اسلئے قرآن نے بھی موسیقی کا ذکرِ خیر کیا ہے۔ اور اسی منطق کے زور میں مصنف قرآن مجید کی اسی قسم کی آیتیں بے تکلف نقل کرتے چلے گئے ہیں انا زینا السماء الدنیا بزینة الکواکب وجعلنا فی السماء بروجا وزینا ھا للناظرین۔ واللہ عندہ حسن المآب واللہ عندہ حسن الثواب۔ اب تبصرہ نگار غریب کی کسی طرح سمجھ میں نہ آسکے کہ قرآن کی زینتِ کواکب اور حسنِ مآب اور حسنِ ثواب کو آخر موسیقی اور خود جمالیات سے قریب یا بعید کس قسم کا تعلق ہے اور اپنی اس نافہمی پر بے اختیار اپنا سر پیٹ لینے کو جی چاہے۔ تو اس میں فاضل مصنف کا کیا قصور۔ اور حد یہ ہے کہ چونکہ قرآن میں صبر جمیل اور صبراً جمیلاً کے الفاظ آئے ہیں اور ان کا ترجمہ حسنِ صبر بھی ہو سکتا ہے صفحہ ۲۲ اس لئے قرآن مجید کی حسن پسندی ایک ثابت شدہ مسئلہ حقیقت بن گئی۔ اور بے تکلف اس سے استدلال حسن غنا پر کیا جا سکتا ہے۔ صاحب سماع اب تک امت میں بڑے بڑے صاحبِ حال و قال دونوں قسم کے بزرگ گزر چکے ہیں۔ اور انہیں

ہیں ماضی قریب میں مصنف کتاب کے والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ بھی گذر چکے ہیں۔ کسی کی جسارت قرآن مجید سے جواز بلکہ استحباب غناء کے استدلال پر اس مرتبہ تک کبھی کیوں پہونچی ہوگی۔ اور تو اور بعض علماء کے حوالہ سے یہ نادر اور اچھوتا قرآنی استدلال ملاحظہ ہو کہ چونکہ آیت قرآنی قل ما عند اللہ خیر من اللہو و من التجارۃ۔ لہو اور تجارت کو ایک جگہ رکھا گیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف کا حکم ایک ہی ہوا کرتا ہے۔ ایک ہی حکم میں داخل ہیں۔ اسلئے اگر تجارت مباح ہے لہو بھی مباح ہے صفحہ ۱۳۵۔ یعنی چونکہ انسان ملائکہ و حیوانات دونوں سے اشرف ہے۔ اسلئے فرشتہ اور جانور ایک ہی حکم میں داخل ہیں۔ جو ذہنیت قرآن مجید سے اتنی بے تکلفی کر سکتی ہے۔ اسے حدیث سے کھیلنے میں رکاوٹ ہی کیا ہو سکتی ہے۔ آخر ایسی روایتیں بھی ہیں کہ آنحضرت نے اپنے حجرہ مبارک میں عید کے دن کم سن لڑکیوں کو ترنم کے ساتھ شعر پڑھنے کو استوار کیا ہے۔ اور جب ایک جلیل القدر مزاج شناس صحابی نے کہا پیغمبر کے گھر میں یہ شیطانی کام کیسا تو آپ نے فرمایا کہ رہنے بھی دو۔ آج عید کا دن ہے۔ استثناء کو قانون کا رنگ دینے میں دیر ہی کیا لگ سکتی ہے اور عجب کیا کہ کوئی منچلے بزرگ ایسے بھی نکل آئیں جو یہ لکھ کر کہ سفر کے موقعہ پر آنحضرت اور صحابہ کرام سے نماز فجر قضا ہو جانا منقول ہے بے تحاشا یہ حکم لگا دیں کہ نماز کا قضا کر دینا سنت صحابہ اور سنت رسول ہے ذہین و ضباع مصنف نے کیسے کیسے دلائل فقہی سے تمسک و استنباط کیا ہے۔ اس کا اندازہ ایک اس دلیل سے کیجئے کہ کسی نے ساتویں صدی کے قاضی القضاۃ مصر و شام شیخ تقی الدین سبکی سے سوال کیا کہ غیبت بدتر ہے یا سماع تو اس کا منظوم جواب جو شیخ نے دیا اس کا یہ مضمون ہے کہ غیبت تو قرآن کی نص سے حرام ہے اور لہو و لعب میں شبہ کی گنجائش باقی بھی رہجاتی ہے۔ خوب ہوا جو کسی نے یہ سوال نہیں کر دیا کہ غناء اور قتل انسان میں قبیح تر کون سا عمل ہے گویا کسی نے یہ دعوے کیا کہ غناء کا درجہ بدترین سیئات کا ہے۔ کتاب کا بیشتر حصہ اسی رنگ کا ہے۔ تاریخی ماخذوں میں سے ایک ماخذ ابوالفرج اصفہانی صاحب الاغانی ہیں۔ اور مطالب قرآن و حدیث کی تشریح کے لئے مصنف اقرب الموارد بلکہ المنجد تک اتر گئے ہیں۔ صرف ختم کتاب کے قریب مصنف کا دینی ضمیر زیادہ بیدار نظر آتا ہے۔ اور توجہ ذہنی آیتوں سے بڑھ کر احقاق حق اور احساس ذمہ داری پر ہوئی ہے۔ اس

قسم کے نقرے سے زبان قلم پر آتے ہیں۔ متقی صوفیائے کرام نے جو شرائطِ سماع پیش فرمائے ہیں۔ ان کی پابندی آج کسی آستانے، کسی درگاہ اور کسی خانقاہ میں ہماری بدقسمتی آنکھوں کو نظر نہ آسکی صفحہ ۳۱۴

عام طور پر اس کا یعنی محفلِ سماع کے نافل کا بڑا مقصد اپنے اثر و اقتدار اور آستانہ متقدمین کا خاموش مظاہرہ ہوتا ہے۔ خدا کرے میرا خیال غلط ہو۔ اور اگر ہو تو اللہ تعالےٰ مجھے معاف فرمائے میری اصلاح کرے صفحہ ۳۱ سب سے آخری صفحے پر مصنف نے موسیقی کو ایک جائز کھیل اور تفریح کی حیثیت دی ہے۔ اور اگر مصنف کی شان میں گستاخی نہ ہوتی ہو تو یہ بدمذاق اور حسن ناآشنا تبصرہ نگار خود اس کتاب کا درجہ بھی بس ایک جائز کھیل ذہنی تعیش، دماغی تفریح اور عقلی جمناسٹک سمجھتا ہے۔

یہ کتاب اسلام اور موسیقی پر تبصرہ ہے جو ایک چشتی شیخ اور مفسر و مترجم قرآن مجید نے کیا ہے۔

غرض کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو شبہات سے خالی ہو اور جو علم حدیث کی طرح رواۃ ثقات سے مسلسل اپنی سند مصنف تک پہونچا سکتی ہو۔ اکثر کتابیں مصنفین کی وفات کے طویل مدت بعد مرتب ہوئیں اور صدیوں کے بعد شائع ہوئیں۔

تحریف کرنے والوں نے تو قرآن اور صحیح بخاری وغیرہ میں تحریف کرنے اور تحریف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن جس کا خود خدا حافظ ہے اس کو کون خراب کرسکتا ہے۔ قرآن پر داؤ نہ چلا تو کسی شیعہ نے قدیم زمانے میں قرآن لکھا اور اس کو ترتیب نزولی کے موافق قرار دے کر حضرت علیؓ کا مرقومہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ وہ قرآن اورینٹل لائبریری پٹنہ میں ہے۔ اس کی موافقت اور مخالفت میں بہت سے اہلِ قلم کے مضامین شائع ہوئے ہیں لیکن میری نظر سے کوئی مضمون ایسا نہیں گذرا جس میں صاحبِ مضمون نے حسب ذیل امور پر توجہ دلائی ہو اور اول یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرقومہ سیپارے اور قرآن موجود ہیں اس قرآن کا خط ان سے مختلف ہے دوسرے یہ کہ اس قرآن میں بین السطور میں آیات کا فارسی ترجمہ ہے۔ قرآن مجید کا کسی زبان میں ترجمہ قرون ثلاثہ میں نہیں ہوا قرون ثلاثہ کی آخری حد سنہ ۲۲۰ھ تک ہے اور عہد خلافت راشدہ میں تو بلا شبہ کوئی ترجمہ ہوا ہی نہیں۔ اسلئے صاف ظاہر ہے کہ یہ اسی

فرقے کی کارستانی ہے جو حضرت عثمان کی ترتیب کو غلط ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اس کے آخر میں ایک سورہ مومنون ہے جس کی آخری آیت اس کا پتہ دیتی ہے کہ کس عقیدے کے آدمی کی کارروائی ہے۔ عَلِیٌّ وَصِیٌّ عَلیٰ شَہِیدٌ

اسی طرح ایک یورپین ڈاکٹر منگانا نام کو کسی کے دو چار ورق ایسے مل گئے جن میں کچھ آیاتِ قرآنی اور فقرات تھے۔ اہلِ یورپ نے اس کو بہت اچھالا۔ اس پر مولوی شبلی نعمانی اور مولوی محمد علی قادیانی نے مضامین لکھ کر ثابت کیا کہ یہ جعلی کارروائی ہے۔ ہم نے کتاب تاریخ القرآن میں ایسا مسکت الخصم جواب دیا ہے کہ جس کے آگے کسی کو لب کشائی کی جرأت نہ ہو سکی ان اوراق پر نقطے اور زیر و زبر ہیں اور یہ کام عہد خلافت راشدہ میں نہیں ہوا۔ بلکہ عہد خلافت راشدہ سے کم و بیش نصف صدی کے بعد ان کی ایجاد ہوئی۔ اسلئے یہ کسی محرف شریر کی کارروائی ہے[1]

نواب بخت خاں مرید خاں دہلی میں رہتے تھے۔ انہوں نے بخاری شریف میں تحریف کر کے اس کے نسخے قلمی لکھا کر ارزاں قیمت پر فروخت کر دیئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے اعلان کر کے ان نسخوں کو حاصل کر کے تلف کرایا۔ ایسا ہی واقعہ ان کے فرزند شاہ عبد العزیز کے عہد میں پیش آیا۔

معمولی دنیوی مقدمات اور عدالتوں میں جب ایک دستاویز پیش کی جاتی ہے تو اس کے متعلق یہ بھی تحقیق کیا جاتا ہے کہ یہ حراست جائز سے برآمد ہوئی ہے یا نہیں یعنی اس شخص نے اس کو پیش کیا ہے جو اس کی حفاظت کا اہل و مستحق تھا۔ تصوف کی بعض کتابیں عیسائیوں نے شائع کی ہیں۔ بعض ہندوؤں نے طبع کرائی ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ دستاویز مشکوک و محکوک تو نہیں اس عیب سے تصوف کی کوئی کتاب خالی نہیں۔ اسلیے ان کتابوں کو وہ مرتبہ نہیں دیا جا سکتا جو کتب حدیث و فقہ کو حاصل ہے لہٰذا حدیث و فقہ کے خلاف جو امور ان میں درج ہیں ان کو صحیح نہیں سمجھا جا سکتا جس حد تک یہ کتابیں حدیث و فقہ کی تائید کریں اسی حد تک معقول قرار دی جا سکتی ہیں۔

شاعرانہ کتابیں

قرآن مجید میں شعرا کی مذمت آئی ہے حدیث شریف میں ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابو سعید خدری صحابی سے روایت کی ہے کہ ایک شاعر شعر کہہ رہا تھا رسول کریم

[1] تاریخ القرآن مصنفہ ہمارم

نے فرمایا اس کو پکڑو یہ شیطان ہے

لیکن حضور علیہ السلام کا حضرت حسان بن ثابت سے شعر سننا بھی ثابت ہے۔ اس لئے علمائے کرام نے یہ فیصلہ کیا کہ حمد و نعت و اخلاق اور قومی و مذہبی معاملات کے اشعار میں کچھ حرج نہیں ہے البتہ رندانہ خیالات اور جذبات کو ابھارنے والے اشعار سے احتراز لازم ہے۔ شاعری ہر زبان کے ادب کی جان ہے۔ اکثر اولیاء اللہ اور علماء نے شاعری کی ہے اور ان کے کلام میں ہر قسم کے اشعار ہیں۔ رندانہ، عاشقانہ، اخلاقی حمد و نعت وغیرہ۔ اولیائے کبار میں حکیم سنائی، مولینا روم، حافظ شیرازی، شیخ سعدی، مولینا نظامی اور مولینا جامی وغیرہ بڑے بڑے شاعر ہوئے ہیں۔ ان کے کلام میں بھی ہر قسم کے اشعار مثل عام شعراء کے ہیں۔ اسلئے جس زبان کا شعر ہو وہ اس زبان کے ادب و فن کی مثالوں میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ مذہب و عقائد و مسائل کے معاملہ میں خواہ کسی کا شعر ہو سند نہیں ہو سکتا۔ سلوک و معرفت، اخلاق کے مضامین، ہندو مسلمان ہر قسم کے شعراء نے باندھے ہیں۔ یہاں تک کہ چرکین کی غلاظت کی ٹوکری بھی ان پھولوں سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے شعر، شاعری ہی کے لئے ہے مذہب کے واسطے نہیں۔ غلام دستگیر رشید ایم۔ اے نے کیا خوب لکھا ہے[۱]

بعض اہل عرفان نے پیغام حقیقت پہونچانے کیلئے شاعری کو ذریعہ بنایا اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں مختلف قسم کی پیچیدگیاں ضرور پیدا ہوئیں۔

شاعر کوئی بزرگ ہو یا عالم فاضل ہو زمانے کی ہوا کا اس پر ضرور اثر ہوتا ہے۔ مولینا روم اور شیخ سعدی بھی اپنے زمانے کی ہوا کے موافق فحش مضامین لائے ہیں مولوی شبلی نعمانی لکھتے ہیں[۲]

ملک کی زبان فحش اور بد تہذیب ہو گئی ہے۔ مولانا روم جیسے نیک، پاک، سعدی جیسے مصلح مسلمان، ساوجی جیسے مہذب شاعر بھی نہ بچ سکے مولوی شبلی نعمانی لکھتے ہیں[۳]

"مثنوی میں کثرت سے وہ روایتیں اور حکایتیں ہیں جو فی الواقع غلط ہیں"

حقیقت یہ ہے کہ شاعر کے ذہن میں جو مضمون آجاتا ہے وہ اس کو زمانے کے پسندیدہ طرز پر باندھنے کی کوشش کرتا ہے۔ شاعری کی رونق مضامین شراب و کباب، حسن و عشق اور متصوفانہ مضامین سے ہے۔ شاعر کے تصوف کی صرف اسی قدر حقیقت ہے کہ

۱؎ شمس معنوی، معارف پریس اعظم گڑھ صفحہ ۱۳ اداستمبر ۱۹۶۸ء ۲؎ شعر العجم حصہ چہارم صفحہ ۳۰ عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور ۱۹۳۸ء ۳؎ سوانحعمری مولینا روم صفحہ ۷۶ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۴۸ء بار اول

شیخ علی حزین نے کہا ہے۔

تصوف برائے شعر گفتن خوب است۔

اسی قسم کے مضامین تصوف کیلئے مفتی میر عباس نے اپنی مثنوی من و سلویٰ میں کہا ہے۔

از تصوف میشود شیریں کلام   زانکہ باشد در گناہ لذت تمام

شعر میں یہ بھی دستور ہے کہ ایک ہی مضمون کو ایک شاعر دوسرے شاعر سے لیکر جدت کے ساتھ عمدہ طرز سے ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے تمام شعراء دواوین میں وہی شراب و کباب، گل و بلبل، ہجر و وصال، حسن و عشق، اور تصوف کے مضامین ہیں۔ یہاں تک کہ غیر مسلم شعراء کا کلام بھی متصوفانہ مضامین سے لبریز ہے۔ ان باتوں کا نہ الہام سے تعلق ہے نہ مذہب و مسلک سے واسطہ ہے، یہ چیزیں صرف اظہارِ کمال فن کیلئے ہیں۔ ہمارے بزرگوں میں سے جن اولیائے کرام نے شاعری کی ہے۔ اہل ضلال نے ان کی مثنویات و دواوین میں بھی تحریف کی ہے بلکہ معمولی شعراء کے کلام کو بھی اس سے نہیں چھوڑا۔

فردوسی کے شاہنامے کے مختلف نسخوں کا مقابلہ کیا جائے تو کسی میں تعداد اشعار کچھ ہے کسی میں کچھ کسی میں ایک شعر کسی طرح ہے کسی میں اس کے خلاف ہے۔

حدیقہ سنائی، حکیم سنائی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب حدیقہ کے متعلق شہزادہ دارا شکوہ نے کہا ہے۔

در حدیقۂ حکیم بعضے ابیات نامعقول است،[علہ]

حدیقہ میں درحقیقت ایسی غلطیاں ہیں جو کسی نہایت ہی کم علم اور ناواقف سے بھی سرزد نہ ہوئی ہوں گی۔ مثلاً جنگ جمل میں دو فریق تھے ایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اور دوسرا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس جنگ سے امیر معاویہ کا کوئی تعلق نہ تھا نہ وہ اس میں شریک تھے۔ لیکن حدیقہ میں ہے کہ جنگ جمل میں امیر معاویہ میدانِ جنگ سے فرار کر گئے۔

در جمل چون معاویہ بگریخت   خون ناحق بسے مغیرہ بریخت

مثنوی رومی مثنوی مولینا روم کے نسخوں میں بہت اختلاف ہے۔ صاحب کشف الظنون نے مثنوی کے کل اشعار کی تعداد (۲۶۶۶) بیان کی ہے۔ اب اس سے زیادہ ہے، مثنوی

علہ سفینۃ الاولیا۔ ذکر حکیم سنائی

کا ساتواں دفتر جس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں [۱]

اے ضیاء الحق حسام الدین سعید — صحتت پائندہ عمرت بر مزید
چونکہ از چرخ ششم کردی گزر — بر فراز چرخ ہفتم کن سفر
سعد اعداد است ہفت اے خوش نفس — زانکہ تکمیل عدد ہفت است و بس

بعض نے لکھا ہے کہ یہ دفتر مولانا کی تصنیف ہے۔ لیکن بعض کا بیان ہے کہ کسی دوسرے شخص نے لکھا ہے۔ مثنوی کے بہت سے ایسے اشعار ہیں جو نہایت سست اور غلط ہیں، جن کو ذی علم، صاحب کمال شاعر کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ بعض ایسے اشعار مشہور ہیں جو عقائد اہل حق کے خلاف ہیں، اور مولینا کے مذہب و مسلک کے بھی خلاف ہیں مثلاً

چار صحابہ حب دنیا خواستند — مصطفیٰ را بے کفن بگذاشتند

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام — ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

محققین نے تسلیم کیا ہے کہ مثنوی میں مولینا کے صاحبزادے سلطان ولد نے بھی اشعار بڑھائے ہیں۔ صاحب مرآۃ المثنوی لکھتے ہیں [۲]

مثنوی میں قدردانان مثنوی کے بھی اضافے ہیں

مولوی عبد الماجد دریابادی لکھتے ہیں [۳]

بعض اشعار جو عام طور پر مطبوعہ نسخوں میں درج ملتے ہیں، نکلسن کی تحقیق میں الحاقی ثابت ہو گئے۔

لندن میں پروفیسر نکلسن نے مثنوی کی طباعت و تشریح کے متعلق بڑی جد و جہد کی ہے۔ علاوہ کثیر التعداد نسخوں کے جو اس کے مطالعہ میں آئے۔ تین قدیم نسخے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں ایک نسخہ برٹش میوزیم لندن میں ہے۔ جو مولانا روم کی وفات سے دس سال بعد لکھا گیا یعنی ۶۸۲ھ کا مرقومہ ہے۔ دوسرا نسخہ جرمنی کے کتب خانہ میں ہے جو ۷۴۴ھ کا مرقومہ ہے یعنی مولانا کی وفات سے ۷۲ سال بعد کا لکھا ہوا ہے۔ ایک قدیم نسخہ نکلسن کے ذاتی کتب خانہ میں ہے۔ یہ مولانا کی وفات سے (۱۰۷) سال بعد لکھا گیا۔

ایک نسخہ صرف دفتر دوم کا ہے جو مولینا کی وفات سے ۴۳ سال بعد کا ہے۔ ان تمام قدیم نسخوں کی یہ کیفیت ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے سے متحد نہیں۔ سب میں اشعار کم و بیش ہیں ۱۰۲۴ھ میں شیخ عبداللطیف عباسی گجراتی نے انہی نسخوں سے مقابلہ کر کے

[۱] سوانح عمری مولینا روم صفحہ ۷۶ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۳۱ء [۲] مرآۃ المثنوی صفحہ ۳۲۵ مطبوعہ
[۳] رسالہ سچ لکھنؤ جنوری ۱۹۲۶ء

ایک نسخہ مرتب کیا تھا۔ اس کا نام انہوں نے بوجہ اختلاف "نسخہ، ناسخہ، مثنویات سقیمہ" رکھا تھا۔ غرض مثنوی میں تحریف کا ہونا نہایت واضح طور پر ثابت ہے۔

مثنوی کی شرحیں انگریزی، عربی، فارسی، اردو، ترکی، جرمنی، فرینچ تمام زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔

سب سے پہلے انگریزی زبان میں مسٹر جیمس ریڈہوس نے ترجمہ کیا جو ۱۸۸۱ء میں شائع ہوا، یہ صرف دفترِ اول کا ترجمہ تھا

دفتر دوم کا ترجمہ پروفیسر ولسن نے ۱۹۱۰ء میں کیا فارسی میں مشہور شرحیں شرح بحرالعلوم، شرح ولی محمدؐ اکبرآبادی، شرح محمد رضا، مکاشفاتِ رضوی، شرح عبداللطیف اور شرح محمد افضل ہیں۔

حضرت امداد اللہ مہاجر کی نے بھی حاشیہ لکھا۔ اردو میں کشف العلوم، کشف المفہوم، پیراہن یوسفی، کلیدِ مثنوی مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہ مختلف شرحیں ہیں مولانا احمد حسن کانپوری نے بھی حاشیہ لکھ کر شائع کرایا تھا۔

مولینا روم کے نام سے ایک دیوان بھی مشہور ہے مولینا کا مرید خاص سپہ سالار مولانا کے حالات میں اس دیوان کا ذکر نہیں کرتا اور مولینا کے قریب زمانہ کی تصنیف مناقب العارفین میں بھی دیوان کا ذکر نہیں۔

دیوان شمس۔ شمس تبریز کے نام سے ایک دیوان مشہور ہے۔ بعض اس کو شمس تبریز کی تصنیف کہتے ہیں مگر صاحب ریاض العارفین نے لکھا ہے کہ مولانا روم نے شمس تبریز کے نام پر تصنیف کیا۔ اس دیوان میں شمسِ تبریز کی ذات کے متعلق ایسے اشعار ہیں کہ وہ کسی دوسرے ہی کے ہو سکتے ہیں۔

کلیات شمس۔ ایک کلیات بھی شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے اس میں ایسے اشعار ہیں جو قرامطہ، اباحیہ، حلولیہ کے عقائد کے موافق ہیں۔ بعض اشعار میں صحابہ کرام پر تبرا بھی ہے۔ مثلاً حضرت علی کی مدح میں ایک عقیدے میں یہ اشعار ہیں۔

اے تخت خلافت بتو زیبندہ ولائق	احکام تو با حکم قضا ہر دو موافق
زیرا کہ تو معصومی وغیر از تو گناہگار	ہادی خلائق نبود مرشد ناحق

یہ کام شیعہ کے سوا کسی صوفی کا نہیں ہو سکتا۔

دیوانِ حافظ۔ دیوان حافظ کے نسخوں میں ایسا اختلاف ہے کہ غزلیں کی غزلیں کسی نسخے میں ہیں کسی میں نہیں اور بعض کے مضامین صریح عقائد کے خلاف ہیں۔ بعض اشعار میں تبرا بھی ہے، تفصیل آگے آئے گی۔

قصائد و لی شاہ نعمت اللہ ولی کے نام سے کئی قصائد مشہور ہیں جن میں پیشین گوئیاں ہیں ان کا مزار بہکل علاقہ کشمیر میں ہے۔ ان قصائد میں گزشتہ واقعات تو معہ اسماء مذکور ہیں۔ اور آئندہ واقعات میں نام نہیں صرف اجمال کے ساتھ اشارہ ہے۔ ان قصائد کی لغویت کی یہی دلیل کافی ہے کہ اہلِ نظر ان قصائد کو جعلی کہتے ہیں۔ سادہ انسان ان پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ جب کوئی واقعہ پیش آتا ہے یا گزر جاتا ہے تو اس قصیدہ میں ایک شعر کا اضافہ ہو جاتا ہے مثلاً سر سید احمد خاں اور مرزا غلام احمد قادیانی نے قرآن مجید کی تفسیر کی۔ ان کے متعلق بھی ایک شعر ہے۔

دو کس بنام احمد گمراہ کنند بے حد ساز ند از دلِ خود تفسیر فی القرآنا

ایک قصیدے میں انگریزوں کے متعلق ایک شعر ہے اس کا مدعا یہ ہے۔

شاہِ مغرب بہر تلاش خوش عنان پیدا شود۔

اس پیشین گوئی کا بطلان اس زمانے میں ظاہر ہو گیا ان قصائد کے اکثر اشعار ایسے ہیں۔ جو کسی شاعر اور ذی علم شخص کے نہیں ہو سکتے ماہ ستمبر ۱۹۴۸ء میں لاہور کے اخبارات نے نہایت شدومد سے ان قصیدوں کو شائع کر کے ان کی شرح کی چونکہ ان دنوں حیدرآباد دکن میں مجلسِ اتحاد المسلمین نے بہت زور باندھا اور اس کا صدر تقریروں میں یہ ظاہر کر رہا تھا کہ میں جہاد کروں گا! میرے پاس اسقدر سامان ہے کہ حکومتِ ہند کا تختہ الٹ دوں گا اور میر عثمان علیخان شاہ دکن بھی میرے ساتھ ہیں۔ ادھر حکومتِ ہند کو اصرار تھا کہ حیدرآباد دکن اطاعت قبول کرے لہذا اس موقع پر نعمت اللہ ولی کے قصیدہ میں ایک اور شعر بڑھایا گیا جس کا یہ مطلب تھا کہ حکومتِ ہند شاہ عثمان کے حملہ کی تاب نہ لا سکے گی۔ یہاں تک کہ اتحاد المسلمین کی فوج میں اور ہند کی فوج میں جنگ شروع ہو گئی۔ تین دن تک جنگ ہوئی کہ حضور نظام نے جنگ بند کرنے اور ہتھیار ڈال دینے کا حکم دیدیا اور اب حکومتِ ہند کا حیدرآباد دکن پر فوجی قبضہ ہے اس پر لاہور کے اخبار زمیندار ۲۵ ستمبر ۱۹۴۸ء میں خواجہ عباد اللہ اختر امرتسری نے لکھا۔

"شاہ نعمت اللہ ولی کی پیشین گوئیاں آب و تاب سے شائع ہو رہی ہیں لوگوں کو کیا معلوم کہ یار دوست ہر ایک سال چند اشعار جو بائیہ شعر سے بھی گرے ہوئے ہوتے ہیں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ اور ولی اللہ کا نام فروخت کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کی نیت نیک ہو۔ لیکن جھوٹ جھوٹ ہی ہے مسلمانوں کو ان کے نزدیک نہ جانا چاہیے۔"

اشعار گنگوہی اب خواجہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے بعض اشعار اور غزلیں مشہور ہو رہی ہیں۔ صوفیوں میں ان کا یہ شعر بہت مشہور ہے

بندۂ قدوس گنگوہی خدا خود را شناس این ندا از غیب با اسراری گو بکر مرا

قدوسی خاندان کے دو صاحبوں سے میری ملاقات ہے۔ دونوں اہلِ علم اور صاحبِ تصوف ہیں۔ ایک مولوی محمد عادل صاحب رکن دائرہ المعارف حیدر آباد دکن دوسرے مولوی اعجاز الحسن صاحب ملازم محکمہ امور مذہبی حیدر آباد دکن دونوں صاحبوں نے مجھ سے فرمایا کہ ہماری خاندانی بیاض میں یہ شعر اسطرح تحریر ہے۔

بندۂ قدوس گنگوہی خدارا خود شناس این ندا از غیب با اسراری گو بکر مرا

ایک غزل اور بھی خواجہ صاحب کی طرف منسوب ہے

الستیں بر رو کشیدی ہم چو مکار آمدی۔

ان دونوں غزلوں کے متعلق شیخ سراج الحق گنگوہی نے فرمایا تھا کہ خاندانی بیاضوں میں نہیں ہیں بیاضوں کے اشعار میں بھی اختلاف ہے اور یہ شبہ بھی بعض بیاضوں میں ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ غزلیں خواجہ صاحب کی طرف غلط طور پر منسوب کی گئی ہیں۔

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے فاضل اور اولیائے کاملین سے تھے اور نہایت سختی کے ساتھ پابندِ سنت تھے انہوں نے اپنی تمام تصانیف میں اتباعِ سنت و شریعت پر زور دیا ہے اور آداب کا کامل درجہ لحاظ کیا ہے لیکن ان کے نام سے یہ شعر مشہور ہو گیا۔

من چہ پروائے مصطفیٰ دارم پنجہ در پنجۂ خدا دارم

یہ شعر ان کے مسلک اور تحریر کے صریح خلاف ہے۔ مجدد صاحب کا شاعری سے شغف بھی مذکور نہیں۔

ایک یہ خرابی پیدا ہو گئی کہ کسی بزرگ کے نام سے کوئی کیسا ہی شعر مشہور

ہو عقیدت منداس کو کھینچ تان کر مذہب اور تصوف میں لے آتے ہیں اور تاویلات کی بھرمار سے اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثنوی مولانا روم اور دیوان حافظ کے ساتھ یہ سلوک بہت ہوا ہے۔ تاویل کا یہ طریقہ ائمہ اسلام نے احادیث کے لئے مقرر کیا تھا کہ اگر کوئی ایسی حدیث جو مشاہدہ یا صحیح واقعات کے خلاف ثابت ہو جائے تو ہمیں تاویل پر مضطر ہو جانا چاہیئے۔ لوگوں نے یہی عمل شعرا کی مثنویوں دواوین اور مقولوں پر شروع کر دیا۔

ایک یہ غلطی بھی ہوئی ہے کہ دیوان حافظ اور اولیائے کرام کے اشعار کے متعلق اہل علم نے یہ سعی کی کہ ان کی ایسی شرحیں کی جائیں کہ ان کے رندانہ مضامین کو جنہیں وہ شاعرانہ حیثیت سے لائے تھے کھینچ تان کر تصوف میں لے آئیں۔ اس غلطی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے رندانہ اشعار کو عوام تعلیم دین سمجھنے لگے اور ان کے دواوین کو الہامی سمجھ بیٹھے پھر وہ رندانہ اشعار اپنے ظاہری معنی و مطالب کے اعتبار سے عقیدہ قرار پا گئے۔ ان بزرگ شارحین نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ اس سے ان بزرگوں کے دامنِ کمالِ فن پر دھبہ آتا ہے کیونکہ جب تک ہر مصرعہ اور ہر شعر میں ایک ایک لفظ کی شرح نہ کی جائے کہ اس سے یہ مراد ہے اور اس سے وہ مراد ہے۔ اس وقت تک شعر تصوف و سلوک کے موافق نہیں ہوتا اس پر ایک صاحب فن کہہ سکتا ہے کہ اس بزرگ کو شاعری آتی ہی نہ تھی۔ اسلئے کہ وہ مفہوم کو حقائق کے ساتھ ادا نہ کر سکا ہر جگہ توڑ جوڑ کرنا پڑتا ہے تب کہیں مطلب نکلتا ہے۔

غرض کوئی کتاب کوئی شعر ایسا نہیں ہے جس کو یقینِ واثق کے ساتھ کہا جائے کہ یہ جس بزرگ کی طرف منسوب ہے انہیں کی تصنیف ہے علاوہ ازیں اولیائے کرام کا ظاہری شریعت کے خلاف کوئی قول و فعل قابل حجت نہیں کیونکہ ان سے گناہ بھی سرزد ہو سکتا ہے۔ اور غلطی بھی ہو سکتی ہے یہ امر کس قدر قابلِ لحاظ ہے کہ سعدی، حافظ شیرازی، مولانا روم اور امیر خسرو وغیرہ کا مادر زاد ولی اور صاحب الہام ہونا مذکور اور ثابت نہیں ان کی زندگی کا کچھ زمانہ آزادی اور جوانی دیوانی کا بھی گزرا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اشعار جن میں معاملہ بندی، شراب و کباب اور رندی و رسمیقی کے مضامین ہیں عہد آزادی کی تصنیف ہوں، خواجہ بشر حافی جن کے تقوی و تقدس کی امام حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے

بھی تعریف فرمائی ہے عہد جوانی میں دائم الخمر تھے۔ امیر خسرو فن شعر میں غزلیات وغیرہ لائے ہیں ایک راگ اور ایک باجا بھی ان کی ایجاد بتایا جاتا ہے ایسی ہی سعدی کی غزلیات بھی ہیں۔ عقل سلیم اس طرف راہبری کرتی ہے کہ یہ چیزیں ان اولیائے کرام کے عہد جوانی کے کارنامے ہوں گے غرض اس قسم کے اشعار خواہ کسی کے ہوں قابل حجت نہیں۔ تائیدانہ مثال میں کوئی مضائقہ نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے بلاغ المبین میں تحریر فرمایا ہے

" حافظ شیرازی کے اس مجازی شعر کو حقیقت سمجھ کر دلیل پیش کرتے ہیں۔

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید که سالک بیخبر نبود ز راه و رسم منزلہا

علامہ عبدالوہاب قزوینی نے ۱۳۲۰ھ ہجری میں ایک نسخہ دیوانِ حافظ کا مرتب کرکے شائع کیا تھا انہوں نے تیس قدیم قلمی اور قدیم مطبوعہ نسخوں سے یہ نسخہ تیار کیا تھا کسی نسخہ کی غزلیات اور غزلیات کے اشعار کی تعداد برابر نہ تھی مرتب نے دیباچہ میں اس امر کا اس طرح اظہار کیا ہے می بینم کہ عمدہ غزلیات دیوانِ حافظ وہمچنیں عمدہ ابیاتِ غزل بسرعت رو بافزائش میگزارد تقریب صد غزل الحاقی است جس کتاب کی یہ حالت ہو اس کے اشعار کو سندِ عقائد قرار دینا شدید غلطی ہے اور ایسی کتاب کی شرح میں اس لئے جدوجہد کرنا کہ مطابق مسلک ہو جائے یہ بھی غلطی ہے۔

غرض علوم دین کا سب کچھ کام اس زمانہ میں ہوا ہے جس کی تعریف خود حضور علیہ السلام نے فرمائی ہے۔ یعنی قرون ثلاثہ میں حضور علیہ السلام نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے کہ پھر جھوٹ پھیل جائےگا اس کے علاوہ اولیائے کرام معصوم نہ تھے ان سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ اور ان کے کشف میں اشتباہ اور غلطی[۱] بھی ہو جاتی ہے۔

شیخ اکبر ابن عربی نے فرمایا ہے۔

اہلِ کشف کو کثرت سے اشتباہ بھی ہو جاتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں

" بعضے[۱] بزرگاں غلطی در کشف اینہا ہم تجویز میکنند "

اسی وجہ سے خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے فرمایا ہے

" مشائخ[۳] کا کوئی فعل حجت نہیں ہے "

ان اسقام کا علاج اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ جو بھی قول و فعل کسی بزرگ کا ظاہر

۱۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز صاحب صفحہ ۱۵ ۲۔ ملفوظات صفحہ ۹۹ ۳۔ صفحہ ۳۳ اردو ترجمہ بلاغ المبین مصنفہ شاہ ولی اللہ صفحہ ۱۱ عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور

شریعت کے خلاف ثابت ہوجائے اس کو رد کر دیا جائے کشف کے ذریعہ سے جو امر خلاف شریعت ظاہر ہو اس کے متعلق مجدد صاحب فرماتے ہیں۔

" واگر بالفرض آن معانی مفہومہ بکشف والہام ظاہر شود آنرا اعتماد نہ باید کرد واز آن استغفار باید نمود"

خواجگان سلف کا یہی دستور تھا خواہ کشف ہو یا الہام یا کسی بزرگ کا قول ہو جب تک اس کو شریعت کے مطابق نہ جانچ لیتے تھے، قبول نہ کرتے تھے۔ خواجہ سلیمان دارانی ۲۱۵ھ کا قول ہے۔

"بسا اوقات مجھ پر ایک نکتہ ظاہر ہوا مگر میں نے اس وقت تک اسے قبول نہ کیا جب تک کہ کتاب و سنت سے اس کی تصدیق نہ کر لی"۔

خواجہ جامی نے نفحات الانس میں خواجہ بشر حافی ۲۲۸ھ سے کسی کا قول نقل کیا ہے۔

" از سخنان این طائفہ ہیچ چیز بدل من قرار نگرفت تا آنکہ دو گواہ عدل از کتاب و سنت بر آن نہ یافتم"

حضرت شیخ الاسلام خواجہ زکریا الفارسی کا قول ہے

"صوفیاء کا جو کلام صریح کتاب و سنت کے مخالف ہو اس پر اعتقاد کرنا حرام ہے"۔

امام شعرانی فرماتے ہیں

"جب ان کے کلام کو شریعت کے خلاف دیکھے پھینک دے"۔

شاہ ولی اللہ بلاغ المبین میں فرماتے ہیں۔

"یاد رہے کہ امور دینیہ کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ ایک آیات محکمات جو کہ کلام خدا میں ہیں، احادیث صحیحہ جو کہ حقانی کلام ہیں۔ اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم۔ جو بات ان تینوں یا ان تینوں میں سے کسی ایک کے خلاف ہوگی۔ سے مردود سمجھنا چاہیئے"۔

الغرض کسی بھی بزرگ کا قول ہو وہ قابل تسلیم نہیں ہے جب تک کہ کتاب و سنت کی اس پر شہادت نہ ہو۔ اس کو قبول کرنا معصیت ہے۔

ائمہ نے یہ اصول قرار دیا ہے۔ کہ جو حدیث قرآن کے خلاف ہے وہ رد ہے۔ جو قول کسی امام کا حدیث کے خلاف ہے وہ رد ہے۔ صوفیائے کرام نے یہ اصول

قرار دیا ہے کہ ائمہ مجتہدین کے خلاف جو قول کسی کا ہے وہ رد ہے یہی اصول صحیح ہے
اور سچا راستہ بھی ہے۔ خواجہ معروف کرخی ۲۰۰ھ کا قول ہے؎

"تصوف ایک ایسا اسم ہے جس میں فقر و زہد کے معانی شامل ہیں"

خواجہ بشر حافی ۲۲۷ھ زہد کی یہ تعریف فرماتے ہیں۔

"زہد وہ ہے کہ شبہات سے پاک ہو"

خواجہ ابو بکر کتانی ۳۲۲ھ فرماتے ہیں۔

"جس چیز میں کوئی مدنی، عراقی اور شامی مجتہد اختلاف نہ کرے وہ زہد ہے"

امام شعرانی کا قول پہلے نقل کیا جا چکا ہے مدعیانِ تصوف نے ایک نئی صورت اور پیدا کی ہے۔ کہ وہ بعض آیات و احادیث کے معنی و مفہوم کو اور ہی طرح بیان کرتے ہیں۔ لیکن اہلِ حق جانتے ہیں کہ قرآن پاک کی صحیح تفسیر حدیث شریف ہے۔ اور قرآن و حدیث کی صحیح تفسیر فقہ ہے۔ اسلئے فقہاء ائمہ مجتہدین اور محدثین نے جو معنی و مفہوم قرار دیا ہے وہی صحیح ہو سکتا ہے۔ صحیح مقصد و مطالب کو ان بزرگوں سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی۔ یا جنہوں نے صحابہ و تابعین سے فیض پایا۔ جن کا علم و تقدس مسلم تھا۔ جو ان علوم کے صاحب فن تھے جن کو زمانہء رسالت سے قرب کی فضیلت حاصل تھی۔ ان بزرگوں کے خلاف جس کسی نے بھی جو کچھ لکھا ہے وہ بروئے عقل بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

ایک یہ صورت بھی غلط فہمی واقع ہونے کی ہے کہ اسلامی احکام تمام ایک دم سے نازل و نافذ نہیں کئے گئے۔ بلکہ رفتہ رفتہ پیش کئے گئے ہیں تاکہ عوام سہولت کے ساتھ متفق ہو سکیں۔ قرآن میں نزول تدریجی کی یہی مصلحت بیان فرمائی گئی ہے۔

بعض امور ایسے تھے کہ جو حضور کے عہد میں ابتداء سے رائج رہے۔ پھر ان کی ممانعت ہو گئی۔ اس کے علاوہ امور مروجہ اور رسم و رواج و حاجات میں حضور علیہ السلام کسی ایک امر کے پابند نہ رہتے تھے۔ اور یہ امر ممکن بھی نہ تھا اسلئے بعض قولی یا فعلی حدیثیں ایسی ہو سکتی ہیں جو ابتدائی عہد کی ہوں اور ان سے کسی امر کی اجازت نکل سکتی ہو تو آخر زمانہ کی حدیث واجب العمل ہے، حضرات صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین و مجتہدین نے جانچ کرنے کے بعد صحیح حدیثوں پر فقہ کی بنیاد قائم کی ہے

؎ عوارف المعارف

اسلیئے ہمیں اصولِ فقہ کی روشنی میں مسائل کو لینا چاہیئے۔ اور فقہار کے مذہب پر عمل رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ انہوں نے زمانہ رسالت کے قریب تمام احادیث وغیرہ کو جانچ کر اصول قائم کئے ہیں۔ اور اجتہاد کر کے مسائل کو مدوّن کیا ہے۔ اسلیئے کوئی ضعیف یا غیر صحیح حدیث ان کے اجتہاد کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ نہ کسی حدیث کا ایسا جدید مفہوم قرار دیا جا سکتا ہے جو ان کے بیان کردہ مفہوم و مطالب کے خلاف ہو۔ اگر کوئی شخص علم و عقل اور انصاف سے غور کرے گا تو اس کو اس بابں کوئی عذر کی گنجائش پیدا نہ ہوگی۔

تیرہویں صدی ہجری سے ہندوستان میں صوفیوں کی بھی پھوٹ پڑی۔ لاکھوں کروڑوں متصوف پیدا ہو گئے۔ اور اسی صوفی نے جو کچھ اردو لکھنی پڑھنی جانتا تھا تصوف میں کوئی نہ کوئی تصنیف ضرور کی۔ اور اس میں مسئلہ وحدۃ الوجود کی بحث کتابوں سے دیکھ کر نقل کی۔ لیکن یہ نازک مسئلہ ایسا نہ تھا کہ نقل در اجہ عقل کی کسوٹی پر پورا اتر جاتا انجام یہ ہوا کہ ان کے تمام دلائل اتحاد و حلول کی تائید میں آگئے۔ اگرچہ بعض نے ظاہر یہی کیا کہ اتحاد و حلول باطل ہے اور ان کا غالباً مقصد بھی یہی ہوگا لیکن دلائل میں اس سے نہ بچ سکے کچھ نئے تعلیم یافتوں نے بھی مذہب میں نام حاصل کرنے کے لیئے تصوف پر رسالے اور مضامین لکھے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ مقصد کو الفاظ میں ادا نہ کر سکے ان کی عبارت اور ان کے دلائل اس مفہوم کے خلاف ہیں جن کیلیئے انہوں نے قلم اٹھایا تھا۔ اس عہد کے علماء کے زمانے میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چشتی و مولانا رشید احمد گنگوہی چشتی و مولانا اشرف علی تھانوی چشتی کی تصانیف بہت کچھ قابلِ وثوق ہیں۔

الباب الثالث فی سلاسل الطریقت

تمام سلاسلِ طریقت کی ابتداء ذات بابرکات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اور حضور کے بعد بالترتیب سلسلۂ ظاہری و باطنی خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہے۔ سلاسل کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ سب کا ذکر کرنے کیلئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ لیکن تمام سلاسل اوپر جاکر ایک ہوگئے ہیں۔ اس کے علاوہ زمانۂ قدیم کے بزرگوں میں سے تقریباً ہر ایک بزرگ نے بہت سے بزرگوں سے فیض حاصل کیا ہے۔ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ صوفیائے کرام جہاں کسی بزرگ کا نام سنتے تھے حصولِ فیض کیلئے پہنچ جاتے تھے۔ خواجہ سعدی فرماتے ہیں:

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم   ز ہر خرمنی خوشۂ یافتم

وہ لوگ جن کو کتبِ تاریخ و تصوف پر عبور نہیں کہتے ہیں کہ سلاسلِ طریقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی صحابی سے جاری نہیں ہوئے اور حضور علیہ السلام نے حضرت علی کے سوا کسی صحابی کو طریقت کی تعلیم نہیں دی یہ عقیدہ قرامطہ کے فرقوں کی ایجاد ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور فیضان سب کے لیے یکساں تھا۔ آپ سے ہر ایک صحابی نے اپنی اپنی محنت اور قابلیت، اپنے اپنے ظرف و محبت کے موافق حصہ پایا اور ان میں سے ہر ایک صوفی کامل تھا گو فرق مراتب تھا حضور[۲] نے خود ارشاد فرمایا ہے۔

"میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں تم جس کا بھی اتباع کروگے ہدایت پاؤگے۔"

حضور علیہ السلام کے بعد بالترتیب خلفائے راشدین سے سلسلۂ رشد و ہدایت جاری رہا۔

تعلیم طریقت بسیار رائج بود کہ قریب ہشتاد نفر باشند از انجملہ بعضے بزرگان از نسل ابوبکر و عمر و عثمان و علی و بعضے فرزندان نسلِ انس و ابن عباس بودند[۱]

اسی قسم کی روایت شداد بن اوس سے رسالہ مکیہ میں منقول ہے توت القلوب اور اشعار منطق الطیر میں بھی ایسا ہی مذکور ہے[۲]

---

[۱] انسانِ کامل[؟] صفحہ ۳۳ مطبوعہ مطبع العلوم مراد آباد [۲] تکملہ ۲ ایضاً

خواجہ یحییٰ نے ہشتاد کی قید اسلئے لگائی ہے کہ انہوں نے صرف ان صحابہ کو شمار کیا ہے جن سے اہل سلاسل نے سلاسل کو شمار کیا ہے۔ شہزادہ محمد اختر چشتی رسول اکرم کے متعلق تذکرۃ الفقراء میں لکھتے ہیں

" دس صاحبوں کے بارے میں فرمایا کہ ان سے راہ عرفان جاری ہُوا وہ یہ ہیں ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، ابوعبیس، سعد بن وقاص، سعید، عبدالرحمٰن بن عوف۔

شہزادے نے یہ تعین بڑے سلسلوں کی شمار پر کی ہے ورنہ ظاہری و باطنی ہر صحابی نے حضور سے فیض پایا ہے اور ہر صحابی سے دوسروں کو پہونچا ہے۔

بعض نے کئی سو اصحاب کی تعداد لکھی ہے ان لوگوں نے صرف مشاہیر کو شمار کیا ہے ورنہ حضور کی نگاہ فیض آثار سے کوئی صحابی بھی محروم نہیں رہا۔ عقل سلیم بھی اسی طرف راہبری کرتی ہے کہ حضور کا فیض صحبت اس قدر بے اثر نہیں ہو سکتا کہ صرف چند آدمیوں کو ہی منزل مقصود تک پہونچا سکے اس قسم کے خیالات سے دامن رسالت پر دھبہ لگتا ہے کہ آپ کی امت میں تو ایک ایک ولی نے سینکڑوں ولی بنا دیئے اور آپ صرف چند آدمیوں کو ہی منزل مقصود تک پہونچا سکے۔ شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ باب ۱۲ صفحہ ۳۰۳ پر حضرت ابوبکر کو امام الاولیاء لکھا ہے شیخ عطار نے بھی تذکرۃ الاولیاء میں خلفائے راشدین کو اول ذکر کیا ہے اگر یہ حضرات صاحب طریقت نہ ہوتے تو مشہور بزرگ ایسا نہ لکھتے غرض خلفائے راشدین نے آپس میں بھی بالترتیب ایک دوسرے سے کسب فیض و تربیت کیا ہے خواجہ پارسا رسالۂ قدسیہ میں فرماتے ہیں۔

" امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ بعد از حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم از ان خلفا کہ بر امیر المومنین علی مقدم بودہ اند ہم نسبت باطن بتربیت یافتہ اند"

چونکہ اس زمانے میں سوائے نقشبندیہ کے اہل شجرات نے دیگر سلاسل کو حضرت علی پر ختم کیا ہے اس لئے ان لوگوں نے جنکی نظر وسیع نہیں اور جنکی معلومات محدود ہیں یہ خیال قائم کر لیا کہ حضرت ابوبکر سے صرف سلسلۂ نقشبندیہ ہی جاری ہُوا ہے اور دیگر صحابہ سے کوئی سلسلہ نہیں چلا آخر زمانہ کے شجرہ نویسوں نے بنظر سہولت کہ اسماء کے خیال سے شجرات کو حضرت علی پر ختم کر دیا ورنہ بزرگان متقدمین کے دور میں ہر

چہار خلفاء کے اسمائے گرامی تھے حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے اوراد فتحیہ میں اسی طرح منقول ہے۔ اس رواج کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بزرگان متقدمین میں سے بعض بعض بزرگوں کا یہ طرز عمل تھا کہ دو شخصوں نے اگر ایک شخص سے بیعت کی اور وہ اس سے مجاز طریقہ ہوئے۔ لیکن ان دو میں سے ایک نے شیخ کی وفات کے بعد اپنے پیر بھائی سے بھی فیض حاصل کیا اور تجدید بیعت کی تو بعض لوگ شجرہ میں اس درمیانی شیخ کا نام نہیں لکھتے صرف شیخ اول ہی کا نام لکھتے ہیں جیسے خواجہ علاؤالدین عطار اور خواجہ محمد پارسا نے بہاؤالدین نقشبند سے بیعت کی اور اجازت پائی اور خواجہ نقشبند کے بعد خواجہ عطار نے خواجہ پارسا سے تجدید بیعت کی اور فیض حاصل کیا تو بعض اہل سلاسل خواجہ نقشبند کے بعد خواجہ عطار کا نام لکھتے ہیں بعض دونوں کے درمیان خواجہ پارسا کا نام بھی لکھتے ہیں اسی طرح چونکہ خلفائے اربعہ اور دیگر صحابہ نے رسول اکرم سے بیعت کی اور فیض پایا پھر حضور کے بعد ایک دوسرے سے بیعت و استفادہ کرتے رہے اسلئے شجرہ نویسوں کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہیں ترتیب اسماء قائم کرلیں یہ بھی ہوا ہے کہ اگر کسی بزرگ کو کسی شیخ سے صرف نسبت روحیہ حاصل ہے یعنی انکی ملاقات نہیں ہوئی اس صورت میں بھی بنظر اختصار سلاسل میں درمیانی شیوخ کے نام نہیں لکھتے جیسے خواجہ بایزید بسطامی کے بعد شجرات میں خواجہ ابوالحسن خرقانی کا نام ہے ان دونوں کے درمیان اسقدر طویل زمانہ ہے کہ لقائے صوری کسی طرح ممکن نہیں اور درمیان میں چار شیخ اور ہیں لیکن چونکہ خواجہ خرقانی نے براہ راست خواجہ بایزید بسطامی کی روحانیت سے فیض و تربیت حاصل کی ہے اسلئے اہل سلاسل نے درمیانی شیوخ کے نام شامل نہیں کئے لقائے صوری سے انکا صحیح سلسلہ اس طرح ہے۔

ابوالحسن خرقانی عن ابوالمظفر ترک طوسی عن ابی یزید عشقی عن شیخ محمد مغربی عن شیخ احمد خضرویہ عن بایزید بسطامی۔

امام حسن بصری اور حضرت علی کی ملاقات سے اکابر محققین نے انکار کیا ہے لیکن شجرات میں حضرت علی کے بعد امام حسن بصری کا نام ہے اور انکا صحیح سلسلہ لقائے صوری سے یہ ہے۔

حسن بصری عن امام حسن عن حضرت علی۔

ایک یہ غلطی بھی شائع ہے کہ کم علم صوفیاء سمجھتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین امام طریقت نہ تھے اور ان سے سلاسل جاری نہیں ہوئے۔ شیخ اکبر فتوحات مکیہ باب ۲۰ صفحہ ۱۷ میں فرماتے ہیں

" یہ کبھی نہ کہو کہ حضرات مجتہدین معارف اسرار سے محجوب تھے جیسا کہ بعض جاہل اور بے علم صوفی کہا کرتے ہیں کیونکہ یہ کلمات شان امامت کے نہ پہچاننے کی وجہ سے کہے جاتے ہیں۔"

اور باب ۱۹ میں فرماتے ہیں

" اصل میں مجتہدین ہی وارث انبیائے کرام ہیں۔"

صاحب فوز المرام نے امام ابوحنیفہؒ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ابدال و اوتاد و نجباء تھے سلاسل طریقت میں وہ سلسلہ جو سب سے پہلے خاص نام سے مقرر ہوا یعنی حنفیہ وہ امام اعظم سے ہے اور قرون ثلاثہ کے اندر ہے اور باقی تمام سلاسل طریقت قرون ثلاثہ کے بعد مقرر ہوئے

صاحب فوز المرام لکھتے ہیں [1]

" جو اہل حدیث کے جامع ہیں درمیان علم ظاہر اور باطن کے اور محیط ہیں ساتھ احکام اور حکمتوں اور معارف اور اسرار کے مثل ائمہ شافعی اور ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم اور ان کے امثال یہ لوگ بہترین ابدال اور اوتاد اور نجباء ہیں پس پرہیز کرو سوئے ظن سے ان کے حق میں کہ شیطان اس کو تجھے اچھا دکھاتا ہے۔ جن پر شیطان غالب ہے وہ نور علم سے ہدایت نہیں پاتے۔ کہتے ہیں کہ ائمہ فقہا و مجتہدین اس مرتبہ کو نہیں پہونچے اور علماء متفق ہیں اس بات پر کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ اوتاد سے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ قبل وفات کے قطب ہوئے ایسا ہی بعض ان کے تابعین فقہاء مثل امام نووی رضی اللہ عنہ اور مثل ان کے رضی اللہ عنہم۔"

دوسری جگہ لکھتے ہیں [2]

" امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور مثل ان کے رحمۃ اللہ علیہم کہ جامع ہیں درمیان حقیقت و شریعت کے"

بزرگان متقدمین اور صاحبان علم نے جو اولیائے کرام کے تذکرے لکھے ہیں انہیں بالترتیب خلفائے راشدین و ائمہ مجتہدین کا اول ذکر کیا ہے جیسے رسالہ قشیریہ،

---

[1] فوز المرام صفحہ [2] فوز المرام صفحہ ۱۱ بحوالہ کواکب ظاہرہ

مکتوبات حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی، تذکرۃ الاولیاء اشتباہ فی سلاسل الاولیاء اب ہم پہلے ان سلسلوں کو لکھتے ہیں جو صحابۂ کرام سے ہیں

سلاسل صحابہ

۱۔ خواجہ جنید بغدادی عن شیخ ابی سعید الخراز عن خواجہ بشر حافی عن شیخ ابی رجاء العطاء عن خواجہ فضل بن عباس عن شیخ منصور السلمی عن شیخ محمد بن مسلم الزاہد عن شیخ محمد جبیر رفلی عن شیخ محمد مطعم عن حضرت ابی بکر الصدیق۔

۲۔ شیخ بدیع الدین شاہ مدار عن طیفور شامی عن امین الدین شامی عن عبداللہ علم بردار عن حضرت ابی بکر الصدیق ۔

۳۔ شیخ ابی سعید الخراز عن شیخ عبداللہ دجی عن ابی تراب عسکر نخشبی عن خواجہ بایزید بسطامی عن شیخ امین الدین شامی حضرت عبداللہ علمبردار عن حضرت عمر فاروق۔

۴۔ شیخ ابی تراب عسکر نخشبی عن حاتم اصم عن شیخ عبدالرحمٰن خواص عن شیخ شفیق بلخی عن شیخ ابراہیم ادہم عن شیخ کمیل بن زیاد عن حضرت عثمان غنی۔

۵۔ عبداللہ علم بردار اور کمیل بن زیاد نے حضرت علی سے بھی فیض پایا ہے اسلئے ان دونوں کا سلسلہ حضرت علی سے بھی ہے

۶۔ شیخ کمیل بن زیاد عن حضرت ابی ہریرہ صحابی

۷۔ امام الطریقت۔ شیخ احمد کبیر رفاعی ۵۷۲ھ عن شیخ منصور بسطامی عن امام سہیل بن عبداللہ تستری عن خواجہ ذوالنون مصری عن شیخ اسرافیل مغربی عن شیخ ابو عبداللہ محمد حبشیہ تابعی عن حضرت جابر انصاری صحابی یہ سلسلہ رفاعیہ مشہور ہے

۸۔ خواجہ بایزید بسطامی عن شیخ حبیب عجمی عن امام محمد بن سیرین عن حضرت انس بن مالک صحابی

۹۔ امام الطریقہ ابوالعباس سید احمد بدوی ۶۷۵ھ عن شیخ عبدالجلیل نیشاپوری عن شیخ عبدالحمید عن شیخ عبدالمجید عن شیخ علی بن ابی الحسن عن شیخ احمد شفائی عن شیخ محمد شیرازی عن شیخ عبدالرزاق عن شیخ ابی طاہر عن شیخ عبدالقدوس عن شیخ احمد بن محمد نوربزی عن شیخ حبیب عجمی عن امام حسن بصری عن شیخ عمران بن حصین عن حضرت انس صحابی یہ سلسلہ بدویہ مشہور ہے۔

۱۔ نفحات الانس

نوٹ:- شاہ محمد نوربیز بوانے فضیل بن عیاض سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔

۱۰ شیخ عطار بن رباح عن امام قاسم بن محمد عن امام عروہ بن زبیر عن حضرت سلیمان فارسی صحابی۔

۱۱ شیخ داؤد طائی عن امام ابی حنیفہ عن شیخ عطار بن رباح عن حضرت عبداللہؓ بن زبیر صحابی و حضرت زبیر بن العوام صحابی۔

۱۲ شیخ داؤد طائی و شیخ ابراہیم بن ادھم عن امام سفیان ثوری عن امام ابراہیم نخعی بن امام علقمہ بن قیس عن حضرت عبداللہؓ بن مسعود صحابی۔

۱۳ امام احمد بن حنبل عن امام سفیان ثوری عن امام ابو محمد عمرو بن دینا فہمی عن حضرت عبداللہؓ بن عباس صحابی

۱۴ شیخ ابراہیم ادھم عن امام مالک عن نافع عن حضرت عبداللہ بن عمر صحابی

۱۵ امام حسن بصری عن حسن بن علی صحابی۔

۱۶ امام حسن بصری عن امام حسین بن علی صحابی

سلاسلِ تابعین

(۱) شیخ ابراہیم ادہم عن شیخ موسیٰ بن یزید راعی عن خواجہ اویس قرنی تابعی۔

نوٹ:- اویس قرنی نے حضرت عمر و عثمان و علیؓ تینوں سے بیعت کی یہ قول زیادہ معتبر ہے بعض نے لکھا ہے حضرت علی سے بھی بیعت کی۔

(۲) امام ابو حنیفہ تابعی عن شیخ ہرم بن حیان عن خواجہ اویس قرنی۔

(۳) خواجہ فضیل بن عیاض و خواجہ داؤد طائی دونوں نے امام ابو حنیفہ سے فیض پایا۔

سلاسلِ ائمۂ مجتہدین

(۱) خواجہ بشر حافی عن امام احمد بن حنبل عن امام شافعی عن امام جعفر صادق۔

(۲) امام شافعی عن امام محمد عن امام ابی یوسف عن امام ابو حنیفہ۔

(۳) خواجہ ابراہیم ادھم عن امام سفیان ثوری عن امام ابی حنیفہ

(۴) خواجہ داؤد طائی عن امام ابی حنیفہ

(۵) خواجہ فضیل بن عیاض عن امام ابی حنیفہ

(۶) خواجہ عبدالواحد بن زید عن امام ابی حنیفہ

(۷) امام الطریقہ شیخ محمد بن علی حکیم الترمذی ۲۵۵ھ عن امام ابی حنیفہ یہ سلسلہ حکیمیہ مشہور ہے۔

(۸) خواجہ ذوالنون مصری عن امام مالک

ائمہ مجتہدین کے بعض سلاسل صحابہ اور تابعین کے سلاسل میں آگئے ہیں ان کے علاوہ صحابہ و تابعین و ائمہ کے اور بہت سلسلے ہیں۔

خواجہ فضیل بن عیاض اور خواجہ جنید بغدادی یہ تمام سلاسل طریقت کے امام اور سر حلقہ ہیں انہوں نے بہت بزرگوں سے فیض حاصل کیا اور اجازت پائی

بیان سلاسل

طریقت کے سیکڑوں سلسلے ہیں سب کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہندوستان میں مشہور ہے کہ چار خاندان ہیں یعنی چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور چودہ کے تعین میں اختلاف ہے کوئی کسی سلسلہ کو شمار کرتا ہے کوئی کسی دوسرے کو ایک تقسیم یہ ہے

(۱) خواجہ عبدالواحد بن زید کا سلسلہ زیدیہ (۲) عیاضیہ (۳) ادھمیہ (۴) ہبیریہ (۵) چشتیہ (۶) عجمیہ (۷) طیفوریہ (۸) کرخیہ (۹) سقطیہ (۱۰) جنیدیہ (۱۱) گازرونیہ (۱۲) طوسیہ (۱۳) فردوسیہ (۱۴) سہروردیہ

بعض نے لکھا ہے (۱) زیدیہ (۲) عیاضیہ جو خواجہ فضیل بن عیاض سے ہے (۳) ادھمیہ یہ خواجہ ابراہیم ادھم سے ہے (۴) ہبیریہ جو خواجہ ہبیرہ بصری سے ہے (۵) چشتیہ جو خواجہ ممشاد علی دینوری سے ہے (۶) عجمیہ یہ خواجہ حبیب عجمی سے ہے (۷) طیفوریہ یہ خواجہ بایزید بسطامی عرف طیفور سے ہے (۸) کرخیہ یہ شیخ معروف کرخی سے ہے (۹) سقطیہ یہ شیخ سری سقطی سے ہے (۱۰) جنیدیہ یہ خواجہ جنید بغدادی سے ہے (۱۱) گازرونیہ یہ خواجہ ابواسحاق گازرونی سے ہے (۱۲) طوسیہ یہ خواجہ علاؤالدین طوسی سے ہے (۱۳) سہروردیہ یہ شیخ شہاب الدین سہروردی سے ہے (۱۴) فردوسیہ یہ شیخ نجم الدین کبری فردوسی سے ہے

بعض نے ان سلاسل کی شاخیں اس طرح لکھی ہیں

(۱) قادریہ یہ غوث الاعظم سے ہے (۲) یسویہ یہ شیخ احمد یسوی سے ہے

نقشبندیہ یہ خواجہ بہاؤالدین نقشبندسے (۴) نوریہ شیخ ابوالحسن نوری سے ۵ خضرویہ شیخ احمد خضرویہ سے (۶) شطاریہ عشقیہ شیخ عبداللہ شطاری (۷) چشتیہ بخاریہ مخدوم جہانیاں بخاری سے ہے (۸) زاہدیہ شیخ بدرالدین زاہد سے ہے (۹) انصاریہ شیخ الاسلام عبداللہ انصاری سے ہے (۱۰) صفویہ شیخ صفی الدین سے ہے (۱۱) عیدروسیہ شیخ عبداللہ عیدروس سے ہے (۱۲) مداریہ بہ شیخ بدیع الدین شاہ مدار سے ہے۔

لیکن اسطرح اگر تقسیم کی جائے تو سیکڑوں سلسلے ہو سکتے ہیں بعض مشہور بھی ہیں جیسے قلندریہ حنزالیہ کبرویہ وغیرہ وغیرہ آئندہ بھی اسیطرح نام قائم ہوتے چلے جائیں گے ہمارے زمانے میں امدادیہ حاجی امداداللہ سے۔ تو کلیہ سائیں توکلشاہ سے مشہور ہے اس التزام کی کوئی خاص ضرورت نہیں چونکہ تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے اسلئے ہم نے بھی نقل کردیا ورنہ حق سب کی ایک ہے ہم صرف مشہور سلسلوں کو لکھتے ہیں سلسلوں کے نام بعض بزرگوں کے نام بعض بزرگوں کے وطن کے نام اور بعض بزرگوں کے پیشے کے نام مشہور ہیں اسلئے ہر سلسلہ کی جن بزرگ کی نسبت سے ہوا ہے اسکی ابتداء اسی بزرگ کی سن وفات سے قائم کی گئی ہے اور وہ سن سلسلہ کے نام کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے بڑے بڑے سلسلوں کے نام پر نمبر ڈال دیا ہے شاخوں پر نمبر نہیں ڈالا گیا

سلسلہ ملامتیہ ۲۷۱ھ

امام الطریقہ شیخ حمدون قصار ۲۷۱ھ عن شیخ ابی الحفص عن خواجہ جنید بغدادی

۲۔ چشتیہ ۳۰۰ھ

خواجہ ابی احمد ابدال ساکن چشت ۳۰۰ھ عن شیخ ابی اسحاق شامی عن خواجہ ممشاد علو دینوری عن خواجہ امین الدین ابو ہبیرہ بصری عن شیخ حذیفہ مرعشی عن شیخ ابراہیم ادھم عن خواجہ فضیل بن عیاض عن خواجہ عبدالواحد بن زید عن امام حسن بصری عن حضرت علی چشتیہ سلسلے کی کئی شاخیں ہیں جو آگے چل کے مشہور بزرگوں کی نسبت سے مشہور ہوئی ہیں بعض کا ذکر کیا جاتا ہے

چشتیہ صابریہ ۶۶۹ھ

امام الطریقہ شیخ علاؤالدین صابر کلیری ۶۶۹ھ عن بابا فریدالدین گنج شکر عن

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی عن خواجہ معین الدین اجمیری عن شیخ عثمان ہارونی عن خواجہ شریف زندانی عن شیخ قطب الدین مودود عن شیخ ناصرالدین ابی یوسف عن خواجہ ابو محمد محترم عن خواجہ ابی احمد ابدال چشتی

چشتیہ نظامیہ سنہ ھ

امام الطریقہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء ۷۲۵ھ عن بابا فرید الدین گنج شکر۔

مخدومیہ نظامیہ ۷۸۵ھ

امام الطریقہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری ۷۸۵ھ عن خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی عن سلطان نظام الدین اولیاء

اسی سلسلہ کو جلالیہ بھی کہتے ہیں۔

درویشیہ نظامیہ ۹۱۰ھ

امام الطریقہ شیخ درویش محمد ۹۱۰ھ عن شیخ سیاں بن حکیم عن خواجہ گیسو دراز عن خواجہ چراغ دہلوی

چشتیہ غفوریہ ۹۸۵ھ

امام الطریقہ شاہ عبدالغفور اعظم پوری (ضلع مراد آباد) ۹۸۵ھ عن سید عبدالکبیر عن سید عبداللہ عن شیخ قطب الدین بخاری عن سید حامد نوبہار عن سید ناصرالدین عن محمود مخدوم جہانیاں۔

شاہ عبدالغفور پہلے سلسلہ قادریہ میں شاہ عبدالکبیر سے بیعت ہوئے اور شیخ عبدالعزیز سنبھلی سے بھی فیض پایا اور خواجہ عبدالقدوس گنگوہی سے بھی بیعت ہوئے تینوں بزرگوں سے خلافت پائی

شیخ عبدالغفور شیخ بدرالدین قریشی کے فرزند تھے موضع بڈھانا ضلع مظفر نگر کے باشندے تھے اپنے مرشد خواجہ عبدالقدوس کے حکم سے اعظم پور باسٹہ ضلع مراد آباد میں اقامت گزین ہوئے یہیں وفات پائی انکے تین بیٹے تھے ۱۔ ابو اسحاق ۲۔ احمد ۳۔ بندہ اور ایک بیٹی تھیں فاطمہ نام۔ شیخ عبدالغفور کے دست حق پر بیعت کر کے کئی ہندو مشرف با سلام ہوئے تو انکی صاحبزادی فاطمہ کو بی بی راج باس کہا کرتے تھے۔ شیخ عبدالغفور کا سلسلۂ

تمام عالم میں جاری ہوا اس طرح کہ سید طٰہٰ کے سینتیس خلیفہ ہوئے جو دہلی بغداد، بصرہ، مدینہ، لداخ، استنبول، جدہ، چین، کابل، ایران وغیرہ ممالک میں تھے سید طٰہٰ کا سلسلہ اس طرح ہے سید طٰہٰ قطب الدین کونالوی (کوناتہ)

انہوں نے ۱۱۴۱ھ میں وفات پائی مزار موضع کوناتہ میں ہے یہ مرید اور خلیفہ تھے اپنے والد سید محمود بخاری کے جو بمقام حسن ابدال ایک جہاد میں شہید ہوئے اسی نواح میں دریائے اٹک کے کنارے ان کا مزار ہے

یہ مرید تھے سید حسین بخاری کے (بی بی راج باس انکی والدہ تھیں) ان کا مزار آگرہ میں ہے یہ مرید تھے اپنے والد سید علاؤالدین قادری کے ان کا مزار ارکانہ میں ہے اور یہ خلیفہ تھے سید عبدالغفور کے ۔ راقم سطور کے نانا شیخ محمد اسماعیل جاگیردار شیر گوٹ شاہ عبدالغفور کی نسل سے تھے

حمزہ شاہی ۱۹۵ھ

شیخ حمزہ ۱۹۵ھ عن خواجہ گیسو دراز

قلندر شاہی ۱۰۰ھ

شیخ عزیز مکی ۱۰۰ھ عن خضر رومی عن قطب الدین عن عبدالسلام عن خواجہ عبدالقدوس گنگوہی عن خواجہ محمد عارف ردولوی عن خواجہ احمد عارف عن شاہ عبدالحق ردولوی عن خواجہ جلال الدین کبیرالاولیاء عن شیخ شمس الدین ترک عن خواجہ علاؤالدین صابر

۲۳۔ غزالیہ ۵۰۰ھ

امام الطریقہ امام محمد غزالی عن شیخ ابی المعالی عن ابی القاسم قشیری عن علی دقاق عن شیخ ابی القاسم استرآبادی عن خواجہ شبلی عن خواجہ جنید بغدادی غزالیہ کی کئی شاخیں رہیں ان میں سلسلہ عیدروسیہ بہت مشہور ہے

عیدروسیہ ۹۰۰ھ

امام الطریقہ سید عبداللہ عیدروس ۱۵۵ھ عن شیخ عمر محضار عن سید عبدالرحمن عن محمد بن علی بن علی بن علوی عن شیخ علوی بن محمد عن محمد بن علی عن شیخ ابو مدین مغربی عن شیخ ابی العنبر عن علی ابن حریم عن قاضی ابو بکر بن العربی الاندلسی

الاشبلی عن امام محمد غزالی

۶۔ قادریہ ۵۶۱ھ

یہ سلسلہ حضرت غوث الاعظم سید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی کے اسم مبارک عبدالقادر کی نسبت سے قادریہ مشہور ہوا

امام الطریقہ حضرت غوث الاعظم عن شیخ احمد اسود دینوری عن خواجہ ممشاد علو دینوری عن شیخ ابی العباس نہاوندی عن خواجہ ابی عبداللہ خفیف عن شیخ احمد بن حسن عن خواجہ جنید بغدادی

دیگر

حضرت غوث الاعظم عن سید ابی صالح عن سید موسیٰ جنگی دوست عن سید عبداللہ جبلی عن سید یحییٰ زاہد عن سید موسیٰ مورث عن سید داؤد مورث عن سید موسیٰ الجون عن سید عبداللہ محض عن امام حسن مثنیٰ عن حضرت امام حسن بن علی۔

حضرت غوث الاعظم نے بہت بزرگوں سے اجازت اور فیض حاصل کیا ہے اسلئے آپ کا سلسلہ بہت طریقوں سے ہے اس سلسلہ کی زیادہ مستند شاخیں یہ ہیں

اکبریہ ۶۳۸ھ

امام الطریقہ شیخ محی الدین اکبر ابن عربی ۶۳۸ھ عن شیخ جمال الدین یونس عن حضرت غوث الاعظم۔

شعرانیہ ۹۷۳ھ

امام الطریقہ امام عبدالوہاب شعرانی ۹۷۳ھ عن امام جلال الدین سیوطی عن شیخ کمال الدین عن شیخ شمس الدین حریری عن شیخ عمر بن الحسین عن شیخ احمد بن ابراہیم عن شیخ محی الدین اکبر ابن عربی

قمیصیہ ۹۹۲ھ

امام الطریقہ سید قمیص الاعظم ۹۹۲ھ عن سید الیاس مغربی عن سید عبدالغنی مغربی عن سید مغربی عن سید احمد قدسی عن سید عبدالقادر اردبیلی عن سید عبدالوہاب عن سید موسیٰ عن سید یحییٰ زاہد عن زین الدین عن سید عبدالرزاق

عن سید غوث الاعظم۔

۵ کبرویہ ۶۱۹ھ

امام الطریقہ سید نجم الدین کبری ۶۱۸ھ عن شیخ ابو بکر نساج عن خواجہ ابی القاسم گورگانی عن شیخ ابی عثمان مغربی عن شیخ علی کاتب عن شیخ علی رودباری عن خواجہ جنید بغدادی

رومیہ ۶۷۲ھ

امام الطریقہ مولینا جلال الدین رومی ۶۷۲ھ عن شیخ بہاؤ الدین عن سید نجم الدین کبری (اس سلسلہ کو فارسیہ بھی کہتے ہیں ؛

مولویہ قلندریہ ۷۲۴ھ

امام الطریقہ شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی ۷۲۴ھ عن مولینا روم قلندر صاحب کا سلسلہ اسطرح بھی ہے

قلندر بو علی شاہ عن شہاب الدین عن شیخ امام الدین ابدال عن شیخ سید الدین غزنوی عن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

فردوسیہ ۶۹۳ھ

امام الطریقہ شیخ رکن الدین فردوسی ۶۹۳ھ عن شیخ بدرالدین سمرقندی عن سید نجم الدین کبرے

ہمدانیہ ۷۸۶ھ

امام الطریقہ امیر کبیر سید علی ہمدانی عن شیخ شرف الدین خرقانی عن شیخ نور الدین عبد الرحمن اسفرائینی عن شیخ جمال الدین احمد جوزقانی عن شیخ رضی الدین علی عن سید نجم الدین کبری

۱۲ شطاریہ ۸۳۲ھ

امام الطریقہ شیخ عبداللہ شطاری ۸۳۲ھ عن شیخ محمد عارف عن شیخ محمد عاشق عن شیخ خدا قلی ماوراءالنہری عن خواجہ بایزید بسطامی

دیگر

امام الطریقہ شیخ عبداللہ شطاری عن شیخ منصور بسطامی عن خواجہ جنید

بغدادی یہ سلسلہ غالباً سلسلہ اویسیہ سے ہوگا کیونکہ خواجہ جنید اور شیخ عبداللہ کے درمیان ایک واسطہ ہے اور زمانہ ساڑھے تین صدی کا ہے اس عرصہ میں ایک واسطہ ممکن نہیں

۷۔ سہروردیہ ۶۳۲ھ

امام الطریقہ شیخ شہاب الدین سہروردی عن شیخ ضیاء الدین عن وجیہہ الدین عن شیخ اخی فرح زنجانی عن ابی العباس نہاوندی عن عبداللہ خفیف عن شیخ ادیم عن خواجہ جنید بغدادی

دیگر

خواجہ جنید بغدادی عن شیخ سری سقطی عن شیخ معروف کرخی عن شیخ داؤد طائی عن شیخ حبیب عجمی عن امام حسن عن حضرت علی۔

سہروردیہ کی بھی شاخیں ہیں ان میں زیادہ مشہور حمیدیہ ہے جو قاضی حمید الدین ناگوری ۶۴۳ھ کیطرف منسوب ہے بعض اسکو سلسلہ صوفیہ کے نام سے بھی لکھتے ہیں اکثر کا قول ہے کہ سلسلہ صوفیہ صوفی حمید الدین ناگوری خلیفہ خواجہ اجمیری کے سلسلہ کا نام ہے

سہروردیہ کی ایک شاخ بہائیہ زنجانیہ بھی ہے بہائیہ خواجہ بہاؤالدین ذکریا ملتانی کا سلسلہ۔ مگر زنجانیہ کے متعلق تحقیق نہیں ہو سکا کہ یہ کس زنجانی بزرگ سے ہے۔

شاذلیہ ۶۵۶ھ

امام الطریقہ شیخ ابوالحسن شاذلی ۶۵۶ھ عن عبدالسلام ابن مشیش عن عبدالرحمن بن زیات مدنی عن شیخ تقی الدین عن فخر الدین عن ابی الحسن علی عن شیخ تاج الدین عن شیخ شمس الدین عن خواجہ جنید بغدادی

۸۔ نقشبندیہ ۷۹۱ھ

خواجہ بہاء الدین کمخواب بافی اور پھول بوٹے بنانے کا پیشہ کرتے تھے اسلئے لوگ ان کو نقشبند کہتے تھے ان کی نسبت سے یہ خاندان مشہور ہوا ہے

امام الطریقہ خواجہ بہاؤالدین نقشبند ۷۹۱ھ عن امیر سید کلال حسین عن شیخ محمد بابا سماسی عن علی رامیتنی عن شیخ ابوالمحمود غزنوی عن خواجہ عارف ریوگری عن خواجہ عبدالخالق غجدوانی عن شیخ یوسف ہمدانی عن شیخ ابوعلی فارمدی عن امام ابی القاسم قشیری (باقی غزنیہ میں دیکھو)

دیگر

شیخ ابو علی فارمیدی عن خواجہ ابی القاسم گرگانی عن شیخ ابی الحسن خرقانی عن خواجہ بایزید بسطامی عن امام جعفر صادق عن امام قاسم بن محمد عن حضرت سلمان فارسی صحابی

سلسلہ نقشبندیہ کی کئی شاخیں ہیں ایک شاخ یعنی مجددیہ بہت زیادہ مشہور ہے۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی سے ہے

مجددیہ ۱۰۳۴ھ

امام الطریقہ شیخ احمد مجدد الف ثانی ۱۰۳۴ھ عن خواجہ باقی باللہ عن خواجہ کلنکی عن خواجہ درویش محمد عن شیخ زاہد محمد وخشی عن خواجہ عبداللہ احرار عن مولینا یعقوب چرخی عن علاؤ الدین عطار عن خواجہ بہاؤ الدین نقشبند

خاندان نقشبند کے متعلق شاہ عبد العزیز نے لکھا ہے۔

"بزرگان نقشبندیہ قواعد سلوک راخوب درست کردہ اند"

سرمد کی ایک رباعی مشہور ہے

سرمد غم عشق درمندان دانند	نے خودستان وخود پسنداں دانند
از نقش نوان بسوئے نقاش شدن	این نقش غریب نقشبنداں دانند

مولینا خواجہ عبد الرحمن جامی فرماتے ہیں

نقشبندان عجب قافلہ سالاراند	کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را
حاسدے کو زند ایں طائفہ را طعن قصور	حاشاللہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را
ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند	روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

مجدد صاحب کو تمام خاندانوں میں مختلف بزرگوں سے اجازت تھی

مداریہ ۸۴۰ھ

اولیاء اللہ کے مراتب میں قطب المدار ایک مرتبہ ہے سید بدیع الدین شاہ مدار اسی مرتبہ کے بزرگ تھے انکی نسبت سے یہ سلسلہ مداریہ مشہور ہے

امام الطریقہ سید بدیع الدین شاہ مدار ۸۴۰ھ عن شیخ ابو ربیع مقدس عن شیخ عبداللہ مکی عن شیخ یمین الدین شامی عن خواجہ جنید بغدادی

دیگر

شاہ مدار عن سید اشرف جہانگیر سمنانی عن جہانیاں جہاں گشت۔ شہزادہ داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں شاہ مدار کا سلسلہ شیخ طیفور شامی کے ذریعہ رسولِ اکرم تک لکھا ہے اور لکھا ہے کہ اسطرح صرف پانچ چھ واسطے درمیان میں ہیں حالانکہ یہ مدات بہت طویل ہے گویا (۸۰۰) برس میں چھ آدمی ہوئے ہیں بظاہر یہ صورت صحیح نہیں معلوم ہوتی اگر نسبت اویسیہ سے اس کو تسلیم کیا جائے تو مضائقہ نہیں ہم نے شاہ مدار کے غیر مخدوش سلسلے لکھ دیئے ہیں۔

سنوسیہ ۱۲۵۶ھ ہجری

امام الطریقہ سید احمد الشریف السنوسی (متوفی غالباً ۱۲۵۶ھ ہجری) عن سید اعصری عن سید احمد ازلیفی عن سید ابن السنوسی عن سید احمد بن ادلیس عن سید عبدالوہاب التازی عن سید عبدالعزیز الرباع عن احمد الخضر عن خواجہ بایزید بسطامی

اس سلسلہ میں اسمائے مشائخ کم ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سلسلہ اکثر مشائخ سے نسبتِ اویسی سے قائم ہے۔

نیز شیخ سنوسی ۱۲۵۶ھ کو تمام سلاسل میں اجازت تھی۔ سنوسیہ سلسلہ اہل الطریقہ کا ہے احمد الخضر غالباً سید خضر رومی ہیں جو خلیفہ تھے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے۔
خضر رومی کا ایک سلسلہ اس طرح بھی مذکور ہے خضر رومی عن شیخ عبدالعزیز مکی صوفی عن عبداللہ علمبردار صحابی۔ خضر رومی کی ولادت اوائلِ صدی پنجم ہجری میں ہوئی اسلئے صحابی سے سلسلہ ملنا بجز صوری ممکن نہیں نسبت اویسیہ سے تسلیم کیا جا سکتا ہے اور عبداللہ علمبردار کی صحابیت بھی کسی حدیث یا اسماء الرجال سے ثابت نہیں بعض تصوف کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عبداللہ علمبردار کی عمر چھ سات سو برس کی ہوئی لیکن از روئے تنقید یہ بات صحیح ثابت نہیں ہوتی۔ خضر رومی کی وفات ۵۵۰ھ میں ہوئی

حیدریہ

شیخ حیدر زادہ یہ ایک بزرگ ساتویں صدی ہجری کے عشرہ دوئم میں تھے ان سے ایک مرتبہ یہ کرامت سرزد ہوئی کہ انھوں نے ایک تلوار کو توڑ کر اپنی گردن میں ڈال لیا گویا لوہا موم ہو گیا مجھے یہ تحقیق نہیں ہو سکا کہ شیخ حیدر کس سلسلے کے

بزرگ تھے اس سلسلہ کے لوگوں نے لوہے کے طوق پہننے شروع کر دیئے شیخ ابن بطوطہ سیاح نے جو انیسویں صدی عیسوی کے ربع اول میں ہندوستان میں تھا لکھا ہے کہ اس سلسلہ کے فقیر لوہے کے طوق اور بیڑیاں پہنتے ہیں ہندو فقیروں کا ایک گروہ اسی طرح لوہا پہنتا ہے۔ اہل دکن اسکوستانول کہتے ہیں رومن کیتھلک پادری کمر میں اسے باندھتے ہیں معلوم نہیں کہ ان فقیروں نے کفار کی مشابہت کیوں اختیار کی۔

سدا سہاگ [۵۳]

یہ سلسلہ شیخ موسیٰ سہاگ کی طرف منسوب ہے انکو موسیٰ شاہ بھی کہتے ہیں ان کے دو طریق ہیں

۱۔ موسیٰ سہاگ عن شاہ سکندر عن شاہ جیولال قلندر عن شاہ جمال مجرد عن شاہ ابراہیم گرم سیل عن شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ

۲۔ شاہ جمال مجرد عن سید جلال الدین منیر شاہ میر سرخ بخاری عن شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی عن شیخ شہاب الدین سہروردی عن شیخ ابی النجیب سہروردی

بعض بزرگوں کے سلسلے کسی خاص خصوصیت کی وجہ سے کسی خاص لقب سے ملقب ہو گئے تھے مثلاً ایک محدث شیخ حمید تھے ان کا لمبا قد تھا وہ حمید طویل مشہور ہوئے ایک محدث لومڑی کی کھال پہنا کرتے تھے عربی میں لومڑی کو ثعلب کہتے ہیں اسلئے ثعلبی مشہور تھے جسطرح اس سلسلہ میں شاہ جمال مجرد اسلئے مشہور ہوئے کہ وہ مرتبہ تجرد پر فائز تھے لوگوں نے یہ مطلب نکالا کہ انہوں نے نکاح نہیں کیا تھا اسلئے مجرد مشہور تھے اس وجہ سے اس سلسلہ کے بعض فقراء نکاح نہیں کرتے اور ترک سنت کر کے گنہگار ہوتے ہیں دوسرے سید جلال الدین منیر شاہ [۶۹] چونکہ نہایت حسین جمیل سرخ سفید رنگ کے آدمی تھے لہٰذا میر سرخ مشہور تھے اس سلسلہ والوں نے اس سے یہ مطلب لیا کہ وہ سرخ لباس پہنتے تھے سلطان علاؤالدین خلجی کے عہد میں ایک عالم تھے مولینا حسام الدین یہ بھی چونکہ سرخ سفید رنگ کے آدمی تھے لہٰذا یہ بھی سرخ مشہور تھے اگر یہ لقب لباس کی وجہ سے ہوتا تو یہ مولینا بھی سرخ لباس پہنتے حالانکہ علماء سرخ لباس نہیں پہنتے موسیٰ سہاگ [۵۳] میں احمد آباد گجرات میں فوت ہوئے

[۱] تذکرہ اولیائے ہند حصہ سوم

ایک صاحب جو پرگنہ رام پور کے باشندے تھے الہٰ زل نے بیان کیا کہ ہمارے اجداد میں ایک شخص موسیٰ بن منصور تھے جو اپنے وطن سہاگ پور کی نسبت سے موسیٰ سہاگ مشہور ہو گئے تھے اور سہروردیہ خاندان میں مرید تھے ان کے سلسلہ کے لوگوں نے سہاگ کی رعایت سے زنانہ وضع اختیار کر لی تھی سندھ فقراء کا ایک گروہ ہے جو زیور وغیرہ پہنتا ہے۔ انکو دکھن میں ریوشمار موسیٰ کہتے ہیں ڈاڑھی مونچھ وغیرہ کا صفایا سندھ اور بدھ فقراء کرتے ہیں۔

اب مجرد سرخ اور سہاگ ان تینوں لفظوں کی رعایت سے اس سلسلہ کے لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ نکاح نہیں کرتے زنانہ لباس پہنتے ہیں اور چوڑیاں وغیرہ پہنتے ہیں ان سب کا لازمہ داڑھی مونچھ کا صفایا ہے بعض حیار ابروؤں کا صفایا کرتے ہیں اس طرح امورِ خلافِ شرع و خلافِ طریقت کے مرتکب ہوتے ہیں بعض بزرگ اپنے وطن کے نام پر مشہور ہوئے ہیں سید خواجہ محمد مقیم محکم الدین ۱۰۵۵ھ حجرہ کے لقب سے مشہور تھے کیونکہ موضع حجرہ کے رہنے والے تھے شیخ فتح اللہ شہیر بہ سنبھلی خلیفہ خواجہ سلیم چشتی ۹۹۶ھ تربت سرائے سنبھل کے باشندے تھے یہ تربتی کر کے مشہور تھے اسی طرح فتح خاں بن سید محمود بادیہ اپنے وطن بادیہ کے نام سے مشہور تھے۔

رسول شاہی ۱۱۷۲ھ

رسول شاہ کا نام عبد الرسول تھا موضع بہاولپور (نزد الور) کا باشندہ تھا الور میں بساط خانہ کی دکان کرتا تھا ۱۱۷۱ھ میں دکان میں خسارہ آیا اس صدمہ سے عبد الرسول کو جنون ہو گیا داڑھی مونچھ سر منڈا دیا اور بڑ ہانکتا پھرا کرتا تھا نشے نے بھنگ وغیرہ کا عادی کر دیا تھا ایک مولوی محمد حنیف تھے وہ مجذوب سمجھ کر معتقد ہو گئے انہوں نے تصوف کا رنگ چڑھانا شروع کر دیا۔ اور ایک شجرہ طریقت مرتب کر لیا رسول شاہ عن شیخ داؤد عن حبیب اللہ عن شیخ اسماعیل عن مرتضیٰ آفند عن سید عبد الرزاق عن شیخ اللہ داد عارف عن شاہ بندگی عن شاہ بجن گوشہ نشین عن شاہ محمد گوشہ نشین عن خواجہ اسحاق عن خواجہ داؤد قریشی عن شاہ داجن قتال عن شیخ بہاؤ الدین عن شیخ شہاب الدین سہروردی

اگر اس شجرہ کے بزرگوں کے سوانح کی جانچ کی جائے تو غالباً کچھ بھی ثابت نہ ہو سکے گا رسول شاہ کے پاس جو شخص مرید ہونے آتا تھا اس کو فاقہ کرایا جاتا تھا پھر اس کو سب سے پہلے بھنگ پلائی جاتی تھی[1] اس قسم کے فقیر تمام امور خلاف شرع کرتے ہیں ڈاڑھی مونچھ منڈواتے ہیں اور شراب بھنگ چرس وغیرہ پیتے ہیں تارکِ صوم و صلوٰۃ ہیں اس سلسلہ کے فقیروں کو عام طور محبندر کہتے ہیں انکے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا ہے[2]

"ذکر فقراء رسول شاہی وغیرہ بیان آمد فرمود از ایشان ملاقات نہ باید کرد بسیار کدورت حاصل میشود بلکہ ملاقات از ہنود و دنیا داران چنداں مکدر نیست"

غوث علی شاہ قلندر پانی پتی کا قول ہے[3]

بعض فرقے تو ایسے شروع ہوئے جو بالکل شرع کے خلاف تھے مثلاً رسول شاہی۔ رسول شاہ کے بعد انکے معتقدین نے حنیف شاہ کو سجادہ نشین بنایا۔ اس کے بعد فدا حسین کو اسکے بعد توکل حسین کو اس کو توکل حسین معتقد بھی کہتے تھے سنہ ۱۲۶۲ھ ہجری میں توکل حسین کے مرنے پر رنگ علی شاہ سجادہ نشین ہوا آگے سلسلے کو میں نے تحقیق نہیں کیا

چوکہ شاہی سنہ ۱۰۴۹ھ

شاہ چوکہ عن نظام الدین نارنولی عن شیخ خانون عن شیخ حسین ناگوری عن اسمٰعیل د اسماعیل کے بعد رسول شاہی میں دیکھو اس سلسلہ کو نظام شاہی بھی کہتے ہیں

لعل شہبازیہ سنہ ۷۱۲ھ

سید لعل شہباز عن خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی عن شیخ شہاب الدین سہروردی۔

جبلی سنہ ۱۰۰۰ھ

کرم علی جبلی عن شیخ محمد کشمیری یہ فقیر کوڑا پاس رکھتے ہیں اور اپنے بدن پر مار مار کر دریوزہ گری کرتے ہیں حیدرآباد دکن میں ہندو فقیروں کا ایک گروہ ہے وہ بعینہ یہی ہے وہاں انکو (اندلاما) کہتے ہیں

قاسم شاہی سنہ ۱۰۵۳ھ

حاجی قاسم عن شیخ محمد کشمیری عن شیخ یعقوب صوفی کشمیری عن شیخ سلیم چشتی

[1] قاموس المشاہیر وغیرہ [2] ملفوظات [3] موج کوثر

اس سلسلہ کے فقیر پیروں میں گھونگرو پہنتے ہیں اور دھمال کھیلتے ہیں (پیروں میں گھونگرو پہن کر کودتے ہیں اور دھمال کھیلتے ہیں)

محمود شاہی ۱۰۵۱ھ

سید شاہ محمود نورنگ بن شاہ محمد بن سید عثمان جھولا یہ سہروردیہ سلسلہ کے شیوخ میں سے تھے بعض نے قادری لکھا ہے ۱۰۵۱ھ میں وفات پائی پنجاب میں جس مقام پر مدفون ہیں وہاں ایک موضع آباد ہے اس کا نام محمود بولی ہے اس سلسلہ کے فقراء کمر میں مونج کی رسی باندھتے ہیں رد من کیمخلک بلکہ آزادی بھی کمر میں رسی باندھتے ہیں۔

جھولا شاہی ۹۱۲ھ

یہ سلسلہ شاہ عثمان جھولا بخاری سے ہے ان کا مزار قلعہ لاہور کے اندر ہے یہ پنج پیر مشہور رہیں۔

مادھولال حسین ۱۰۵۶ھ

شیخ مادھو عن شیخ حسین لاہوری عن شیخ بہلول دریائی عن شیخ لطف اللہ عن شیخ نصیر الدین قریشی سہروردی

دولا شاہی ۱۰۷۵ھ

شاہ دولا عن سید فاخر عن لونگا شاہ کبیر عن شیخ صدر الدین عن شیخ رکن الدین ابی الفتح ملتانی عن شیخ صدر الدین عارف عن شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی - اس سلسلہ کے فقیر پیشانی پر الف لکھتے ہیں اور الف اللہ والے کہلاتے ہیں جب یہ لوگ آپس میں ملتے ہیں تو وہ بجائے سلام کے کہتا ہے عشق اللہ دوسرا جواب میں کہتا ہے سدا عشق۔ بعض یاد اللہ بھی کہتے ہیں

خضری ۹۹۴ھ

شیخ خضر سیوستانی عن شاہ سکندر عن خواجہ جانی عن سید علی عن شیخ جمال مجرد عن شہباز عن ابی اسحاق عن شیخ مرتضیٰ سبحانی عن شیخ احمد بن مبارک عن حضرت غوث الاعظم۔

جلالیہ

اس فرقہ کی بنیاد چھٹی صدی ہجری میں یا اسکے کچھ بعد اس طرح قائم ہوئی کہ منصور جس کو حلاج کہتے ہیں نرمطی اور حلولی ہونے کے جرم میں قتل کیا گیا اسکے بعد اسکے مریدوں نے اپنے عقائد کے موافق حلاجیہ فرقہ قائم کیا شیخ فرید الدین عطار تذکرۃ الاولیاء میں اسی گروہ کے متعلق لکھتے ہیں

بغداد میں ایک جماعت زندیقوں کی ہے ان کے خیال میں حلول و اتحاد ہے وہ اپنے آپ کو حلاجی کہتے ہیں اور اپنی نسبت منصور کی طرف رکھتے ہیں

صاحب کتاب مشاہیرِ اسلام لکھتے ہیں سلہ

ان کے مریدوں نے ان کے قتل کے بعد طرح طرح کے خیالات وضع کرنے شروع کر دیے اور زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ان کے معتقدوں میں ایک گروہ پیدا ہو گیا جو زندیق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یہ گروہ اکثر باتیں اسلام کے خلاف کرتا ہے حلول و اتحاد کے قائل ہیں

نوربخشی سنہ

کشمیر لداخ تبت بلتستان میں ایک فرقہ ہے جو نوربخش کہلاتا ہے لداخ میں ان کا شمار چالیس ہزار ہے یہ لوگ سید نوربخش کو امام مہدی مانتے ہیں ان کے عقائد و اعمال شیعوں سے بہت ملتے ہیں احوطہ نام ایک کتاب انکی مذھبی کتاب ہے اس میں مسئلہ اتحاد و حلول وغیرہ کی تعلیم ہے اور ایسے سنجیدہ اقوال و مسائل ہیں جن کا سمجھنا بہت مشکل ہے اس فرقہ کے متعلق لکھا ہے

ایک شخص سید شمس الدین شیعی ساکن عراق تھا وہ خراسان آیا اور تقیہ کر کے اہل سنت و جماعت بنا رہا آدمی قابل تھا اس نے بہت جلد سلطان حسین مرزا والیِ خراسان کے دربار میں رسائی حاصل کر لی سلطان نے اسکو سفیر بنا کر کشمیر بھیجا حسن شاہ بادشاہِ کشمیر کی علالت کی وجہ سے یہ سفارت ناکام واپس گئی حسن شاہ کا انتقال ہو گیا اور اس کا خوردسال بیٹا محمد شاہ تخت نشین ہو گیا حکومت امراء کے ہاتھوں میں رہی میر شمس جب ناکام خراسان پہونچا تو سلطان حسین کو کسی طرح معلوم ہو گیا کہ میر شمس نے تقیہ کر رکھا ہے اور وہ شیعہ ہے سلطان نے اس کو اپنے ممالکِ محروسہ سے نکل جانے کا حکم دیا میر شمس وہاں سے کشمیر

آگیا یہاں آکر ظاہر کیا کہ میں شاہ قاسم النور ابن سید نور بخش کا خلیفہ ہوں سید نور بخش سے اہل کشمیر کو خاص عقیدت تھی اسلیئے سب اسکے گرد بدنا ہو گئے سلسلہ ہمدانیہ کے ایک بزرگ بابا اسماعیل کشمیر میں تھے میر شمس نے انکے ہاتھ پر تجدید بیعت کی اسطرح کشمیر میں اسکا وقار اور بھی قائم ہوگیا بابا اسماعیل وفات پا گئے ان کا ایک مرید بابا علی نجار ریاضت و مجاہدات کی وجہ سے مرجع خاص و عام ہوگیا بابا علی ناخواندہ آدمی تھا شمس نے اس سے ربط و ضبط بڑھایا اور رفتہ رفتہ اپنے خیال پھیلانا شروع کیا شمس نے ایک کتاب (احوطہ) نام لکھ کر ایک درخت کے تنے میں چھپا دی اور ایک سال بعد لوگوں سے کہا کہ مجھے خواب میں سید نور بخش نے کہا ہے کہ درخت کو کاٹ کر دیکھو اسمیں میرے عقائد کی کتاب ہے اس پر عمل ہونا چاہیئے درخت کاٹ کر کتاب نکالی گئی اس کے موافق لوگوں کے عقائد و اعمال مقرر کیئے گئے اور یہ فرقہ نور بخشی مشہور ہوا کشمیر کے ایک بڑے قبیلہ چک کے لوگ شیعہ تھے ان کا بیان ہے کہ میر شمس شیعہ تھا لیکن کتاب احوطہ اسکی تصنیف نہیں ہے کسی گمراہ ملحد کی ہے بعض مصنفین نے ان عقائد کی اشاعت میں سید نور بخش کو شامل کیا ہے لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ سید نور بخش ایک مستند بزرگ کے خلیفہ اور صاحب علم تھے اس کے علاوہ وہ ۸۶۹ھ میں وفات پا چکے تھے اور یہ واقعہ انکی وفات کے کم بیش پچیس برس بعد کا ہے بعض مصنفین نے انکے فرزند شاہ قاسم النور کو ملوث کیا ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ شیعی مجتہد قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ بعض لوگ سید نور بخش کو امام مہدی کہتے تھے تو انکے بیٹے قاسم لوگوں کو کہتے تھے کہ تم بدنام کرتے ہو اسکے علاوہ صاحب تاریخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ میں بدخشاں میں مشائخ نور بخشیہ سے ملا ہوں اور وہ میرے ہم درس رہے ہیں سب شریعتِ ظاہری سے آراستہ اور سنن نبوی سے پیراستہ تھے اور اہل السنت والجماعت سے متفق تھے اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سید نور بخش کے کچھ حالات دیئے جائیں

۷۶۳ھ ہجری میں کشمیر میں سلطان شہاب الدین بادشاہِ حکمران تھا اسی زمانہ میں حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی تشریف لائے سلطان اور اہل کشمیر کو حضرت

سے عقیدت ہوگئی حضرت کے دست حق پرست پر بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کیا اور ان کے صاحبزادے حضرت سید محمد صاحب کے ہاتھ پر تو ایک ان میں اسقدر لوگ مشرف باسلام ہوئے جسکی نظر تاریخ اسلام میں نہیں ملتی یعنی کم و بیش بارہ ہزار آدمیوں نے اسلام قبول کیا اس وجہ سے اہل کشمیر کو اس سلسلہ سے خاص عقیدت تھی اور آجتک انکی عقیدت قائم ہے

سید نوربخش

خلیج فارس کے مغربی ساحل پر الاحساء نام ایک علاقہ ہے اسکے دارالحکومت کا نام بھی الاحساء تھا محمد بن عبداللہ جنکا سلسلۂ نسب سترہ واسطوں سے امام موسیٰ کاظم تک پہونچتا ہے قطیف میں پیدا ہوئے عبداللہ کے بیٹے محمد تھے ان کے بیٹے نوربخش تھے محمد بن عبداللہ نے شہر کابل (علاقہ کوہستان) میں سکونت اختیار کی یہیں نوربخش سنہ ۷۹۵ھ میں پیدا ہوئے انکا نام بھی محمد رکھا گیا بعد تحصیل علم خواجہ اسحاق ختلانی خلیفہ سید علی ہمدانی کے مرید ہوئے انکے ریاضات و مجاہدات سے خوش ہو کر انہوں نے نوربخش خطاب دیا سید نوربخش شاعر بھی تھے بعض غزلوں میں نوربخش تخلص لائے ہیں بعض میں الاحسا کی رعایت کی ہے خواجہ اسحاق نے سنہ ۸۲۶ھ میں سید نوربخش کو خلافت عطا کی حکام کے مظالم چیرہ دستی اور خلاف شرع عمل درآمد دیکھ کر خواجہ اسحاق نے ختلان میں شرعی حکومت قائم کرنی چاہیے یہ علاقہ مرزا شاہرخ بن تیمور کے زیر حکومت تھا اور اسکی طرف سے بایزید گورنر تھا گورنر نے دونوں بزرگوں کو گرفتار کرکے مرزا شاہرخ کو اطلاع دی بادشاہ نے حکم دیا کہ قیدی جس جگہ بھی قاعدہ کر ملیں وہیں قتل کر دیئے جائیں لیکن مولینا حکم الدین کی سفارش پر قتل کا حکم فسخ کرکے انکو ہرات طلب کیا گیا اور یہاں حصار اختیار الدین کے چاہ سیاہ میں قید کر دیا گیا پچیس برس تک۔ بعد انکو بہبہان (مضافات خوزستان) میں بھیجدیا گیا کچھ عرصہ کے بعد ابراہیم والی شیراز نے انکو رہا کر دیا یہاں سے وہ کردستان آگئے بہت لوگ انکے مرید ہوئے اور انکا سکہ و خطبہ جاری کر دیا گیا جب یہ مرزا شاہرخ کو خبر ہوئی تو انکو پھر گرفتار کرا لیا یہ کسی طرح بھاگ کر خلخال پہونچ گئے حاکم خلخال نے انکو گرفتار کرکے مرزا شاہرخ کے پاس بھیج دیا یہ پھر چاہ سیاہ میں قید کر دیئے گئے (۵۳) دن کے بعد پھر ہرات

پہونچ گئے آخر انکو مجبور کیا گیا کہ دعوی خلافت سے توبہ کریں انہوں نے توبہ کی سنہ ۸۱۹ھ
میں رہا کر دیے گئے اور انکو اجازت دیدی گئی کہ علوم رسمی کا درس دیا کریں لیکن سیاہ
دستار جو علما کیلیے مخصوص تھی، نہ باندھیں اور عام لوگوں کو جمع نہ کریں کچھ عرصے کے
بعد مرزا شاہرخ کو پھر ان سے خطرہ پیدا ہوا لہذا پھر ان کو گرفتار کرا کے تبریز بھیج دیا
اور حکم دیا کہ والئی تبریز انکو روم پہونچا دے لیکن تبریز پہونچ کر یہ رہا کر دیے گئے یہ
وہاں سے شیروان ہوتے ہوئے گیلان پہونچے ۸۵۰ھ میں مرزا شاہرخ نے وفات
پائی پھر ان سے کسی نے تعرض نہ کیا سید نور بخش نے رے میں سکونت اختیار کی
یہاں انکے بہت سے مرید جمع ہو گئے اور علیحدہ ایک گاؤں آباد کیا گیا ۸۶۹ھ میں سید
نور بخش نے وفات پائی ایک کتاب سلسلۃ الذہب نام انکی تصنیف سے مشہور ہے
انکے دو بیٹے تھے ایک سید جعفر دوسرے سید قاسم الفیض بخش سید
جعفر عربستان چلے گئے اور وہیں عبادت الہی میں عمر بسر کر دی سید قاسم، انکے باپ
کے جانشین ہوئے سلطان حسین والئی ہرات ۸۷۸ھ میں انکا معتقد ہو گیا اور شہزادہ
بھی انکا مرید ہو گیا ۹۰۶ھ میں شاہ اسمعیل صفوی نے جب تخت ایران پر قبضہ کیا ان کو
جاگیر دی شاہ قاسم کے ایک بیٹے کا نام بہاؤ الدولہ تھا

شجرہ نسب خاندان نوربخشیہ

- نوربخش
  - سید جعفر
  - سید قاسم
    - بہاؤ الدولہ
    - شمس الدین
      - نقی الدین
      - قوام الدین
        - قاسم
          - سید محمد

قوام الدین نے ایک قلعہ بنوایا اور اسمیں اپنے بہت سے مریدوں کو جمع کیا شاہ
طہماسپ صفوی والئی ایران نے ۹۳۰ھ کو انسے خطرہ ہوا اس زمانہ میں قوام الدین نے
ایک شاعر کو قتل کر دیا تھا طہماسپ نے اسی جرم میں انکو گرفتار کر کے قزوین میں قید کر دیا آخر
اسی قید میں انتقال کیا۔

سید نور بخش کے ایک مرید اور خلیفہ شیخ شمس الدین محمد جیلانی لاہجی المتخلص اسیری تھے انہوں نے کتاب گلشن راز کی شرح لکھی تھی

عارف شاہی

ایک گروہ فقراء کا عارف شاہی مشہور ہے سید عارف شاہ کے بعد اس گروہ کے سلسلہ کا پتہ نہیں چلتا۔ اسی گروہ کے متعلق شہزادہ احمد اختر چشتی نبیرہ بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی لکھتے ہیں

ایک گروہ عارف شاہی مشہور ہے اس گروہ میں بہت لوگ شامل ہیں یہ فقیر ضلع میرٹھ، مظفر نگر اور بجنور میں بکثرت ہیں کہتے ہیں کہ سید عارف شاہ اثنا عشری موضع سہنسپور ضلع بجنور کے ساکن تھے انہوں نے پہلے نو مسلمان جوگیوں کی اصلاح کی بعد میں اور لوگ بھی شامل ہو گئے مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ عارف شاہ کو خرقہ درویشی کس خاندان سے پہونچا اور کہ تک پہونچا یا کس فقیر کے قائل ہو رہے تھے جو بھی فقیر اس گروہ کے ملتے ہیں اگلے لاعلمی ظاہر کرتے ہیں ان کی قبر درگاہ شلی جی نواح دہلی میں ہے وہاں کے لوگ اسے چٹے مٹے والے کی درگاہ کہتے ہیں۔[1]

عارف شاہ کی قبر پختہ ہے جس پر گنبد بنا ہوا ہے اور احاطہ بھی سہنسپور میں بھی ان کی قبر ہے وہاں عرس بھی ہوتا ہے سجادہ اور خدام دہلی سے آتے ہیں جائیداد بھی وقف ہے سہنسپور راقم سطور کے وطن سے چند میل پر ہے چونکہ وہاں خاندان قاضیان میں میرے عزیز ہیں اسلئے بچپن سے میرا وہاں آنا جانا ہے میں بارہا عرس میں گیا ہوں۔ اور عارف شاہی فقیروں اور ان کے سجادوں سے ملا ہوں سجادہ نشین کا مذہب شیعہ ہے فقراء کے بھی اکثر عقائد یہی ہیں یہ فقیر، نماز روزہ وغیرہ تمام احکامات شرعی کے تارک ہیں اور ناخواندہ ہیں صورت، سیرت میں خلاف شرع ہیں قوالی ناچ رنگ اور گانا بجانا انکے مشاغل ہیں۔

ستھرہ شاہی

یہ فقیروں کا ایک گروہ ہے اس میں مسلمان بھی ہوتے ہیں اور ہندو بھی ستھرا نام ایک شخص گرو نانک کا مرید تھا اس سے یہ سلسلہ چلا یہ لوگ ڈنڈے بجاتے بجا کر گا کر بھیک مانگتے ہیں گرو نانک سکھ مذہب کے پہلے گرو تھے انہوں نے ۱۵۳۸ء میں وفات پائی۔

[1] تذکرۃ الفقراء مصنفہ شاہزادہ احمد اختر چشتی نبیرہ بہادر شاہ صفحہ ۱۷ مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ ۱۳۲۳ھ

بعض نے لکھا ہے کہ وہ مسلمان تھے ہندو کہتے ہیں ہندو تھے ۱۵۳۹ء میں انتقال کیا گرو نانک کے کلام میں توحید بھی ہے اور قرآن مجید اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ کی مدح بھی بابا فریدالدین گنج شکر کی تعریف بھی ہے اسلئے بعض نے لکھا ہے کہ بابا صاحب کے مرید تھے لیکن بابا صاحب اور ان کے درمیان کئی صدیاں ہیں یعنی گرو نانک دسویں صدی ہجری میں ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بابا صاحب سے ان کو عقیدت ہو گی شاید بابا صاحب کے سلسلہ کے کسی درویش کی بیعت کی ہو گی

گرو نانک کا بنایا ہوا یہ ایک معمہ ہے جس سے عدد اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۹۲) نکلتا ہے

ہیو نام سر لیتو کا اور جو گن کر لو دائے

دو گھٹاؤ اور یکا پنج گن کر لو اور بست بھاگ بھاؤ

باقی بچے کو نو گن کر لو اور اس میں دو ملاؤ

گرو نانک یوں کہیں پڑھے میں نام محمد پاؤ

یعنی چیز لاؤ۔ نکال۔ تفریق کرو۔ بست بیس۔ بھاگ تقسیم

یعنی کسی چیز کے نام کے عدد نکالو اسکو چار میں ضرب دو حاصل ضرب میں سے دو کو نکالو تفریق کرو۔ حاصل تفریق کو پانچ میں ضرب دو حاصل ضرب کو بیس سے تقسیم کرو باقی جو بچے اسکو نو میں ضرب دو حاصل ضرب میں دو جمع کرو اسکا حاصل (۹۲) ہوگا

مثال: بیل = ب ۲ + ی ۱۰ + ل ۳۰ = ۴۲ × ۴ = ۱۶۸ - ۲ = ۱۶۶ × ۵ = ۸۳۰ ÷ ۲۰ = ۴۱

باقی ۱۰

باقی ۱۰ × ۹ = ۹۰ + ۲ = ۹۲

دوسری مثال: قلم = ق ۱۰۰ + ل ۳۰ + م ۴۰ = ۱۷۰ × ۴ = ۶۸۰ - ۲ = ۶۷۸ × ۵ = ۳۳۹۰ ÷ ۲۰ = ۱۶۹

باقی ۱۰

باقی ۱۰ × ۹ = ۹۰ + ۲ = ۹۲

نعمت اللہ شاہی ۸۳۴ھ

اس گروہ کے فقیر نعمت اللہ شاہی کہلاتے ہیں لڑکی تاج اوڑھتے ہیں یہ سلسلہ حضرت نعمت اللہ ولی کا ہے

سید شاہی ۹۴۲ھ

سید محمد حضوری امام موسے کاظم کی نسل سے تھے اصل وطن غور تھا لاہور میں آکر مقیم ہوئے اپنے باپ کے مرید تھے شرف الدین العارفین انکا نام تھا ان کا گروہ سید شاہی مشہور ہے سلسلۂ نسب اسطرح ہے شرف الدین عن سید یعقوب عن سید عبداللہ علی عن سید علی عن سید احمد عن سید اصغر عن شاہ ابی الفرح عن سید عبدالوہاب عن حضرت غوث الاعظم

جو سلسلے جس جس ملک میں زیادہ مشہور و مقبول ہیں انکی فہرست حسب ذیل ہے

سلسلہ	ملک
چشتیہ	ہندوستان
قادریہ	عرب، ہند و عراق
نقشبندیہ	عرب ہند، ماوراء النہر، افغانستان
سہروردیہ	توران و ہندوستان
ہمدانیہ	کشمیر
شاذلیہ	مصر و سوڈان
بدویہ	عرب
شطاریہ	ہندوستان
رفاعیہ	حیدرآباد دکن
مالنگیہ قلندریہ	ہندوستان

باقی سلاسل متفرق طور پر مختلف ممالک میں ہیں حضرت شاہ عبدالغنی دہلوی مہاجر مدنی و حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کیوجہ سے تمام سلاسل تمام ممالک میں پہونچ گئے کیونکہ ان دونوں بزرگوں کے معتقدین سے شاید ہی کوئی خطۂ دنیا خالی رہا ہو۔

سلسلۃ الذہب

جس طرح حضرات محدثین نے سلسلہ روایت حدیث کے ایک سلسلہ کا نام سلسلۃ الذہب قرار دیا ہے اسی طرح اہل تصوف میں بھی ہے مجھے یہ تحقیق نہیں ہو سکا کہ اس خطاب کی ابتدا کس بزرگ نے کی بعض بزرگوں نے سلسلہ قادریہ قمیصیہ کو سلسلۃ الذہب کہا ہے بعض نے سلسلۂ کرخیہ کو قرار دیا ہے سلسلہ کرخیہ حضرت معروف کرخی ؒ کی نسبت سے مشہور ہوا

کرخیہ ؒ

شیخ معروف کرخی ؒ عن امام علی رضا عن امام موسیٰ کاظم عن امام جعفر صادق عن امام محمد باقر عن امام زین العابدین عن امام حسین شہید کربلا عن حضرت علی اس کا نام سلسلۃ الذہب رکھنے کی وجہ یہ قرار دی گئی ہے کہ ان سلاسل میں سادات عظام اور ائمہ اہلبیت کی تعداد زیادہ ہے چونکہ بزرگان متقدمین میں سے ایک ایک بزرگ نے بہت سے بزرگوں سے فیض حاصل کیا ہے یہانتک کہ بعض اولیاء اللہ کے مشائخ کی تعداد سو تک پہنچی ہے اسلئے ایک ہی سلسلہ سے بیسیوں طریقوں سے سلسلۂ الذہب مرتب ہو سکتا ہے جنکی صحت میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ائمہ اہلبیت اور سادات عظام کی وجہ سے سلسلۃ الذہب قرار دیا گیا ہے راقم سطور کے والد صاحب نے ایک سلسلہ مرتب کر کے اپنی کتاب مصباح العرفان میں لکھا ہے جو اس لقب کا زیادہ مستحق ہے۔

مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری عن سید احمد عن سید جلال الدین عن سید علی عن سید محمود عن سید محمود عن سید احمد عن سید عبداللہ عن سید علی عن سید مرتضیٰ جعفر زکی عن امام محمد تقی عن امام محمد تقی عن علی رضا آگے سلسلہ کرخیہ دیکھو

اعظم السلاسل

راقم السطور کے والد نے ایک نہایت صحیح سلسلہ حضرت امام اعظم کی نسبت سے مرتب کیا تھا اسکا نام اعظم السلاسل ہے

شیخ احمد مجدد الف ثانی عن شیخ عبدالاحد عن شیخ رکن الدین عن خواجہ عبدالقدوس گنگوہی عن شیخ درویش محمد عن سید بڈھن بہرائچی عن سید اجمل عن شیخ بدیع الدین شاہ

ہدانی عن مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی عن خواجہ بہاؤ الدین نقشبند عن شیخ سلطان الدین عن شیخ احمد مولینا عن باباکمال جندی عن سید نجم الدین کبریٰ عن شیخ ابو النجیب سہروردی عن حضرت غوث الاعظم عن شیخ احمد اسود دینوری عن شیخ ممشاد علو دینوری عن شیخ ابو العباس نہاوندی عن شیخ عبد اللہ محمد بن حنیف عن شیخ ابو احمد حسن الخراص عن خواجہ جنید بغدادی عن شیخ ابی سعید الخراز عن شیخ بشر حافی عن شیخ ابی رجاء العطاء عن خواجہ فضیل بن عیاض عن امام اعظم عن امام جعفر صادق عن امام محمد باقر عن امام زین العابدین عن امام حسین شہید کربلا عن امام حسن عن حضرت علی عن حضرت عثمان عن حضرت عمر عن حضرت ابی بکر عن حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

زنجانیہ

میرے خاندان میں بھی سلسلہ طریقت جاری رہا ہے جو جہانگیر بادشاہ کے عہد میں عبد الشہید کی وفات کے بعد مسدود ہو گیا اور ایک صورت سے اب تک جاری بھی ہے کیونکہ قاضی صاحب پیر صحبت تھے خواجہ نظام الدین بلخی کے (خواجہ نظام الدین بلخی کا سلسلہ اسطرح ہے خواجہ نظام الدین عن خواجہ جلال الدین کبیر الاولیاء عن شیخ شمس الدین ترک عن خواجہ علاؤ الدین صابر آگے سلسلہ چشتیہ صابریہ دیکھیں) خواجہ نظام الدین سے آگے یہ سلسلہ اس طرح ہے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی عن شیخ عبد الباری عن شیخ عبد الہادی عن شیخ عضد الدین عن شاہ محمد مکی عن شاہ محمدی عن شیخ محب اللہ الہ آبادی عن شیخ ابی سعید گنگوہی عن خواجہ نظام الدین بلخی) حضرت حاجی امداد اللہ کو چشتیہ، صابریہ، نظامیہ، مداریہ، قلندریہ، سلامتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ وغیرہ وغیرہ تمام سلاسل پہونچے ہیں جنکی تفصیل شاہ ولی اللہ کی تصانیف و حاجی صاحب کی تصنیف ضیاء القلوب و راقم سطور کے والد ماجد کی کتاب مصباح العرفان میں ہے ان جامع سلاسل میں ایک سلسلہ حضرت حاجی صاحب کا یہ ہے حاجی امداد اللہ عن شیخ نور محمد

حاشیہ۔ خواجہ نظام الدین بلخی سے ہندوستان میں بہت سلسلے جاری ہیں ایک مشہور سلسلہ اسطرح ہے مولینا احمد حسن مراد آبادی (مولینا کے صاحب زادگان مولینا محمد حسن صاحب و مولینا مظہر حسن صاحب سے راقم سطور کے والد نے عربی کی تحصیل کی) عن سید امانت عن سید حافظ عن سید اعظم عن پیر سالم عن پیران بھیکہ عن شاہ ابو المعالی عن شیخ داؤد عن شیخ صادق عن شیخ ابی سعید عن خواجہ نظام الدین بلخی۔ میرے رشتے کے بھائی مولوی محمد حسن صاحب طبیب خاص دربار حیدرآباد مولینا احمد حسن کے مرید تھے لیکن مولینا کے بعد یہ میاں انگارہ شاہ کے سلسلے میں داخل ہو گئے گو الیاد میں ان کا مزار ہے وہاں ان کا عرس وغیرہ ہوتا ہے

عن سید احمد شہید عن شاہ عبد العزیز عن شاہ عبد الرحیم عن سید عبد اللہ عن سید آدم بنوری
عن حضرت مجدد الف ثانی عن قاضی عبد الشہید قاضی عبد الشہید سے اوپر یہ میرا خاندانی سلسلہ
کسی نسبت سے موسوم نہیں چونکہ ہندوستان میں میرے بزرگ قاضی حسن زنجانی لاہور
سے تشریف لائے تھے اسلئے میں اس سلسلہ کو زنجانیہ ہی کے نام سے موسوم کر کے
لکھتا ہوں امام قاسم بن محمد بن حضرت ابوبکر صدیق نے خلافت پائی حضرت سلمان فارسی
صحابی اور اپنے نانا امام جعفر صادق سے یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل امام قاسم کی اولاد میں
قاضی عبد الشہید تک قائم رہا۔

قاضی عبد الشہید عن قاضی تاج الدین عن قاضی عبد الرحمن عن قاضی حسن زنجانی
عن محمد عرف شاہ عبد الباری متوکل زنجانی عن شیخ ابی محمد جلال الدین فقیہہ عن شیخ احمد
عن شیخ ابی الوفا اکمل الدین عن شیخ عبد القاہر عن شیخ عبد العلی عن شیخ ابی الفضل عبد الرحیم
عن شیخ عبد الکریم عن شیخ ابی القاسم عن شیخ ابی یوسف عن شیخ ابی المنصور عبد الحکیم
(یہی قاضی) عبد الشہید کا شجرہ نسب ہے) ابی المنصور عبد الحکیم شاگرد اور خلیفہ تھے
امام سعد زنجانی کے امام سعد کا ذکر امام ذہبی ۷۴۸ھ نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ
میں کیا ہے۔ سعد بن علی بن محمد بن الحسین الزنجانی امام سعد شاگرد تھے امام ابی عبد اللہ
محمد بن الفضل بن لطیف الغراء کے اور امام ابو المظفر منصور بن عبد الجبار سمعانی ان
کے شاگرد تھے محدث خطیب بغدادی اگرچہ عمر میں ان سے بڑے تھے مگر انہوں نے
بھی ان سے حدیث حاصل کی امام ذہبی نے ان کے متعلق امام محمد بن طاہر کا قول
نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے زنجانی جیسا نہیں دیکھا انہوں نے
۴۷۱ھ ہجری میں وفات پائی۔

امام سعد نے حدیث میں ایک مسند بھی تصنیف کیا تھا[1]۔ امام سعد نے اپنے
باپ سے خلافت پائی تھی ان کا سلسلہ طریقت یہ ہے سعد عن علی عن محمد عن حسین
عن احمد عن ابی الحسین عن محمد عن احمد عن امام قاسم محمد بن حضرت ابی بکر صدیق
نیز امام قاسم نے خلافت پائی اپنے نانا امام جعفر صادق سے اور حضرت سلمان
فارسی صحابی سے

امام سعد کا سلسلہ نسب بھی امام قاسم تک یہی ہے

[1] تاریخ حدیث مصنفہ عبد الصمد صارم

ابوالمنصور عبدالحکیم اور امام سعد کا سلسلہ نسب احمد بن ابوالطیب میں اس طرح مل جاتا ہے

احمد بن ابوالحسن

حسین	ابی بکر
محمد	ابومحمد
علی	عبداللہ
سعد	عبدالحکیم

عبدالعلی کو عالم رویا میں اپنی طرف سے شیخ اخی فرخ زنجانی نے مجاز طریقت کیا شیخ کا سلسلۂ طریقت یہ ہے

خواجہ اخی فرخ زنجانی عن خواجہ ابی العباس نہاوندی عن شیخ ادیم عن خواجہ جنید بغدادی

قاضی عبدالشہید عربی کے شاعر تھے انہوں دس جلدوں میں قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی لکھی تھی اسکا نام بیان القرآن تھا جب اکبر بادشاہ نے اپنی پیغمبری کا سکہ جمانا چاہا تو اکثر علماء نے مخالفت کی قاضی عبدالشہید نے بھی تقریر کیں بادشاہ نے نصف جاگیر و منصب و نوبت و نشان و نقارہ ضبط کر لیا لیکن انہوں نے اس سلسلہ کو ترک نہ کیا سنہ ۱۰۰۱ھ میں وفات پائی سرحلقۂ چشتیاں خواجہ نظام الدین بلخی نے بھی ان سے فیض حاصل کیا اور یہ انکے پیر صحبت تھے اس طرح سلاسلِ چشتیہ میں بھی انکا فیضان ہے۔

قاضی عبدالشہید کے بعد خاندان میں سلسلۂ طریقت نہیں رہا انکے بعد راقم سطور تک سلسلۂ نسب اس طرح ہے عبدالصمد بن ظہور الحسن بن مولوی محی الدین بن قاضی علی احمد بن قاضی جلال الدین بن قاضی امین الدین بن قاضی غلام علی بن ضیاء الدولہ عماد الملک ثابت جنگ قاضی بدر عالم بن قاضی کمال الدین بن قاضی عبدالشہید

حضرت مولانا سید شاہ احمد حسن محدث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت حافظ عبدالرحمٰن پنجابی مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت شیخ عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت سید عبدالصمد بنگالی رحمۃ اللہ علیہ نے سلاسلِ طریقت میں خاکسار راقم سطور کے والد ماجد کو مجاز طریقت فرمایا ہے

۱ حضرت مولانا سید شاہ احمد حسن محدث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ کو تمام سلاسل

میں اجازت تھی حضرت حاجی امداد اللہ اور شاہ عبد الغنی مہاجر مدنی سے حاجی صاحب کا سلسلہ لکھا جاچکا ہے شاہ عبد الغنی کا سلسلہ اس طرح ہے۔

۱ شاہ عبد الغنی عن شاہ ابی سعید دہلوی عن شاہ عبد اللہ غلام علی عن مرزا مظہر جان جاناں شہید عن شیخ نور محمد بدایونی عن شاہ محمد محسن عن شیخ سیف الدین عن خواجہ محمد معصوم عروۃ الوثقی عن حضرت مجدد الف ثانی

۲ حضرت حافظ عبد الرحمن پنجابی مرادآبادی کو تمام سلاسل میں اجازت تھی حاجی امداد اللہ اور سائیں توکل شاہ انبالوی سے۔

سائیں صاحب کا سلسلہ اس طرح ہے۔ سائیں توکل شاہ عن حاجی قادر بخش عن حاجی محمود جالندھری عن شیخ محمد شریف تھندھاروی عن شاہ ابی سعید دہلوی عن شاہ عبد اللہ غلام علی

۳ شیخ عبد الہادی بخاری مقیم مکہ معظمہ حیدرآباد تشریف لائے تھے انہوں نے حضرت حاجی امداد اللہ کے سلاسل میں والد ماجد سے اجازت چاہی تھی چونکہ بزرگ باوقات اور پابندِ سنت اور رمضر قرآن تھے کئی مہینے سے ان کے پاس مقیم تھے اسلئے انہوں نے انکو اجازت دیدی تھی اور انہوں نے والد صاحب کو سلسلہ چشتیہ نیازیہ میں اجازت دی تھی

سلسلہ چشتیہ نیازیہ

شیخ عبد الہادی بخاری عن مولینا محمد یعقوب مکی عن شاہ نیاز احمد بریلوی عن مولینا فخر الدین دہلوی عن خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی عن شاہ حکیم اللہ جہاں آبادی عن شیخ یحیی مدنی عن شیخ محمد عن شیخ حسین محمد عن شیخ جمال الدین عن شیخ داجن عن شیخ علم الدین عن شیخ سراج الدین عن خواجہ کمال الدین عن شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی۔

شاہ نیاز احمد صاحب کے دو صاحبزادے تھے ایک شاہ نظام الدین صاحب یہ سر پر لمبے بال رکھتے تھے اکثر عورتوں کی طرح بالوں کا جوڑا باندھتے تھے گانا سنتے تھے اور دیگر امورِ سنت و شرع کے پابند نہ تھے دوسرے شاہ نصیر الدین بدایوں میں رہتے تھے سرخ کپڑے پہنتے تھے اور زیور بھی امور سنت و شرع کے پابند نہ تھے دونوں

صاحبزادہ نہایت تکلف کی امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے اور نہایت نازک اور نفیس مزاج اور صاحب دماغ تھے شاہ نصیر الدین صاحب کا جب انتقال ہوا تو ان کو غسل دیکر سرخ لباس اور زیورات پہنا کر حصہ مہدی کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا

مولینا فخر الدین کے خلفاء میں ایک کا نام میاں برہان الدین عرف دیلے شاہ کا بھی تھا وہ بہت مشہور تھے مجھے ان کے حالات تحقیق نہ ہو سکے ان کے مرید و خلیفہ میاں غلام فخر الدین عرف انگارہ شاہ صاحب تھے یہ سرخ لباس و زیورات پہنتے تھے گانا بہت سنتے تھے شرعی امور کے پابند نہ تھے راقم سطور کے رشتے کے ایک بھائی مولوی محمد حسین صاحب طبیب خاص مہاراجہ گوالیار بھی انکے خلیفہ تھے مگر وہ عالمانہ وضع رکھتے تھے صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے، گانا سنتے تھے اور عرس میں شریک ہوتے تھے گوالیار میں انکا مزار ہے عرس وغیرہ ہوتا ہے ان کے ایک مرید سید اکبر حسین غریب نے ان کا شجرہ طریقت نظم کیا تھا

ہے نیز شیخ عبد الہادی صاحب نے والد صاحب کو سلسلہ سنوسیہ میں مجاز کیا تھا شیخ صاحب خود حضرت سنوسی سے مجاز تھے سنوسی سلسلہ لکھا جا چکا ہے

ھ ۱۳۴۵ھ میں والد صاحب کی کلکتہ میں ایک بزرگ سید عبد الصبور بنگالی سے ملاقات ہوئی اور ایک ہفتہ تک ان کی صحبت کا شرف حاصل رہا انہوں نے سلسلہ قادریہ میں مجاز فرمایا اور اپنا شجرہ طریقت عطا فرمایا سید عبد الصبور عن شیخ داد بخش بنگالی عن شاہ بولن[1] شاہ عن شاہ غلام احمد عن حافظ محمد امین عن شاہ بلاقی عن سید

---

[1] شاہ بولن میرے وطن سیوہارہ کے رہنے والے تھے شاہ بلاقی کی اولاد سے تھے میرے جد امجد قاضی علی احمد، میرے والد کے نانا قاضی سید امام علی سیوہاروی، میرے دادا اور ان کے بھائی شاہ صاحب سے بیعت تھے ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزوں کا تسلط ہو گیا تو معاندین کفار نے انگریزوں کو باور کرایا کہ شاہ صاحب نے باغیوں کی مدد کی تھی انگریزوں نے شاہ صاحب کی جائداد ضبط کر لی اور انکو رنگون جلا وطن کر دیا وہیں ۱۲۷۶ھ میں وفات پائی رنگون کے پاس موضع گین ہے وہاں آپکا مزار ہے یہ قطب عالم صاحب کی درگاہ مشہور ہے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شاہ صاحب متبع سنت تھے مروجہ بدعات سے نفور تھے سیوہارہ کے

محمد باقر عن سید احمد عن سید انبیا عن سید کبیر عن سید قطب الدین عن سید محمد علی عن سید بہاؤالدین کرخی عن سید محمود عن سید عبد الواسع عن سید عبد العزیز عن سید عبداللہ عن سید ابراہیم عن سید اسماعیل عن سید بہاؤالحق عن سید ابوالمعانی عن سید احمد عن محمد موسیٰ عن سید محمد حسن ثانی عن سید محی الدین عن سید ابوصالح عن سید عبدالرزاق عن حضرت غوث الاعظم

عـــہ والد صاحب کو مجاز کیا سلسلۂ قلندریہ مداریہ میں ایک بزرگ محمد امین نام نے ان سے انہیں بہت فائدہ پہونچا لہٰذا ان ہی سلسلوں کو اختیار کرلیا مگر انہوں نے جو شجرہ دیا تھا وہ گم ہوگیا مگر یہ سلاسل حاجی امداداللہ کے سلسلہ میں بھی شامل ہیں اور والد صاحب حضرت کے کئی خلفاء کی طرف سے ان کے سلسلہ میں مجاز تھے۔

والد صاحب سے اجازت لی تھی تمام سلاسل میں شیخ عبدالہادی بخاری مہاجر مکی نے اور عبدالکریم مدنی نے (از اولاد شاہ عبدالغنی مہاجر مدنی)

شجرات گویا ایک تاریخی یادداشتیں ہیں اگر صاحب سلسلہ کے عقائد صحیح ہیں اعمال صالح ہیں متبع سنت ہے تو یہ نسبت بہت فائدہ پہونچانے والی ہوتی ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۱ چلا ہے شاہ صاحب کی قسم کھایا کرتے تھے اس قسم کے سوا کسی قسم کا اعتبار نہ کرتے تھے اور شیوخ کلال اجواب صدیقی کہلاتے ہیں) وہ کسی مولوی کے کہنے پر کسی مسئلہ کو نہ مانتے تھے جب تک کہ شاہ صاحب نہ فرمادیں۔ راقم سطور کے چچا مولوی محمد یٰسین غراق نے یہ رباعی لکھ کر شاہ صاحب کے حضور میں پیش کی تھی شیخ سید مغل کا پیو ہے تفوے مرے مرشد خدا آگاہ اور کلالوں کی قوم کا ہے رسول + اور جلاہوں کی قوم کا اللہ + شاہ صاحب رباعی پڑھکر مسکرائے اور دوداد) قرموں کو تنبیہ کی شاہ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے شاہ بولن بن کریم اللہ بن شاہ بلاقی شاہ صاحب نے سلسلہ اپنے ماموں شاہ غلام احمد سے حاصل کیا صاحب انوار العارفین نے شاہ صاحب کے متعلق لکھا ہے (موطنش قصبہ سہوارہ بود) صحیح نام سیلو پارہ ہے بعض نے سہوارہ بھی لکھا ہے سوارہ غلط ہے (غراق) جچھٹ گیا سبب سے وطن تجھ سے میرا سیوہارہ + تیرے فرقت سے رفیقوں کے ہیں دل صد پارہ + جیتاں سنمہ مورد حسین اشارہ کر شاہ جاگیر دارش سیوہارہ۔

اور اگر اسکے خلاف ہوتا ہے تو ایک دو نہیں اگر ستر ہزار مشائخ نے بھی خرقہ عطا کیا اور مجاز گردانا تو بھی کچھ فائدہ نہیں ہوتا

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مریدوں کی صلاحیت دیکھ کر بزرگ مجاز بنا دیتے ہیں لیکن ترک اتباع سنت سے وہ صلاحیت بھی معدوم ہو جاتی ہے۔

شجرہ جملہ خانوادہائے طریقت

بزرگان متقدمین میں سے ہر بزرگ نے بہت سے شیوخ سے فیض حاصل کیا ہے اسلئے شجرات بھی مختلف طریقوں سے مرتب ہو سکتے ہیں کتاب مصباح العرفان میں شجرات کے مختلف طریقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

بعض سلاسل منقرض ہیں یعنی شیوخ کی ملاقات بعض شیوخ سے ثابت نہیں ان کا فیضان نسبت اویسیہ سے تسلیم کیا جا سکتا ہے جیسے مروجہ شجرہ چشتیہ میں امام حسن بصری کا شیخ حضرت علی کو قرار دیا گیا ہے محدثین کے ایک گروہ کو ان کی ملاقات سے انکار ہے مروجہ شجرہ نقشبندیہ میں خواجہ ابوالحسن خرقانی کا شیخ خواجہ بایزید بسطامی کو قرار دیا گیا ہے حالانکہ دونوں بزرگوں کے درمیان اس قدر زمانہ طویل ہے کہ لقائے صوری کا امکان نہیں ہر سلسلہ کی بعض بعض صورتیں ہم لکھ چکے ہیں اب شجرہ ذیل اس طرح مرتب کیا گیا ہے جسمیں انقراض کا وہم دگمان بھی نہیں ہو سکتا اصلی خانوادے یہی ہیں۔ باقی انکی شاخیں ہیں۔ اسلئے سب کی تفصیل کی ضرورت نہیں سلاسل مذکورہ بالا سے معلوم ہو سکتا ہے۔

خواجہ جنید بغدادی عن شیخ ابی سعید الخراز عن خواجہ بشر حافی عن شیخ جبار العطار عن خواجہ فضیل بن عیاض عن امام اعظم ابو حنیفہ کوفی عن امام جعفر صادق عن امام محمد باقر عن امام زین العابدین عن امام حسین عن امام حسن عن حضرت علی عن حضرت عثمان عن حضرت عمر عن ابی بکر الصدیق عن رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم۔

خواجہ جنید بغدادی

خواجہ محمد شیرازی
شیخ احمد ملتانی
شیخ علی
شیخ عبداللہ
شیخ عبدالجلیل
شیخ احمد بدوی
امام الطریقہ البدویہ

شیخ ابوالحفص
شیخ ابن احمد
ابن عمارہ
القصار
امام الطریقہ ملامتیہ

شیخ شمس الدین
شیخ تاج الدین
شیخ ابوالحسن
شیخ فخر الدین
شیخ تقی الدین
شیخ عبدالرحمن
شیخ عبدالسلام
شیخ ابوالحسن شاذلی امام الطریقہ شاذلیہ

شیخ محمد احمد بن الحسن الخرازی
خواجہ عبداللہ خفیف
شیخ ابوالعباس نہاوندی
خواجہ ممشاد علو دینوری
خواجہ ابی اسحاق شامی
خواجہ احمد ابدال چشتی امام الطریقہ چشتیہ

خواجہ شبلی
شیخ ابوالقاسم
شیخ ابو علی فارمدی
شیخ ابویوسف
شیخ عارف ریوگری
شیخ محمود
شیخ علی
شیخ عبدالقادر جیلانی امام الطریقہ قادریہ
شیخ بابا سماسی
خواجہ سید کلال
خواجہ بہاؤالدین نقشبند
امام الطریقہ نقشبندیہ

شیخ عبداللہ خفیف
شیخ ابوالعباس نہاوندی
شیخ اخی فرج زنجانی
شیخ قطب الدین
شیخ نجم الدین
شیخ شہاب الدین سہروردی امام الطریقہ سہروردیہ

شیخ ابی یزید عشقی
شیخ ابوالمظفر ترک طوسی
شیخ خدا قلی
شیخ ابوالحسن خرقانی
شیخ محمد عاشق
شیخ محمد عارف
شیخ عبداللہ شطاری
امام الطریقہ شطاریہ

شیخ علی عجمی
شیخ علی رودباری
شیخ ابو علی
شیخ ابوالفضل
شیخ علی
شیخ سید احمد رفاعی
امام الطریقہ الرفاعیہ

ہندوستان میں خانوادہائے طریقت کی نسبت

نقشبندیہ:- اس خاندان کے لوگوں کو اتباع سنت اور پابندی شریعت کا دعویٰ ہے ان میں اہل علم بھی ہیں یہ دعویٰ انکا ایک حد تک صحیح ہے مگر ان کے بعض سلسلوں میں بدعات کا اثر اور ظہور ہو گیا ہے

قادریہ: نقشبندیہ کے بعد قادریہ خاندان والے متبع شریعت سمجھے جاتے ہیں یہ ارکان اسلام کے پابند ہوتے ہیں لیکن ان میں بدعات کا رواج بہت زیادہ ہو گیا ہے

چشتیہ: فیصدی ننانوے بے علم ہیں یہ لوگ صوفی کہلاتے ہیں رنگے کپڑے پہنتے ہیں لمبے لمبے بال رکھتے ہیں، اتباع سنت و شریعت سے بہت دور ہیں، رقص و سرود انکی عبادت ہے۔ نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کے اکثر تارک ہیں وحدۃ الوجود کے مدعی ہیں ان میں کفر و شرک تک کے رسم و رواج شائع ہو گئے ہیں انہوں نے ہندو جوگیوں اور فقیروں سے بہت مشابہت پیدا کر لی ہے علاوہ ازیں قلندریہ بھی

ان ہی میں شامل ہیں لیکن ان میں شاذ و نادر ہی کوئی سچا صوفی ہوتا ہے گوالیار میں ایک صوفی تھے وہ ہندوؤں کو بھی مرید کرتے تھے اور رام رام کا پاس انفاس بتاتے تھے ایک صاحب رنڈیوں اور کسبیوں کو بھی مرید کرتے تھے اور بیعت عشاء کے وقت کے بعد کرتے تھے

ایک عجیب سلسلہ

اپریل ۱۹۵۶ء میں مجھ کو کئی دن سر گنگا رام ہسپتال لاہور میں رہنا پڑا وہاں تین خادم تھے

یوسف، رمضان، اور کرم الہٰی عرف خدمت علی مجھکو یہ معلوم ہو کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہ تینوں عیسائی ہیں ان کے باپ دادا نے یہ مذہب قبول کیا تھا کرم الہٰی نے بیان کیا کہ ماں باپ نے میرا نام کرم الہٰی رکھا تھا مگر میرے مرشد نے خدمت علی خطاب دیا میں نے دریافت کیا کہ تمہارے مرشد کس سلسلہ کے درویش ہیں اور ان کا کیا نام ہے اس نے کہا کہ چشتیہ نظامیہ سلسلہ سے ہیں ان کا نام غلام نبی شاہ ہے انہوں نے مجھکو یسوع یسوع کا پاس انفاس بتایا ہے۔

سہروردیہ :- ان کی اور قادریہ خاندان کی حالت یکساں ہے

رفاعیہ :- یہ فقیر حیدر آباد دکھن میں ہیں بے علم اور اتباعِ شریعت سے دور ہیں دریوزہ گری کرتے ہیں ان کی ایک درگاہ حیدر آباد میں ہے وہاں عرس ہوتا ہے ایک عرس میں ان کے کچھ عجائب نمائی کی شہرت سنکر میں بھی شریک ہوا تھا مزار کے سامنے قوالی ہوئی پھر فقراء نے اٹھکر عجائبات دکھائے کسی نے آنکھ نکال کر رکھدی اور پھر اپنی جگہ رکھ دی کسی نے پیٹ میں کسی نے سر میں چھرا پار کر دیا نہ زخم ہوا نہ خون چلا اسی طرح ہفت ضرب دکھائیں رفاعی فقیروں کے متعلق شیخ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ جلد اول میں لکھا ہے اس کے فقیر آگ کھاتے ہیں اور سانپ کو چبا جاتے ہیں۔

خواجہ جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے "اس سلسلہ کے شیخ احمد ابن الحسن رفاعی ہیں مگر ان باتوں کو نہیں جانتے تھے اور نہ ہی ایسا کرتے تھے ہندوؤں میں کئی گروہ ہیں جو بام مارگ اور جی مارگ وغیرہ کے ناموں سے مشہور ہیں وہ ہر

چیز کو جائز سمجھتے ہیں اور حشرات الارض کو کھا جاتے ہیں ہندوستان کی تاریخوں میں ان کا مفصل ذکر ہے

ان خانوادوں سے متعلق بعض مصنفین کی رائیں لکھتا ہوں مولوی عبدالسلام ندوی نے لکھا ہے۔

چشتیہ قلندریہ ملامتیہ وغیرہ فرقے کے صوفی بعض کسبیوں کو ساتھ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم عشق مجازی کی منزلیں طے کر رہے ہیں اور یہ عشق حقیقی کا زینہ ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ لڑکوں اور عورتوں کو دیکھ کے صانع کی عظمت شان پر نظر کرتے ہیں

جی چاہتا ہے صنعت صانع پہ ہوں نثار ۔ بت کو بٹھا کے سامنے یاد خدا کروں

شیخ ابن بطوطہ نے سفر نامہ کی جلد دوم میں لکھا ہے۔

ہندوستان میں بعض صوفیوں نے جوگیوں کی صحبت اختیار کی اور انکے بعض اعمال اختیار کیے

صاحب فوز المرام فرقہ قلندریہ کے متعلق لکھتے ہیں [۱]

"قلندریہ۔ یہ فرقہ فرائض سے تجاوز نہیں کرتا اگر اس زمانہ میں ایک فرقہ نے اپنا نام قلندریہ رکھا ہے لیکن اس نے اسلام کو اپنی گردن سے نکالا ہے اور خالی ہے وہ قلندریہ کے اوصاف سے۔ بس نام قلندریہ ان کا عاریت ہے اور وہ فرقہ شعر جو ایک طائفہ زنادقہ کا ہے ان سے تقرب ہیں"

"قلندریہ[۲] کی رندانہ وضع اور خلاف شرع عمل چوتھی صدی سے جاری ہوا اور دمشق سے اسکا رواج ۶۱۶ھ میں ہوا"

قلندریہ سلسلہ کے تمام بزرگ پابند شرع ہوتے تھے شاہ محمد کاظم قلندر کے متعلق لکھا ہے آپکا طریقہ[۳] ظاہری و باطنی موافق کتاب و سنت تھا قلندر اس زمانے رخساروں کا صفایا کرتے ہیں یہ طرز قدما کے خلاف ہے

اس غلط طرز کے رائج ہونے کی وجہ صاحب اصول المقصود[۴] نے لکھی ہے

"حضرت شاہ عبدالعزیز کی کہ مخاطب بہ قلندر بود بسبب کبر سنی مو ہائی ریش ریختہ بود ازیں جہت حلق لحیہ را صورت قلندریہ نامیدند ہر کہ ازیں سلسلہ باشند

[۱] فوز المرام صفحہ ۵ [۲] نفحات العنبریہ عن انفاس القلندریہ [۳] مطلع المطالع [۴] النجم لکھنؤ ۔۔۔ [۵] نفحات العنبریہ صفحہ ۔۔

دے خلق بعد ازاں بعد حضرت سید نجم الدین غوث الدہر قلندر ہیچ کسے از پیران این سلسلہ حلق نہ نمودند۔"

اور جن بزرگوں نے اس طریق کو اختیار کرلیا تھا بعد میں توبہ کی اور داڑھی بھی رکھی سید نجم قلندر مدت العمر بے ریش و بروت رہے آخر عمر سے پندرہ برس پہلے داڑھی رکھ لی۔"[1]

مولینا سجزی قلندر مرید بوعلی شاہ قلندر نے مرنے سے ایک ماہ قبل داڑھی رکھ لی تھی اکثر بے علم و ناواقف ایک بزرگ کے اس شعر سے اپنے خلافِ شرع اعمال کی سند پکڑتے ہیں

صفارہ قلندر سزاوار من نمائی ۔۔۔ کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

اول تو شعر سے شاعر کو ایسے مضمون سے غرض نہیں ہوتی کیونکہ وہ مسائل بیان نہیں کرتا یوں اتفاقی طور پر کوئی مسئلہ آجائے تو آجائے

رہ و رسم پارسائی سے مطلب زہد خشک ہے یعنی آدمی صرف بظاہر پابند شریعت ہو یہ بھی بہت اچھا ہے مگر اس سے بہتر یہ ہے کہ اسکے دل میں خدا اور رسول کی محبت ہو قلندر اسی پر زور دیتے ہیں یہ ہے مطلب اس شعر کا کہ پارسائی کے ذریعہ دراز راستہ آدمی بہت دیر میں کامیاب ہوتا ہے اور راہ محبت میں جلد کامیاب ہوجاتا ہے

ملامتیہ: یہ صوفیائے کرام کا ایک گروہ تھا اسمیں قسم کے صوفی تھے ایک وہ جو ہر حکم شریعت و سنت کو بغیر کسی خوف و طعن و تشنیع کے انجام دیتے تھے اسلیے انکی بعض باتوں پر ناواقف انکو ملامت کرتے تھے دوسرا گروہ وہ تھا جو واجبہ و فرائض کو بالاعلان ادا کرتا تھا اور نوافل وغیرہ عبادات کو اخفا کے ساتھ بجا لاتا تھا اور بظاہر کوئی ایسا امر مباح اختیار کرلیتا تھا جس سے بظاہر لوگ ان کو بزرگ و مقدس نہ جانیں جیسے بازار میں کسی دکاندار سے ملاقات پیدا کرلی اسکی دکان پر بیٹھنے لگے لوگوں سے مہذب مذاق کرنے لگے یہ تمام امور اپنے اخفائے حال کیلئے تھے۔

ایسے ہی بزرگوں کے متعلق سعدی شیرازی نے فرمایا ہے۔

چو بینند المقدس درون پر زتاب ۔۔۔ رہا کردہ دیوار بیرون خراب

ملامتیہ کے متعلق شیخ اکبر نے لکھا ہے[3]

---

[1] نفحات الانس صفحہ ۲۹ [2] نفحات الانس صفحہ ۲۶۳ [3] تذکرہ شیخ اکبر ابن عربی صفحہ ۱۰۶

"ابوبکر اولیاء ملامتی کے سردار تھے اور ملامتی سے مطلب یہ ہے کہ سوائے صلوات خمسہ کے اور کچھ نہ پڑھتا ہو جو عام مومنین جو فرض ادا کرتے ہیں) عبادت میں مسلمانوں سے ممتاز نہ ہو اور بازار میں لوگوں کی طرح آمد و رفت کرتا ہو سب سے معمولی باتیں کرتا ہو مگر دل سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو ایک چشم زدن بھی مالک سے غافل نہ ہو۔ ریاست کی طمع اور سلطنت کی ہوس نہ رکھتا ہو۔

شہزادہ دارا شکوہ لکھتے ہیں

"بعضے در زمرۂ ملامتیہ خود را منسلک دارند تا کہ ایشاں را نشناسند نہ چیزے کہ خلاف شرع باشد"

صاحب نوز المرام لکھتے ہیں[1]

ملامتیہ وہ سالکین ہیں جنہوں نے بہت کوشش کی غایت درجہ اخلاص میں اور محافظت کی قاعدہ صدق میں اور واجب کیا اپنے نفسوں پر پردہ پوشی رکھنا طاعت کا اور اخفا نیکیوں کا چشم خلق سے باوجودیکہ انہوں نے کوئی دقیقہ اعمال فرائض اور نوافل سے در گذر نہیں کیا مشرب ان کا ثابت کرتا ہے عبادت میں معنی اخلاص کو ان کو اس امر میں لذت ہے کہ ان کی عبادت اور احوال پر سوائے خدا کے کوئی مطلع نہ ہو

خواجہ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں[2]

"گمراہوں کے ایک گروہ نے مشہور کر رکھا ہے اپنے تئیں ملامتیہ اور لباس صوفیوں کا پہن رکھا ہے تاکہ ان کا شمار صوفیوں میں ہو حالانکہ انہیں صوفیہ سے کوئی لگاؤ نہیں بلکہ یہ لوگ دھوکے اور گمراہی میں پڑے ہیں اور صوفیہ کا لباس کبھی اپنے بچاؤ کے لئے اور کبھی کسی دعوی کے ساتھ پہنتے ہیں اور اہل اباحت کی راہ چلتے ہیں"

حضرت خواجہ عبدالرحمن جامی فرماتے ہیں۔

[3] اما ملامتیہ جماعتے باشند کہ در رعایت معنی اخلاص و محافظت قاعدہ صدق ساختہ ماسن غایت جہد مبذول دارند و در اخفائے طاعات و کتم خیرات از نظر خلق مبالغت واجب دانند ہیچ دقیقہ از سوابق اعمال مہمل نہ گذارند و تمسک بجمیع فرائض

[1] سفینۃ الاولیاء [2] نوز المرام فی تبلیغات اولیائے کرام صفحہ ۵ دکن پولیس ۱۳۲۲ ہجری
[2] ترجمہ عوارف المعارف صفحہ ۷۲ [3] نفحات الانس صفحہ

ولوائل از لوازم شمرند و مشرب ایشاں در کل اوقات تحقیق معنی اخلاص بود و لذت شان در نظر حق بر اعمال و احوال ایشان و ہمچنان کہ عاصی از ظہور معصیت بر حذر بود ایشاں از ظہور طاعت کہ مظنۂ ریا باشد حذر کنند تا قاعدہ اخلاص خلل نہ پذیرد۔"

حضرت داتا گنج بخش پیر علی ہجویری فرماتے ہیں[1]

"جو شخص خلاف شرع کوئی کام کرے اور کہے کہ میں ملامتیہ سے ہوں اس کا یہ فعل گمراہی ہے اور گناہ ہے۔"

خلاف شرع درویشوں کے متعلق حاجی امداد اللہ چشتی فرماتے ہیں[2]

"اور درویش خلاف شرع کہ بر وفق سنت رسول اللہ نباشد دور ماند اگرچہ ازو کرامات و خرق عادات بظہور آید و بآسمان بپرد۔"

سلسلۂ ملامتیہ کے بانی خواجہ حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ ۲۷۱ھ نے اپنے سلسلہ کی خود یہ تعریف فرمائی ہے[3]

"ملامتیہ گروہ بود کہ کسے بہ پئے حرمتے کار سے نہ کنند تا اورا ملامت کنند ملامت آں بود کہ در کار حق سبحانہ تعالیٰ از خلق باک ندارد۔"

آجکل چشتیہ، مداریہ، قلندریہ، ملامتیہ وغیرہ کے درویشوں نے جو مسلک اختیار کر رکھا ہے وہ بالکل خلاف سنت اور مخالف شرع شریف ہے اول تو یہ لوگ اکثر بے علم ہیں دوم یہ کہ سلسلہ طریقت کو انہوں نے وراثتاً اختیار کیا ہے اکثر اسی پر انکی عزت اور گزر اوقات کا مدار ہے امراء اور عوام کو راضی رکھنا بغیر کسی رکاوٹ کے ان کا مطمح نظر ہے اسلئے یہ تمام عقائد و اعمال میں شریعت کے خلاف ہیں عبادت سے اسلئے بچتے ہیں کہ ان کا خیال ہے جب آدمی خاصان خاص سے ہو جاتا ہے تو اسکو کسی محنت و مشقت کی ضرورت نہیں ہوتی اور ایسے آدمی پر کوئی پابندی اور قانون عائد نہیں ہوتا وہ آزاد ہے جو چاہے کرے اس کو سب کچھ جائز ہے۔

یہ لوگ عورتوں اور امردوں کو صحبت میں رکھتے ہیں رقص و سرود میں مشغول رہتے ہیں بعض منشیات کے بھی عادی ہوتے ہیں ان کے اعمال و افعال بعض غیر مسلم فرقوں سے ملتے ہیں اور زیادہ تر یہ فرقہ اباحیہ سے متعلق ہے

---

[1] ترجمہ کشف المحجوب صفحہ [2] ضیاء القلوب صفحہ [3] نفحات الانس ذکر حمدون قصار

تیسری صدی ہجری کے آخر میں ایک شخص علی بن فضل نام نے ایک فرقہ بنایا تھا اس کی تفصیل باب الثنات میں کی جائے گی اسکا ایک عقیدہ یہ تھا کہ حرام و حلال کی پابندی کی ضرورت نہیں نہ عبادت و ریاضات کی ضرورت ہے
اس فرقے کے کفر پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے

یہ لوگ کمال اس میں سمجھتے ہیں کہ گائیں بجائیں، وجد و حال کریں، رویئں بے ہوش ہو جائیں اور مر جائیں لیکن یہ تمام امور خلافِ شرع شریف ہیں فرقہ حلولیہ اور فرقہ جبریہ کے لوگوں کی یہی حالت تھی ان تمام فرقوں کو بالاتفاق کافر قرار دیا گیا ہے۔

الباب الرابع فی الرجال

اولیائے عظام کے حالات میں جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں خواہ عام تذکروں کے طور پر خواہ کسی بزرگ کی سوانح عمری کے طور پر یا تصوف اور تعلیمات کے متعلق خوش اعتقادوں نے ان میں اس قدر غلو کیا ہے کہ جس کو عقلِ سلیم قبول نہیں کر سکتی نہ وہ علم و تاریخ کے معیار پر صحیح اتر سکتے ہیں، حضرات صوفیائے کرام نے مسلمانوں کی دینی اور دنیوی ترقی میں بے حد جد و جہد کی ہے تبلیغ کے لئے انہوں نے غیر مانوس ممالک کے سفر کئے، جہاد میں شرکت کی اور سلاطین کو خلافِ شرع امور پر روکتے ٹوکتے رہے۔ قرآن و حدیث کا درس دیتے رہے تصنیف و تالیف کرتے رہے لیکن اگر آج ان بزرگوں کے تذکروں کو دیکھا جائے تو ان امور کا کہیں ذکر نہیں کشف و کرامات کے بیان سے مجلدات پر ہیں، کتب حدیث و تفسیر و فقہ و تاریخ کی چھان بین کرنے سے ان کی خدماتِ جلیلہ کا پتہ چلتا ہے ورنہ اہل تصوف نے تو بے حد و نہایت سلسلہ کشف و کرامات کے سوا کچھ نہیں لکھا،

منشی محمد دین فوق لکھتے ہیں

"صوفیائے کرام کے تاریخی اور صحیح حالات بہت کم ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان بزرگوں کے متعلق جیسے کچھ واقعات پیش آتے رہے اور جو کچھ ان سے کمالات ظاہر ہوتے رہے مریدوں اور خوش اعتقادوں نے ان کو نمک مرچ لگا کر پیش کیا۔"

بعض بعض بزرگوں کے متعلق ایسی ایسی ریاضات و عبادات لکھی ہیں جو شرع اور عقل دونوں کے خلاف ہیں مثلاً کسی جائز چیز کو کھانا پینا چھوڑ دینا، روزے پر روزے رکھنا اور کسی عضو کا بے کار کر لینا اور اگر نماز و عبادت کا ذکر کیا ہے تو ایسا بڑھا دیا ہے کہ کسی طرح بھی ثابت نہ ہو سکے۔ مثلاً بعض بزرگوں کے متعلق لکھا ہے کہ رات میں ہزار رکعات پڑھتے تھے اگر ان کی نماز صرف اٹھا بیٹھی ہوتی تھی تب تو ممکن ہے ورنہ اگر عجلت کے ساتھ بھی نماز پڑھی جائے تو ایک منٹ میں ایک رکعت ہوتی ہے تو ہزار رکعتیں ہزار منٹ میں ہوئیں جن کے پونے سترہ گھنٹے ہوتے ہیں، اس قدر طویل رات کہیں نہیں ہوتی۔ ایسے غلو کا یہ نتیجہ ہوا کہ بعض محققین کو بعض بزرگوں کے وجود ہی سے انکار ہو گیا۔ اویس قرنی کے متعلق اسماء الرجال کے بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس نام کا کوئی تابعی نہیں ہوا۔ شیخ ابراہیم ادھم کے قصے کو بعض نے گوتم بدھ کے قصے سے ماخوذ بتایا ہے۔ منصور کا معاملہ ایسا ہے جو کسی طرح آج تک سلجھ ہی نہ سکا، سرمد کے واقعات ایک گورکھ دھندا بنے ہوئے ہیں۔ میں اس کتاب میں چند بزرگوں کے حالات بقدر تعارف لکھوں گا اور جن کے متعلق کچھ اختلافات ہیں وہاں تفصیل سے اپنی تحقیقات پیش کروں گا، اس سلسلہ میں بعض صوفیائے کرام کی سیاسی، تبلیغی، علمی، خدمات اور بعض تصرفات و کرامات کا بھی ذکر ہو گا۔

میرا یہ عقیدہ ہے جس کو میں نے گذشتہ ابواب میں ثابت کیا ہے کہ تصوف عین اسلام ہے اور انبیاء و رسل، صحابہ، و ائمہ سب صوفی تھے۔ اس لئے باب الرجال میں اول حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین و بعض دیگر صحابہ و ائمہ مجتہدین کا ذکر ہونا چاہئے ان حضرات کے متعلق ضخیم کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں اس باب میں بخیال ترتیب چند سطور پر اکتفا کیا جائے گا۔

حضور خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب اسم گرامی تھا آپ کی والدہ ماجدہ کا نام نامی آمنہ تھا۔ خاندان قریش سے تھے مکہ وطن تھا، ۵۷۱ء میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، اس زمانے میں

دنیا پر جہالت وضلالت کی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ جب آپ کا سن شریف چالیس کو پہونچا تو رب العزت نے اصلاح خلق کے لئے آپ کو مبعوث برسالت فرمایا آپ نے نہایت عزم واستقلال سے فرائض رسالت کو انجام دینا شروع کیا بارہ برس کے بعد آپ نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی اور تریسٹھ سال کی عمر میں سنہ ۱۱ ہجری کو مدینہ میں وفات پائی

دامان نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ"

عبداللہ نام، ابوبکر کنیت، صدیق عتیق لقب، آپ سب سے پہلے بتیس سال کی عمر میں مشرف باسلام ہوئے۔ رسول کریم کے یار غار اور عشرہ مبشرہ واصحاب بدر واحد وبیعت رضوان سے تھے آپ اصحاب رسول کریم میں ہر طرح سب سے افضل تھے۔ اس لئے حضور کی وفات کے بعد ۱۲ ربیع الاول یوم سہ شنبہ سنہ ۱۱ ہجری میں آپ جانشین وخلیفہ رسول منتخب ہوگئے ۲۲ جمادی الثانی شب سہ شنبہ میں بعمر تریسٹھ سال سنہ ۱۳ ہجری میں وفات پائی۔ آپ کی ولادت مکے میں ہوئی وفات مدینہ میں پائی حضور کے پہلو میں دفن ہوئے۔

"حضرت عمر بن الخطاب رضی عنہ"

عمر بن الخطاب نام ابوحفص کنیت، فاروق لقب، مدینہ کو ہجرت کی ہجرت سے چالیس سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے حضرت ابوبکر کے بعد سنہ ۱۳ ہجری میں خلیفہ ہوئے یکم محرم سنہ ۲۴ ہجری کو مدینہ میں شہید ہوئے۔ حضرت ابوبکر کے پہلو میں دفن ہوئے۔

دیکھو تو رفاقت یہ ابوبکر وعمر کی چھوڑا نہیں مرگ بھی پہلوئے محمد

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

عثمان بن عفان نام ابوعبداللہ وابوعمر کنیت ذوالنورین رغنی لقب، مکہ میں پیدا ہوئے سنہ ۲۴ ہجری میں حضرت عمر کے بعد خلیفہ ہوئے سنہ ۳۵ ہجری میں مدینہ میں شہید ہوئے بقیع میں دفن ہوئے۔

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ۔

علی ابن ابی طالب نام، ابو تراب و ابوالحسن کنیت، حیدر لقب مکہ میں پیدا ہوئے رسولِ اکرم کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے حضرت عثمان کے بعد ۳۵ھ ہجری میں خلیفہ ہوئے ۴۰ھ میں کوفہ میں شہید ہوئے ان کا مزار نجفِ اشرف میں مشہور ہے لیکن محققین و محدثین و مورخین نے تحقیق کے ساتھ لکھا ہے کہ آپ شہر کوفہ میں دفن ہوئے نجف میں جو قبر حضرت علی کی مشہور ہے وہ مغیرہ بن شعبہ کی ہے۔

یہ وہی مغیرہ بن شعبہ ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یزید کی ولی عہدی کی تحریک اول اول انہوں نے ہی کی تھی۔

"حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ"

حسن بن علی نام، ابو محمد کنیت، سید و نقی لقب رسولِ اکرم کے نواسے تھے ۳ھ ہجری کو مدینہ میں پیدا ہوئے ۴۰ھ میں حضرت علی کے بعد خلیفہ ہوئے چھ مہینے کے بعد خلافت سے دستبردار ہو گئے ۴۹ھ کو مدینہ میں وفات پائی۔

"حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ"

حسین بن علی نام عبداللہ کنیت، سید و شہید لقب، رسولِ اکرم کے نواسے تھے ۴ھ ہجری کو پیدا ہوئے ۶۱ھ کو کربلا میں شہید ہوئے۔

"بابا رتن صحابی"

شیعہ فرقے کے مبلغین نے اہل فن کی تصانیف و تحریف کرنے میں اور بزرگوں کے حالات کو مسخ کرنے میں جو جو کارستانیاں کی ہیں ان کا بیان معہ ثبوت اس کتاب کے اکثر بیانات میں ہے جن بزرگوں کے حالات کو مسخ کیا گیا ہے ان میں ایک بابا رتن صحابی بھی ہیں۔

بابا رتن کا نام رتن سنگھ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے رتن سنگھ بن ساہو نسیرا بن جنک دیو بن منڈی بن کرپال۔

ہندوستان میں ایک قوم چوہان ہے جس کی اصل چھوہان ہے ان میں ایک خاندان ہے اس کا نام (نسیرا) ہے بابا رتن اسی خاندان سے تھے ان کا اصل وطن موضع ترندی متصل قصبہ بڑھیسہ ضلع بجنور تھا بابا رتن مقام جیولہ ضلع علی گڑھ کے راجہ کے وزیر تھے یہ رات کے وقت موسم گرما میں اپنے محل کی چھت پر بیٹھے تھے کہ انہوں

ﷺ ابن کثیر البدایہ والنہایہ ﷺ ابن کثیر بروایت خطیب بغدادی

نے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے اس حیرت انگیز واقعہ کی جب انہوں نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ پیغمبر عرب نے یہ معجزہ دکھایا ہے یہ معتقد ہو گئے اور عرب جا کر مشرف باسلام ہوئے پھر عرصہ کے بعد وطن واپس آئے اور موضع کھاوڑی متصل اعظم پور پاکستان ضلع مراد آباد میں سکونت اختیار کی اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے ۶۳۲ھ میں وفات پائی ان کا مزار اسی موضع میں زیارت گاہ خلائق ہے ہندوستان میں ایک بزرگ حاجی رتن نام بھی گذرے ہیں جو خواجہ اجمیری کے دست حق پر ست پر مشرف باسلام ہوئے تھے ان کے حالات ہم علیحدہ لکھیں گے ایک نام ہونے کی وجہ سے حالات میں التباس ہو گیا ہے

امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے رتن کو کذاب و دجال لکھا ہے اور اپنی کتاب میزان کے علاوہ ایک علیحدہ رسالہ کسرِ وثنِ رتن (رتن کے بت کی شکست) لکھا ہے امام موصوف کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رتن کو کذاب سمجھتے ہیں اور بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ خیال ہے کہ زنادقہ نے ایک فرضی نام گھڑ کر موضوع حدیثیں ان کی طرف منسوب کر دی ہیں[1]

امام ذہبی کی تحقیقات ان روایات اور راویوں پر مبنی ہے جو رتن کی طرف منسوب ہیں ایک روایت میں ہے کہ رتن نے بیان کیا۔

"میں نے ایک خواب میں دیکھا کہ ملکِ شام میں ہوں میں نئے دین کی تلاش میں شام گیا وہ سب عیسائی تھے میں عیسائی ہو گیا کچھ عرصہ کے بعد میں نے رسول کریم کا حال سنا اور میں مدینہ جا کر مشرف باسلام ہوا حضور نے میرے لئے طولِ عمری کی دعا فرمائی، پھر میں حضور کے ساتھ جنگ یہود میں شریک ہوا پھر حضور سے اجازت لے کر وطن چلا آیا۔

عبدالوہاب بن اسماعیل صوفی نے بیان کیا ہے کہ ۶۰۸ھ ہجری میں مجھے شیراز میں ایک بوڑھا ملا اس نے اپنا نام محمود بتایا اور کہا کہ میں بابا رتن کا بیٹا ہوں اس نے بیان کیا،

میرے والد نے شق القمر کا معجزہ دیکھا تھا یہی سبب مدینہ منورہ جانے کا ہوا میرے والد خندق کھودنے میں رسول کریم کے ساتھ تھے میرے والد حجاز گئے

[1] میزان الاعتدال جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۳۳۶ لسان المیزان ابن حجر جلد دوم صفحہ ۴۵۰ الاصابہ الاولی

تو ان کی عمر سولہ سال کی تھی اس کے بعد وہ چھ سو تئیس سال زندہ رہے ۶۳۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[1]

رتن کے متعلق جو چند ایک روایات ہیں ان میں بے حد تضاد ہے اور تاریخی حوالے سے کوئی بھی صحیح ثابت نہیں ہوتی ان تمام حکایتوں کا مرکز موسیٰ بن مجلی سبتی ہے جس کے متعلق امام ذہبی نے لکھا ہے کہ یہ اس جاہل کی وضع کردہ ہیں۔[2]

درحقیقت محمود جس نے اپنے آپ کو رتن کا بیٹا کہا اور موسیٰ یہ دونوں شیعہ فرقوں کے مبلغ تھے انہوں نے اس طرح دین میں رخنہ اندازی کرنے کا خیال قائم کیا اور بیچارے رتن کو خواہ مخواہ بدنام کیا مندرجہ ذیل روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شیعوں اور جاہل صوفیوں کی کارستانی ہے۔

(۱) جو شخص میرے بچے حسین کے غم میں اس کی شہادت کے دن روئے گا وہ قیامت کے دن اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ ہو گا۔

(۲) دشمن حرم کو رونا قیامت کے دن روشنی ہے۔

(۳) رتن نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہ کی شادی کے دن ہم مدینہ میں تھے ہم تمام اصحاب رات بھر گاتے ناچتے رہے۔ صبح کو رسول کریم سے کہا تو آپ نے دعا دی۔[3]

الغرض امام ذہبی نے جن واقعات و روایات کو دیکھا اور سنا انہیں یقینی کر کے رائے قائم کر دی ان کے ہم عصر علامہ صفدی[4] نے ان کی تردید کی ہے قاضی القضاۃ مجدالدین فیروز آبادی صاحب قاموس نے اول رتن کے خلاف لکھا بعد میں جب وہ ہندوستان آئے تو انہوں نے رجوع کیا اور لکھا کہ میں نے ہندوستان میں رتن کے متعلق تواتر کے ساتھ سنا ہے۔

ہندوستان میں غالباً مولانا مناظر احسن گیلانی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اردو میں رتن پر مضمون لکھا جو بالاقساط ۱۳۳۵ھ ہجری میں رسالہ الرشید دیوبند میں شائع ہوا مولانا کی تمام تحقیقات صرف امام ذہبی کی تصانیف پر مبنی ہیں۔

رتن ایک ہندی نژاد شخص تھے ان کے متعلق تحقیقات ہندوستان میں ہونی چاہئے تھی لوگوں کی منسوب کردہ روایات پر اعتبار بغیر تحقیقات کے کرنا مناسب

[1] لسان المیزان [2] لسان المیزان [3] لسان المیزان

نہ تھا اور ہندوستان میں بھی تحقیقات چھوٹی جماعت کے لوگوں کی نہ ہوتی تھی اول
تو ہندوستان میں تاریخ اور سوانح لکھنے کا رواج ہی نہ تھا میں نے اپنی کسی تصنیف
میں رتن کا نام ضرور لکھا ہے اور ان کی صحابیت کا بھی ذکر کیا ہے لیکن اس کے
متعلق مجھے کسی قسم کی تحقیقات کا خیال نہ ہوا تھا اس زمانہ میں ایک ادبی کتاب کی
تالیف کے سلسلہ میں کچھ تحقیقات کی ضرورت پیش آئی تو ہندوستان کے چھوٹے
چھوٹے گروہوں ذات پات والوں اور جوگیوں سے جو روایات سنیں تو ان سے اس
امر کی تصدیق ہوئی کہ بابا رتن صحابی تھے چونکہ اور بزرگوں نے بھی ان کی ستائش کی
ہے اس لئے ہمیں خواہ مخواہ بدگمانی کرنے کی ضرورت نہیں ان روایات میں سے
جو حالات صحیح معلوم ہوئے اسی قدر میں نے لکھ دیئے رتن سے کوئی روایت نہیں
یعنی رتن پر کسی مسئلہ یا عقیدے کا مدار نہیں ہے اس لئے ہم کو انکار کی ضرورت
نہیں پھر جب کہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ان کے حالات و روایات بیان کرنیوالے
صوفی اور شیعہ ہیں تو صرف صحیح حالات لینے چاہئیں اور خواہ مخواہ ایک بزرگ
ہستی کا انکار نہ کرنا چاہیئے ہندوؤں کی روایتوں اور شیعوں کی کارستانیوں میں
بابا رتن صحابی اور حاجی رتن کے حالات خلط ملط ہو گئے ہیں مختلف مقامات،
مختلف گروہوں اور مختلف کتابوں سے چھ مہینے تحقیقات کرنے کے بعد جس نتیجہ
پر پہونچا ہوں درج کرتا ہوں حاجی رتن کے متعلق جو معلومات مجھے حاصل ہوئی ہیں وہ
اسی کتاب میں علیحدہ لکھی جائیں گی یہاں یہ امر قابل اظہار ہے کہ آئین اکبری میں
بابا رتن . . . ترمذی کی کنیت ابو الرضا لکھی ہے[1]، ابو الرضا کنیت بھی شیعہ مبلغوں
کی گھڑی ہوئی ہے مولینا مناظر احسن صاحب (ابن نصیر) اور ترمذی ان الفاظ پر بھی
اعتراض کرتے ہیں اور یہ اعتراض انکا صحیح ہے لیکن اگر وہ تحقیق کرتے تو ان کو معلوم
ہو جاتا کہ (نصیر) نہیں (نسیرا) اور ترمذی نہیں (ترمڈی) ہے یہ کاتبوں کا تصرف
معلوم ہوتا ہے اب رہا بابا رتن کا ۶۳۲ھ میں وفات پانا سو صحیح نہیں کیونکہ یہ
حاجی رتن ساکن بھٹنڈہ کا سال وفات ہے بابا رتن کی تعریف امام ابن حجر عسقلانی
قاضی مجد الدین فیروز آبادی خواجہ علاؤ الدولہ سمنانی اور خواجہ محمد پارسا نے کی
ہے ابو الفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے۔

[1] آئین اکبری جلد سوم صفحہ ۲۷۶ نولکشور

"شیخ ابن حجر عسقلانی و مجدالدین فیروزآبادی و علاؤالدولہ سمنانی و خواجہ محمد پارسا پذیرندہ و ستائش گزار۔"

اصل یہ ہے کہ تحقیقات کی جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ظاہر و بواں المعروف گوگا پیر اور تھے بابا رتن صحابی اور تھے اور حاجی رتن اور تھے مگر ان سب کے حالات اس طرح خلط ملط ہو گئے ہیں کہ صحیح نتیجہ پر پہونچنا دشوار ہے ہیں نے ایک ادبی کتاب کے سلسلہ میں گوگا پیر کے متعلق تحقیقات کی اور مختلف مقامات مختلف کتابوں قدیم زبانی روایتوں اور گیتوں سے حالات اخذ کئے ہیں شدید جد و جہد کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ بابا رتن صحابی اور ہیں حاجی رتن دوسرے شخص ہیں۔ شیخ مجدالدین فیروزآبادی نے جو کچھ لکھا ہے وہ حاجی رتن کے متعلق ہے کیونکہ انہوں نے بھٹنڈہ کے لوگوں سے حالات سنے اور بھٹنڈہ حاجی رتن کا مدفن ہے بابا رتن کے متعلق کوئی واضح تحریری شہادت نہیں ہے اپنے عقائد کی اشاعت کے لئے شیعہ مذہب کے مبلغوں نے روایات وضع کیں اور بابا رتن کی عمر قریب سات سو برس کہے قرار دے کر ان کا سن وفات وہ قرار دیا جو حاجی رتن کا سن وفات ہے۔

ابوالفضل نے آئین اکبری جلد سوم میں رتن کے متعلق لکھا ہے

"بابا رتن پور تفبیر ترمذی، کنیت ابوالرضا۔"

مولانا مناظر احسن صاحب، اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ

"ابوالفضل تاریخ سے کورا تھا۔"

مولانا لفظ (تفبیر) اور (ترمذی) پر برہم ہو گئے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ ابوالفضل کی غلطی نہیں بلکہ کاتب کی غلطی ہے بابا رتن (تبسیرا) خاندان سے تھے جس کا کاتب نے (تفبیر) اور موضع ترملی کے رہنے والے تھے جس کو کاتب نے ترمذی لکھ دیا ہاں ابوالفضل کی یہ خطا ضرور ہے کہ جب اس نے بابا رتن کے متعلق لکھا تھا تو اس کو پوری تحقیقات کرنی چاہئے تھی اگر وہ ایسا کرتا تو اس قریب زمانے میں یہ معاملہ آسانی کے ساتھ صاف ہو جاتا، مولانا کی مندرجہ ذیل عبارت کو پڑھ کر بہت افسوس ہوا جو انہوں نے اپنے مضمون میں ابوالفضل کے متعلق لکھی ہے "اس روایت کا بیان کرنے والا اکبر کے دربار کا وہ منشی ہے جس پر عدا فتنہ پروری سے زیادہ

کذب فروشی کا گمان غالب ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوالفضل عرصۂ دراز تک اسی حالت میں رہا مگر کیا بعد میں اس کا تائب ہو کر حج کو جانا اور اسی راستہ میں مقتول ہونا ثابت ہے، کیا مولینا کے نزدیک گنہگار کی توبہ قبول نہیں ہوتی یا توبہ کر لینے کے بعد بھی وہ شخص اسی خطاب کا مستحق رہتا ہے اگر اس طرح لکھتے تو اچھا تھا۔

ابوالفضل کا یہ بیان اس زمانے کا ہے جبکہ اس پر صداقت کا گمان نہیں ہو سکتا تھا۔

ابوالفضل کیا کرتا ذہبی اور ابن حجر نے نفر اور ترمذی ہی لکھا ہے البتہ ترمذی کا املاء صحیح لکھا گیا ہے۔

"حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ"

عمر بن عبدالعزیز نام ابوحفص کنیت، مروان بن حکم کے پوتے تھے، عاصم بن حضرت عمر کے نواسے تھے، بڑے محدث، مجتہد اور فقیہ تھے۔ امت رسول میں یہ پہلے مجدد تسلیم کیے گئے ہیں سنہ ۶۱ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے سنہ ۹۹ھ میں خلیفہ ہوئے اور سنہ ۱۰۱ھ میں وفات پائی

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

نعمان بن ثابت نام، ابوحنیفہ کنیت، امام اعظم لقب سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے آپ تابعین میں سے تھے سنہ ۱۵۰ھ میں وفات پائی

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

مالک بن انس نام، ابو عبداللہ کنیت، امام دارالہجرۃ وامیرالمومنین فی الحدیث لقب، سنہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے تبع تابعین میں سے تھے سنہ ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ

ابو عبداللہ کنیت محمد بن ادریس نام سنہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے سنہ ۲۰۴ھ میں وفات پائی آپ امت محمدیہ میں دوسرے مجدد اعظم گنے گئے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

امام احمد بن حنبل نام سنہ ۱۶۴ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے سنہ ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

بستان المحدثین ص ۵۲

خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ

اویس بن عامر نام قبیلہ مراد سے تھے، موضع قرن علاقہ یمن کے باشندے تھے رسولِ اکرم کے عہد میں مشرف باسلام ہوئے مگر اپنی معذور والدہ کی خدمت گذاری کی وجہ سے حاضر دربارِ رسالت نہ ہو سکے اس لیئے ان کا صحابہ میں شمار نہیں البتہ رجال تابعین میں شمار کیئے جاتے ہیں۔ خیر التابعین لقب ہے۔ ۳۷ھ میں وفات پائی۔

چونکہ ان کو رسولِ اکرم سے لقائے صوری کا شرف حاصل نہیں پھر بھی انہوں نے حضور کی روحانیت سے کسبِ فیض کیا لہٰذا جس کسی بزرگ کو بزرگانِ متقدمین میں سے کسی بزرگ کی روحانیت سے فیض ہوتا ہے اسکو نسبت اویسیہ کہتے ہیں، بعض علماء اسماء الرجال کو ان کے وجود ہی سے انکار ہے بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عمر ان سے ملے بعض نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ سے ملاقات ہوئی۔ امام مالک کو ان کے وجود سے انکار ہے لیکن صحیح مسلم میں جو روایت اشیر بن جابر کی نبن طرق سے ہے وہ ان کے وجود کی قوی دلیل ہے امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ان کو مجروح قرار دیا ہے

خواجہ ابو حازم ۱۴۰ھ

مکہ معظمہ کے رہنے والے تھے، تابعی تھے بہت سے صحابہ سے ملے تھے ۱۴۰ھ میں وفات پائی

صوفی ابو ہاشم ۱۶۲ھ

بغداد کے رہنے والے تھے، شیخ ابی عبداللہ البیرانی کے اصحاب میں سے تھے، ابو ہاشم زاہد مشہور تھے، حافظ ابو نعیم اصفہانی محدث نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں ان کے متعلق لکھا ہے "ابو ھاشم من قدماء زھاد بغداد" اور دوسری روایت میں ہے "ابو ھاشم الزاھد"۔

محدث خطیب بغدادی نے بھی اپنی تاریخ کی چودھویں جلد میں ان روایات کا ذکر کیا ہے۔

اسلام میں ابو ہاشم پہلے شخص ہیں جن کو لوگوں نے صوفی کے لقب سے پکارا،

امام سفیان ثوری بھی ان کی صحبت میں پہونچے تھے

شیخ ابراہیم بن ادہم ۱۶۱ھ

ابراہیم بن ادہم بن منصور بن زید بن جابر تمیمی عجلی ان کے حالات نظم و نثر کی چوبیس کتابوں میں مذکور ہیں۔

(۱) کتاب اختیار الرفیق لطلاب الطریق لابی العباس شہاب الدین احمد بن سلامہ (قلمی)
(۲) مرآۃ الاسرار (قلمی) (۳) تذکرۃ الاولیاء (۴) نفحات الانس (۵) وفات الوفیات مطبوعہ بولاق ۱۲۴۸ھ ہجری (۶) الرسالۃ القشیریہ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۱۹ھ (۷) سفینۃ الاولیاء (۸) ولی اللہ ادہم (کتب خانہ گوتھا میں ہے اور نظم میں ہے) (۹) قصہ ابراہیم ادہم عربی (کتب خانہ برلن) (۱۰) کتاب درویش (مصنفہ حسن رومی یہ ترکی زبان میں ہے) (۱۱) سیرۃ السلطان ابراہیم ادہم مصنفہ درویش حسن رومی (۱۲) گلزار ابراہیم۔ (۱۳) مختصر قصہ ابراہیم ادہم ملایا زبان میں اس کا ترجمہ ہے۔ ہولینڈی زبان میں ڈاکٹر ہیلانڈر نے ترجمہ کیا (۱۴) قصۂ ابراہیم ادہم طویل (ملائی زبان میں ہے) (۱۵) قصہ ابراہیم ادہم (لاطینی ہے) (۱۶) عربی کتاب شیخ ابوبکر حضرمی (۱۷) بستان السلاطین (۱۸) قصہ ابراہیم ادہم (جاوی زبان میں ہے) (۱۹) قصہ ابراہیم ادہم سونڈہ زبان میں ہے (۲۰) طبقات الصوفیہ شیخ ابوعبدالرحمن السلمی (قلمی) (۲۱) حلیۃ الاولیاء محدث ابونعیم اصفہانی۔ (۲۲) کشف المحجوب۔ (۲۳) طبقات الکبریٰ شعرانی (۲۴) معجم البلدان اور بہت سے چھوٹے چھوٹے رسالوں اور تذکروں میں ان کا ذکر ہے بعض یورپین ڈاکٹروں یعنی نکلسن وغیرہ نے ان پر مقالے لکھے ہیں ڈاکٹر ہیلانڈر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ یہ ملکِ عراق کے بادشاہ تھے۔ ملائی زبان کے قصہ ابراہیم ادہم سے انھوں نے استدلال کیا۔ دیگر متقدمین و متاخرین مصنفین نے بھی ان کو بادشاہ لکھا ہے بجز بلخ اور عراق کی تاریخوں میں ان کا کہیں نام نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت بلخ کے ماتحت رئیسوں میں سے ہوں گے۔ بعض یورپین مصنفین گوئٹے وغیرہ نے لکھا ہے کہ ابراہیم ادہم کا قصہ گوتم بدھ کے قصہ سے ماخوذ ہے کیونکہ اس قصہ میں اسلامی تصوف کی بہ نسبت ہندی و سریانی تصوف کے خصائص زیادہ

پائے جاتے ہیں۔ ان کے مقام دفن میں بھی اختلاف ہے۔ معجم البلدان میں قلعہ سوقلین بلادِ روم اور اختبار الرفیق میں شہر صور اور مرأۃ الاسرار میں شام نزد مزارِ لوط علیہ السلام لکھا ہے۔ بعض نے بغداد نزد مزار امام احمد بن حنبل لکھا ہے سن وفات میں بھی اختلاف ہے ۱۶۱ھ سے ۱۸۷ھ تک مختلف سنین بیان کئے گئے ہیں۔ اختبار الرفیق و نفحات الانس میں ۱۶۱ھ ہے اور مرأۃ الاسرار میں ۱۶۱ھ ۱۶۶ھ اور ۱۸۷ھ لکھا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم زمانہ قیام مکہ معظمہ میں جنگل سے لکڑیاں لاکر فروخت کرکے گزر اوقات کرتے تھے انہوں نے بہت سے بزرگوں سے فیض حاصل کیا تھا شجرات میں خواجہ فضیل بن عیاض ان کے مرشد لکھے جاتے ہیں اور ان سے بہت سے بزرگوں نے فیض حاصل کیا ان میں خواجہ حذیفہ مرعشی بھی ہیں۔

خواجہ جنید بغدادی ۲۹۷ھ

خواجہ جنید بغدادی کے ماموں شیخ سری سقطی اولیائے کبار میں سے تھے جنید نے ان سے بیعت کی درخواست کی سری سقطی نے فرمایا کہ جب تک تم علم کی تحصیل نہ کرلوگے میں تم کو بیعت نہیں کرونگا چنانچہ یہ تحصیل علم میں مشغول ہوگئے اور بڑے فاضلِ اجل ہوئے، شیخ نے ان کو بیعت کرکے اپنا خلیفہ مقرر کیا یہ تمام سلسلوں کے سر حلقہ ہیں ۲۹۷ھ میں وفات پائی ان کے مریدوں میں خواجہ شبلی زیادہ مشہور ہوئے شہزادہ دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں ان کے ذکر میں لکھا ہے۔

" مشائخ جمیع سلسلہا نسبت بایشاں درست می کنند و منسوبانِ ایشاں را جنیدیہ می خوانند و ازیں جہت ایشاں را سید الطائفہ امام ائمہ گویند سخن ایشاں در طریقت حجت و ہیچ کس از مشائخ متقدمین و متاخرین بر ظاہر و باطن ایشاں انگشت نتوانست نہاد مقبول ہمہ بودند "

خواجہ عبداللہ حصنی ۴۸۱ھ نے فرمایا ہے کہ پانچ پیر قابلِ تقلید ہیں ان پانچ میں ایک خواجہ جنید بھی ہیں۔ شیخ فرید الدین عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں ان کے متعلق لکھا ہے

" ابتدائے حال سے آخر تک سب فرقوں کے نزدیک مقبول، محمود اور دلپسند رہے۔ سب آپ کی امامت پر متفق تھے، آپ کا قول طریقت میں مقبول ہے اور

سب زمانوں میں پسندیدہ رہا ہے کوئی آدمی آپ کے ظاہر و باطن پر نکتہ چینی اور اعتراض
نہیں کر سکتا۔ آپ اہل تصوف کے پیشوا تھے آپ کو سید الطائفہ اور لسان القوم سے
مخاطب کیا گیا ہے طاؤس العلماء اور سلطان المحققین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ شریعت،
طریقت اور حقیقت میں انتہائی درجہ کو پہنچے ہوئے تھے۔ زہد میں بے نظیر گزرے
ہیں اور طریقت میں مجتہد تھے۔

منصور حلاج ۳۰۹ھ

حلاج کے متعلق جس قدر روایات ہیں ان میں بے حد اختلاف ہے اور
اس قسم کی باتیں ہیں جن پر شدید اعتراضات اور قوی شبہات وارد ہوتے ہیں۔ حلاج کا
تمام قصہ قرامطہ کی جعل سازیوں سے بھرا ہوا ہے اور اس میں اس درجہ چالاکی و تلبیس
سے کام لیا گیا ہے کہ اب صحیح واقعہ کا پتہ چلنا ممکن نہیں اس کی وجہ سے جو گمراہی پھیل گئی
ہے اس کا انسداد نبی کے سوا کسی سے ممکن نہیں بڑے بڑے علماء بھی ان واقعات
کی فریب کاریوں سے محفوظ نہ رہ سکے حلاج کے واقعہ کو بعض اہل سنت نے بے
خبری میں صحیح جانا، بعض نے حسن ظن کے غلبہ سے تاویلیں کیں، بعض نے تاریخ
و قصص اور شاعری کی رونق کے لئے اختیار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ متاخرین نے منصور کو ولی
کامل سمجھ لیا اور روایات مشہور کو عقیدہ بنا لیا حسین بن منصور حلاج بیضا کا رہنے
والا تھا اس کا دادا آتش پرست تھا اس کا نام بھی تھا جو ساحر و شعبدہ باز تھا یہ
عبداللہ بن الملک کوفی مشہور ساحر کا شاگرد تھا عبداللہ ابو خالد کابلی ساحر کا شاگرد
تھا وہ ذرتانی [illegible] ساحر کا شاگرد تھا وہ سجاح [illegible] بنت جارح بن سوید تمیمیہ ساحرہ
فریب و شعبدہ نبوت کا شاگرد تھا۔

حسین بن منصور حلاج اس وجہ سے مشہور ہوا کہ ایک حلاج سے اس کا بحد
ارتباط تھا دونوں ایک جان دو قالب تھے ورنہ یہ خود حلاج نہ تھا حسین بن منصور
حلاج نمود کا اظہار کرتا، کرامات دکھاتا، کشف کر کے حالات بتاتا، گرمیوں کے
پھل سردیوں میں اور سردیوں کے گرمیوں میں پیدا کرتا، غیب سے روپیہ منگاتا
اس روپیہ پر کندہ ہوتا تھا "قل ھو اللہ احد" ان کا نام اس نے دراہم قدرت اللہ
رکھا تھا۔ بعض اس کو ولی سمجھتے تھے بعض شعبدہ باز اور ساحر کہتے تھے۔ اہل

تذکرہ نے لکھا ہے کہ وہ خواجہ شیخ عمر بن عثمان کی کا مرید تھا۔ ان کی کتابیں چرا کر لے گیا تھا جب خوزستان میں پہونچ کر اس نے تصوف کا جال پھیلایا تو اہل خوزستان نے اس کے پیر و مرشد سے دریافت حال کیا۔ انہوں نے اس کے متعلق اچھے خیالات کا اظہار نہ کیا اسلئے اہل خوزستان اس سے برہم ہو گئے

یہ ہندوستان میں شعبدہ بازی سیکھنے بھی آیا تھا اور اس نے ایک عورت سے رسی پر چڑھ کر غائب ہو جانے کا شعبدہ بھی سیکھا تھا۔

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حسین بن منصور کے فرزند حمد نے بیان کیا کہ میرا باپ سحر سیکھنے کے لئے ہندوستان، ترکستان اور چین وغیرہ گیا تھا

جس جہاز میں حسین بن منصور سوار ہو کر آیا تھا اسی میں علی الحاسب بھی سوار تھا دونوں میں میل جول ہو گیا تھا۔ علی الحاسب نے بیان کیا ہے کہ حسین نے مجھ سے خود کہا کہ میں ہندوستان کم سیکھنے جا رہا ہوں ایسا ہی اس نے اپنے دوسرے ہم سفر المزین سے کہا المزین نے بیان کیا ہے کہ وہ ساحل پر اترا اور ایک جوگی کی کٹی میں چلا گیا۔

"وہ میوہ اور مٹھائی وغیرہ جنگلوں میں چھپا دیتا اور لوگوں سے کہتا کہ فلاں جگہ جاؤ میوہ ملے گا اور مٹھائی ملے گی"

عریب بن سعد قرطبی نے جو حلاج کے قریب زمانہ کا مورخ ہے اس کو گمراہ خبیث شعبدہ باز اور چالاک لکھا ہے نیز لکھا ہے کہ کہیں شیعہ بنتا تھا، کہیں سنی کہیں معتزلی اور وہ حلول کا قائل تھا۔ ابن حوقل سیاح ۳۶۶ھ نے بھی لکھا ہے کہ وہ حلول کا قائل تھا۔ ابن ندیم ۳۷۷ھ نے بھی اس کو حیلہ گر شعبدہ باز وغیرہ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ صوفی بنتا تھا اور کبھی شیعہ ہو جاتا تھا شیخ ابو علی ابن مسکویہ ۴۲۱ھ نے لکھا ہے کہ اس نے مہدویت کا بھی دعویٰ کیا تھا اور خدائی کا بھی دعویٰ کیا تھا۔ امام الحرمین ابوطاہر بغدادی ۴۲۹ھ، امام ابوبکر باقلانی محدث، ابن جوزی اور علامہ امام ذہبی نے اس کی بہت برائی کی ہے شیعہ فاضل ابوریحان بیرونی ۴۴۰ھ نے لکھا ہے "حلاج پہلے مہدی بنا، وہ ایک شعبدہ باز فریبی آدمی تھا پھر اس نے حلول کا دعویٰ کیا۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ اس نے تصوف اختیار کیا تھا اور شعبدہ باز اور لا مذہب تھا حسین بن منصور

ا تاریخ ابن مسکویہ برحاشیہ طبری ۱۵۸ جز مصر ۱۳۲۰ھ ا تاریخ بغداد ابن الطقطقی مطبوعہ مصر ۲۳۲
۳ اخبار الحا... [illegible]

حلاج اور اس کے واقعہ کے متعلق چند ایک روایات ہیں، اب میں ان کو نقل کر کے ان پر جو شبہات میرے دل میں پیدا ہوئے ہیں لکھتا ہوں

(۱) امام الحرمین جوینی نے کتاب الشامل فی اصول الدین میں لکھا ہے "تین آدمیوں نے باہم صلاح کی کہ سلطنت اسلام کو الٹ دیا جائے، فساد برپا کرایا جائے اور لوگوں کو تالیف قلوب کے ذریعہ مرتد کیا جائے ایک ابوطاہر سلیمان بن سعید حسن شبالی رئیس قرامطہ دوسرا الحکیم ابن مقفع تیسرا المنصور حلاج، اول الذکر نے ممالک احسا میں دوسرے نے ممالک ترک میں اور حلاج نے بغداد میں کام شروع کیا"

میرے نزدیک اس روایت میں یہ غلطی ہے کہ منصور کو ابن مقفع کا ہمعصر قرار دیا گیا ہے لیکن ابن مقفع اور منصور کے درمیان ڈیڑھ صدی کا فاصلہ ہے ابن مقفع کا ۱۶۹ھ میں خاتمہ ہو چکا تھا اور منصور کو ۳۰۹ھ میں سولی دی گئی تھی

(۲) تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ خواجہ جنید نے منصور کے قتل کا فتویٰ دیا اس روایت میں یہ غلطی ہے کہ حضرت جنید منصور کے قتل سے بارہ سال قبل وفات پا چکے تھے ہم نے اس پر باب الکشف میں بحث کی ہے۔

(۳) امام سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اور امام ذہبی نے طبقات دول اسلام میں ۳۰۱ھ ہجر کے حالات میں لکھا ہے کہ خلیفہ مقتدر عباسی کے عہد میں حسین بن منصور حلاج کو تشہیر کیا گیا اور منادی کرائی گئی کہ یہ قرامطہ کا داعی ہے وہ ۳۰۹ھ میں قتل کیا گیا لوگوں میں یہ بھی مشہور ہوا کہ یہ الوہیت کا مدعی ہے اور حلول کا بھی قائل ہے

اس روایت پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ تشہیر و قتل میں آٹھ سال کا فرق کیوں ہوا؟ بعض اس کو ولی جانتے تھے، بعض شعبدہ باز اور ساحر، بعض لوگوں نے اس کو خدا بھی کہا، جب حامد وزیر خلیفہ مقتدر عباسی کو خبر ہوئی تو اس نے لوگوں کو بلا کر دریافت کیا، ایک جماعت نے اقرار کیا کہ ہم اس کو خدا سمجھتے ہیں حلاج نے انکار کیا اور کہا میں بندہ ہوں اور عبادت کرتا ہوں وزیر نے قاضی ابوبکر وغیرہ فقہاء سے اس کے قتل کا فتویٰ طلب کیا، علماء نے کہا جب تک ہمارے نزدیک اس کا جرم ثابت نہ ہو ہم فتویٰ نہیں دے سکتے۔ ایک شخص نے

خبر دی کہ بصرہ میں کچھ لوگ حلاج کے اصحاب میں سے ہیں جو اس کی خدائی کی تبلیغ کرتے ہیں میں ان کو جانتا ہوں میں بھی انہی میں سے تھا جب مجھ کو معلوم ہُوا کہ یہ ساحر ہے تو میں نے توبہ کر لی، ایک لڑکی نے بیان کیا کہ مجھ سے حلاج نے کہا کہ وہ آسمان کا خدا ہے اور میں اس کا خدا ہوں۔ حلاج نے اپنے مذہب کے متعلق ایک کتاب بھی لکھی تھی، وزیر نے اصحابِ حلاج کو تلاش کرایا تو تین، شخص، حمید، سمیری اور محمد بن علی قنیائی ایک گھر میں چھپے ہوئے ملے اور ایک کتاب بھی ملی جو سونے سے لکھی ہوئی اور ریشم میں لپٹی ہوئی تھی اس میں کچھ رموز و کنایات میں لکھا ہُوا تھا مبلغین اور اصحابِ حلاج کے اسماء تھے ایک ورق پر لکھا ہُوا تھا کہ جو شخص حج کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ اپنے گھر کی ایک کوٹھی کو صاف کرکے عرفہ کے دن اس کا طواف کرکے کچھ خیرات کر دے اس کا حج ہو جائے گا (یہ قرامطہ کا سا عقیدہ ہے) وزیر نے یہ کتاب قاضی کو دکھائی قاضی نے حلاج سے دریافت کیا کہ یہ تو نے کہاں لکھا دیکھا، حلاج نے کہا حسن بصری کی کتاب، اخلاص میں، قاضی نے کہا اس کتاب کو مکہ میں میں نے خود پڑھا ہے اس میں یہ نہیں لکھا اس پر وزیر نے حلاج کے قتل کا فتوی لکھایا حلاج نے کہا، مجھے قتل نہ کرو میں مسلمان ہوں میرا مذہب سنت ہے اور اس کے متعلق میری تصانیف ہیں مگر وزیر نے خلیفہ سے اجازت لے کر حلاج کو قتل کرا دیا

اس روایت میں یہ چند شبہات پیدا ہوتے ہیں ایک یہ کہ جس جماعت نے حلاج کے خدا ہونے کا عقیدہ ظاہر کیا تھا وہ گرفتاری اور قتل سے کیوں مستثنی رہی دوسرے یہ کہ کتاب میں جن مبلغین کے نام لکھے تھے ان کی گرفتاری وقتل وغیرہ کا اس روایت میں کچھ ذکر نہیں، تیسری یہ کہ جب حلاج نے کہا میں مسلمان ہوں، بندہ ہوں، اہل سنت ہوں عبادت گذار ہوں اور مذہب اہل سنت کے متعلق میری تصانیف ہیں تو کسی ایسی کتاب کی تصنیف سے صاف انکار نہیں کیا گیا پھر کس جرم پر فتوی دیا گیا، جو تھے یہ کہ کتاب میں صرف حج کا ذکر لکھا تھا، الوہیت کا دعوی یا انا الحق وغیرہ کا کچھ ذکر نہیں تھا۔ اور وجہ قتل انا الحق مشہور رہے۔

(۵) علامہ محمد لطفی جمعہ وکیل مصر نے اخبار البلاغ مصر میں حلاج کے متعلق

اپنی تحقیقات شائع کرائی تھی اس کا ترجمہ ہفتہ وار اخبارِ ہند کلکتہ نے مارچ ۱۹۴۵ء میں شائع کیا جو درج ذیل ہے

"خلیفہ ابو الفضل جعفر المقتدر باللہ عباسی جس کا عہد حکومت ۳۲۰ھ ہجری کو ختم ہوا مثل شاہِ شطرنج تھا یہ دو مرتبہ معزول کیا گیا۔ آخر قتل کیا گیا خلیفہ کا وزیر حامد بن عباس سب پر حاوی تھا، وہ چاہتا تھا کہ ملک میں اس کے سوا خلیفہ پر کسی کا اقتدار نہ ہو، منصور حلاج صوفی تھا بہت لوگ اس کے مرید تھے یہ بغداد میں رہتا تھا اس کی بہت سی کرامتیں مشہور تھیں، مقتدر تشوری داروغہ محلات شاہی بھی اس کا مرید تھا خلیفہ بیمار ہوا مقتدر تشوری نے خلیفہ سے کہا کہ اگر حلاج سے آپ رجوع کریں تو آرام ہو جائے گا خلیفہ نے حلاج کو بلایا حلاج کے عمل سے خلیفہ کو صحت ہو گئی پھر خلیفہ کی ماں بیمار ہو گئی وہ بھی حلاج کے عمل سے اچھی ہو گئی خلیفہ کو حلاج سے عقیدت ہو گئی، خلیفہ نے حلاج کو اپنے محل میں رکھ لیا وزیر حامد جس کو مسعودی، ابن خلدون، ابن اثیر، خیالی، یاقوت اور تمام مورخین نے ظالم لکھا ہے، کو ظلم کرنے میں لطف آتا تھا اور وہ سخت حاسد تھا کسی کا عروج نہ دیکھ سکتا تھا وہ خلیفہ پر اس قدر حاوی تھا کہ اس نے خلیفہ کی سب سے بڑی مغلانی اُمِ موسیٰ کو گالیاں دیں اور خلیفہ کچھ نہ کر سکا وزیر حلاج کے عروج کو دیکھ کر جل گیا اور اس کے گرانے کی فکر میں لگ گیا ایک شخص عباسی نام اور دوسرا ابو علی ہارون بن عبد العزیز بھی محض حسد کی بنا پر حلاج کے مخالف ہو گئے انہوں نے حلاج کے خلاف کوئی تدبیر کارگر ہوتے نہ دیکھی سوائے اس کے کہ حلاج پر کوئی شرعی الزام لگایا جائے انہوں نے وزیر سے سازش کر کے یہ مشہور کیا کہ حلاج خدا ہونے کا مدعی ہے، محمد بن علی قناعی کی پرستش کرتا ہے اور مسلمانوں کو اس کی عبادت کی ترغیب دیتا ہے اسی طرح ایک ہاشمی شخص کے متعلق کہا گیا کہ وہ کہتا ہے حلاج خدا ہے اور میں اس کا پیغمبر ہوں، ان خبروں کو پھیلا کر وزیر نے خلیفہ سے کہا کہ حلاج کو میرے حوالہ کیجئے تاکہ اس کے مقدمہ کی تحقیقات کی جائے خلیفہ وزیر سے دبتا تھا بادلِ ناخواستہ حوالے کر دیا، مقتدر تشوری نے خلیفہ سے بہت کہا کہ حلاج کو وزیر کے حوالے نہ کرے مگر خلیفہ نے وزیر کے خوف سے نہ مانا، وزیر نے ایک جماعت سے اقرار کرایا کہ وہ حلاج

کے مرید ہیں اور حلاج کو خدا جانتے ہیں ان لوگوں نے یہ شہادت دی، لیکن حلاج نے کہا میں ان میں سے کسی سے واقف نہیں ہوں میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ ربوبیت یا الوہیت یا نبوت کا دعویٰ کروں، میں ایک معمولی آدمی ہوں خدا کی عبادت کرتا ہوں اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتا۔ وزیر نے قاضی ابوعمر و ابو جعفر بہلول اور دیگر علماء سے کہا کہ لوگ گواہی دیتے ہیں کہ حلاج خدائی کا مدعی ہے لہٰذا اس کے قتل کا فتویٰ دیا جائے، علماء نے کہا جب تک حلاج ہمارے سامنے دعویٰ نہ کرے ہم فتویٰ نہیں دے سکتے کیونکہ گواہوں کی تکذیب کرتا ہے اور الوہیت کے دعوے سے انکار کرتا ہے، اب وزیر نے حلاج کو بدنام کرنے اور عام لوگوں کو اس کی طرف سے برانگیختہ کرنے کی یہ تدبیر کی کہ ایک عورت حیدرہ بنت سمری سے یہ بیان کرایا کہ حلاج نے اس سے کہا کہ اگر تیرا شوہر تیرے ساتھ برا سلوک کرے جو نیشاپور میں ہے تو تو روزہ رکھنا اور شام کو چھت پر چڑھ کر افطار کرنا اور میرا تصور کرکے مجھ سے اس کی شکایت کرنا میں تجھے دیکھ لوں گا اور تیری فریاد سن لوں گا، اس عورت کے بیان سے وزیر کا مقصد یہ تھا کہ ثابت کیا جائے کہ حلاج حاضر و ناظر ہونے کا مدعی ہے، اس عورت نے یہ بھی کہا کہ ایک رات حلاج میرے پاس بستر پر آیا میں نے اس کو جھڑک دیا اور حلاج کی لڑکی نے مجھ سے کہا کہ میرے باپ کو سجدہ کر میں نے کہا سجدہ خدا کے سوا کسی کو نہ چاہیئے حلاج نے کہا ایک خدا آسمان پر ہے ایک زمین پر ہے اس کے بعد وزیر نے حلاج کو قید کر دیا پھر اس کو المطبق نام قید خانہ میں منتقل کر دیا یہ زمین کے نیچے ایک تہ خانہ میں تھا جہاں نہ ہوا آتی تھی نہ روشنی، حلاج کے پیروں میں تیرہ بیڑیاں ڈالی گئی تھیں جو ٹخنوں سے لیکر گھٹنوں تک پہونچ گئی تھیں حلاج کے ساتھ اس کا پندرہ سالہ لڑکا احمد بھی قید کیا گیا تھا حلاج قید خانہ میں روزانہ ایک ہزار رکعت نماز پڑھتا تھا، شیخ عبداللہ خفیف کا بیان ہے کہ میں قید خانہ میں حلاج سے ملنے گیا تو اس کا لڑکا مجھ کو ملا میں نے اس سے دریافت کیا، شیخ کہاں ہیں؟ اس نے قید خانہ کے دوسرے حصے کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ وہاں چند بد معاش قید ہیں، شیخ ان کے پاس جاتے ہیں ان کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں وہ ان کے ہاتھ پر توبہ کر چکے ہیں، اسی عرصہ میں منصور حلاج آگیا،

دو حبشی آدمی تھا جس نے اس سے باتیں کیں، موقع پاکر حلاج قید خانہ سے بھاگ کر سوبہ اہواز کے صدر مقام سوس میں پہونچا اور ایک یہودی کے گھر جاکر چھپا، وزیر نے جگہ جگہ تلاش کرایا آخر حلاج گرفتار ہوا، گرفتار کرنے والوں نے پوچھا تو حلاج ہے حلاج نے کہا میں نے کسی حلاج کا نام بھی نہیں سنا، مگر انہوں نے چھوڑا، وہاں سے پا بجولاں بغداد لایا گیا اور قید کر دیا گیا ۲۵ ربیع الاول ۳۰۱ھ کو پھر اس پر مقدمہ چلایا گیا اور حلاج پر تشدد کیا گیا وزیر نے حلاج سے کہا کیا یہ سچ نہیں کہ تو نے پہلے مہدی ہونے کا دعوی کیا تھا اور اب خدا ہونے کا مدعی ہے؟ حلاج نے کہا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ میں بھلا کیونکر نبوت و الوہیت کا دعوی کر سکتا ہوں، میں محض ایک معمولی آدمی ہوں اللہ کی عبادت کرتا ہوں روزہ اور نماز ادا کرتا ہوں اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتا اسی مقدمہ کے دوران میں ایک دن ابوالحسن علی بن عیسی نے جب حلاج کی بہت توہین کی تو اس کو غصہ آگیا اور حلاج نے کہا بس اور آگے نہ بڑھنا ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکلے ورنہ میں زمین تجھ پر الٹ دونگا علی بن عیسی یہ سن کر ڈر گیا اور اس مقدمہ کی تحقیقات سے علیحدہ ہو گیا حلاج مقدمہ کے دوران میں کثرت سے یہ دعا پڑھتا تھا۔

سبحانک لا الہ الا انت عملت سوءً وظلمت نفسی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنب الا انت، یعنی پاک ہے تو اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں نے بدی کی ہے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تو مجھے بخش دے تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں ہے۔

وزیر بہت لاچار ہو گیا اور حلاج پر کوئی جرم ثابت نہ کر سکا تو آخر اس نے جھلا کر کہا کہ حلاج کی داڑھی مونڈ کر خوب پیٹا جائے اور دجلہ کے پل پر سولی باندھ کر زندہ لٹکا دیا جائے چنانچہ یہی کیا گیا، ایک منادی چلا کر کہتا تھا دیکھو قرامطہ کا پیغمبر یہی ہے کچھ دیر کے بعد حلاج کو اتار لیا گیا اور آٹھ برس سات مہینے آٹھ دن قید رکھا گیا پھر ۲۳ ذیقعدہ ۳۰۹ھ میں اس کو سولی دے دی گئی۔"

اس تحقیقات پر یہ چند قوی شبہات وارد ہوتے ہیں

(۱) حلاج سمات حیدرہ کے بستر پر گیا اور اس کی بیٹی اسکے ساتھ تھی کیا ایسا کسی سخت سے سخت بد معاش سے بھی ممکن ہے۔

(۲) حلاج کے ساتھ اس کاٹڈ کا کس جرم میں فیصلہ کیا گیا تھا؟

(۳) وزیر نے حلاج سے یہ کہا تھا کہ اول تو نے مہدویت کا دعوی کیا اب الوہیت کا مدعی ہے تو حلاج نے جواب دیا کہ میں نبوت والوہیت کا مدعی نہیں۔ امام مہدی امام ہوں گے نبی نہیں پھر یہاں نبوت کا کیا ذکر تھا؟

(۴) جب حلاج کو اس قدر بیڑیاں پہنائی گئی تھیں کہ گھٹنوں تک پہونچ گئی تھیں تو وہ دوسرے قیدیوں کے کمرے میں کیوں کر جا سکتا تھا۔

(۵) مقدمہ نو برس تک جاری رہا اس زمانہ میں مقدمات میں اس قدر زمانہ کا صرف ہوتا صحیح نہیں ہو سکتا۔

(۶) وزراء و امراء جس شخص کے متعلق اس قسم کی سازش کرتے تھے اس کو جلد از جلد ٹھکانے لگا دیتے تھے۔

(۷) جس جماعت نے یہ اقرار کیا کہ وہ حلاج کی الوہیت کے قائل ہیں ان کی تنبیہ و سزا کا کچھ ذکر نہیں۔

(۸) منصور کے سولی پانے کی تاریخ ۲۵ ذی الحجہ ۳۰۹ھ ہجری ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں لیکن اس مضمون میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خواجہ عبداللہ خفیف نے قیدخانہ میں منصور سے ملاقات کی مگر اس زمانے میں بروئے تاریخ خواجہ صاحب خورد سال تھے ان شبہات کے علاوہ مجھے منصور پر اور شبہات بھی ہیں

(۹) تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ خواجہ عبداللہ خفیف جب منصور کی سولی کے نیچے پہونچے نوجوان بخش ہو گئے یہ بھی بروئے تاریخ غلط ہے کیونکہ خواجہ صاحب کی وفات منصور کے واقعہ سے باسٹھ سال کے بعد ان کے وطن شیراز میں ہوئی۔

(۱۰) منصور کے متعلق تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ اس کا انا الحق کہنا اور اس پر سولی پانا دونوں غلط ہیں، مولینا خواجہ جامی نے بھی نفحات الانس میں لکھا ہے۔

"بر حلاج سخنہائے دروغ گو بند و کلمات نامفہوم و ناراست بند ند و کتابہائے مجہول و جہل بوے منسوب دارند"

(۱۱) حلاج کو بغداد میں سولی دینا بیان کیا گیا ہے لیکن حلاج کی قبر ہندوستان میں بمقام محمود نگر (سی۔ آئی۔ آر) میں ہے اس تحقیق نے انا الحق اور بغداد اور سولی

علے مجلہ تحقیقاتِ لسانیات حیدرآباد دکن جلد ششم ۱۹۴۴ء

وغیرہ کی بنیادیں عمارت وغیرہ جو بنائی گئی تھی سب کو منہدم کر دیا۔
انا الحق کہنے والے کے متعلق اور حلاج کے متعلق ائمہ طریقت کا فتویٰ:۔
شیخ اکبر فصوص الحکم میں فرماتے ہیں
"حلاج کو تجلیٔ ذات حاصل تھی اور افراد کا مقام رکھتا تھا"
اس پر خواجہ سید محمد بن جعفر مکی حسینی صاحب بحر المعانی و بحر الانساب خلیفہ
خواجہ چراغ دہلوی لکھتے ہیں
"اس کو تجلی ذات کی ہوتی تو ہرگز انا الحق نہ کہتا اس لئے کہ تجلی ذات میں محویت
ہوتی ہے اور محو کو کیا معلوم، میں کون ہوں کیا ہوں"۔
راقم سطور عرض کرتا ہے کہ جو قول شیخ اکبر کی طرف منسوب ہے وہ حضرت شیخ
کا معلوم نہیں ہوتا کسی تحریف کرنے والے کی کارستانی ہے کیونکہ حضرت شیخ بڑے
فاضل اور ولی کامل تھے وہ ایسی کمزور بات نہیں فرما سکتے تھے، خواجہ مکی نے جو اعتراض
کیا ہے وہ صحیح ہے
(۲) امام شعرانی نے طبقات کبریٰ میں حضرت غوث الاعظم کا قول نقل کیا ہے کہ
"حلاج سے لغزش ہو گئی تھی اور اس زمانہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس کو سنبھال
لیتا"۔
راقم سطور عرض کرتا ہے کہ یہ قول حضرت غوث پاک کا نہیں ہو سکتا اور نہ امام شعرانی
ایسے قول کو نقل کر سکتے تھے یہ بھی تحریف ہے کیونکہ یہ دونوں حضرات کیا اپنے سلسلہ
کے بزرگوں کو ایسا ناقص اور ادنیٰ درجہ کا بتا سکتے تھے اس زمانہ میں خواجہ شبلی اور
خواجہ ابو العباس نہاوندی جیسے اولیائے عظام موجود تھے۔ جنکی کمالیت و علمیت کو
تمام اولیائے کرام نے تسلیم کیا ہے اور جو حضرت غوث پاک کے سلسلہ کے امام ہیں
اور ان کے دادا پیر خواجہ ممشاد علو کے مرشدوں سے ہیں
(۳) خواجہ جامی نے نفحات الانس و لوائح الانوار میں شعرانی کا بیان لکھا ہے۔
"زیادہ تر مشائخ نے حلاج کو رد کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو تصوف سے
کوئی لگاؤ نہ تھا"
(۴) فوائد السالکین میں بابا فریدالدین گنج شکر نے اپنے مرشد خواجہ قطب الدین

بختیار کاکی کا قول نقل کیا ہے

"اگر منصور حلاج کامل ہوتا تو ہرگز دوست کا بھید ظاہر نہ کرتا لیکن چونکہ کامل نہ تھا اس واسطے دوست کے اسرار کو اس نے ظاہر کر دیا اور جان سے گیا"

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ یہ قول نہایت ہی کمزور ہے یہ قول حضرت باباکا نہیں ہو سکتا یہ بھی تحریف ہے کیونکہ اول تو انا الحق کہنا ثابت ہی نہیں دوسرے یہ کہ جو قول حلول و اتحاد کے عقیدہ کا نتیجہ ہے اور علماء اور صوفیا دونوں کے نزدیک باطل ہے وہ سرّ الٰہی نہیں ہو سکتا ہم نے اس پر کسی دوسری جگہ بحث کی ہے۔

(۵) خواجہ علی ہجویری نے کشف المحجوب میں لکھا ہے حلاج کو صوفیائے متاخرین نے قبول کیا ہے اور بعض صوفیائے متقدمین نے اس کو مہجور کیا ہے تو یہ اس کی بے دینی کی وجہ سے نہیں معاملہ کا مہجور اصلی مہجور نہیں ہوتا"

اس بیان پر چند اعتراض وارد ہوتے ہیں اول یہ کہ اس میں کہا گیا ہے کہ صوفیائے متاخرین نے منصور کو قبول کیا ہے۔ لیکن تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ خواجہ جنید اور امام ابوالقاسم قشیری نے اس کو قبول کیا ہے۔ یہی خواجہ جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے اور یہ دونوں حضرات صوفیائے متقدمین میں سے ہیں، دوسرے یہ کہ شیخ ابو سعید ابوالخیر و خواجہ ابوالقاسم گرگانی و شیخ ابوعلی فارمدی و خواجہ ہمدان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ منصور کے حال کے بارے میں متوقف ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ حسین کا ان باتوں سے کیا مطلب تھا یہ سب لوگ بھی صوفیائے متقدمین میں سے ہیں۔

شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ۴۸۱ھ نے فرمایا ہے کہ میں حسین کو چند وجہ سے قبول نہیں کرتا (۱) مشائخ سلف نے اس کو قبول نہیں کیا (۲) اس کے قبول نہ کرنے میں دین و شرع کی رعایت ملحوظ ہے مگر میں رد بھی نہیں کرتا اور جو اسے قبول کرتا ہے اسے پسند کرتا ہوں"۔

خواجہ انصاری بھی صوفیائے متقدمین میں سے ہیں وہ گویا ایک طرح پر اس کو قبول کر رہے ہیں اور اس میں یہ جو کہا گیا ہے کہ مشائخ سلف نے ان کو قبول نہیں کیا یہ صحیح نہیں - جنید اور ابوقاسم بھی مشائخ

متقدمین سے ہیں

(۴۹) حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ غلبہ حال سے پہلے کفر اور اسلام
میں تمیز نہ کرنا جس طرح اہل شریعت کے نزدیک کفر ہے اہل حقیقت کے نزدیک
بھی کفر ہے اگر کوئی اختلاف ہے تو غلبۂ حال کی صورت میں ہے اہل شریعت ایسے
مغلوب الحال کو جو کفر و اسلام میں تمیز نہ کرتا ہو کافر جانتے ہیں اور اہل حقیقت کے
نزدیک وہ کافر نہیں یہی وجہ ہے کہ فقہاء منصور حلاج کو کافر بتاتے ہیں اور اہل
حقیقت تکفیر نہیں کرتے تاہم یہ بھی اسے ناقص جانتے ہیں کاملین میں سے
نہیں گنتے (از مکتوبات قدسیہ)

راقم سطور کو اس بیان کے الحاقی ہونے کا بھی گمان ہے کیونکہ اس میں
کہا گیا ہے کہ اہل حقیقت اس کو کافر جانتے لیکن خواجہ جامی نے لکھا ہے کہ اکثر
مشائخ نے اس کو رد کیا ہے اور خواجہ ابو یعقوب جوری نے اس کو ساحر کہا
ہے سلطان المشائخ نے مردود کہا کیا یہ حضرات اہل حقیقت نہ تھے

حلاج کے خلاف

نفحات الانس میں خواجہ جامی نے تحریر فرمایا ہے
"زیادہ تر مشائخ نے حلاج کو رد کیا ہے"
خواجہ فرید الدین عطار تذکرۃ الاولیاء میں حلاج کے بیان میں لکھتے ہیں۔
"کہ وہ خواجہ عمرو بن عثمان مکی کا مرید تھا"
(خواجہ عمرو مرید تھے خواجہ ابو سعید خراز و حضرت جنید کے)
خواجہ ابو یعقوب نہرجوری خلیفہ اعظم خواجہ عمرو (حلاج کے پیر بھائی) نے
حلاج کو ساحر کہا ہے۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ حضرت سلطان نظام الدین
اولیاء سے ابن منصور حلاج کی نسبت دریافت کیا گیا تو فرمایا مردود ہے۔

حلاج کے موافق

تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے خواجہ جنید اور خواجہ ابو القاسم قشیری منصور کی
عصمت حال کے منکر ہیں خواجہ ابو العباس عطاء، شیخ عبد اللہ خفیف، خواجہ ابو القاسم
نصر آبادی، خواجہ شبلی اور شیخ ابو العباس شریح اس کے ماننے والوں میں ہیں۔

اس بیان پر یہ اعتراض ہے کہ خواجہ جنید بغدادی تو اس واقعہ سے بارہ سال پہلے وفات پا چکے تھے اور خواجہ ابوالعباس عطا نے اس واقعہ سے ایک ماہ قبل وفات پائی ہے

ان تمام روایات و بیانات پر نظر کرنے سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) منصور نے اناالحق نہیں کہا

(۲) منصور کے قتل پر علماء نے فتویٰ نہیں دیا بلکہ وزیر نے خلیفہ سے اجازت لے کر قتل کرایا

(۳) ایک منصور حلولیہ فرقہ کا تھا جو قتل کیا گیا۔

تین منصور

تذکرۃ الاولیاء میں بہت سے متضاد و غلط بیانات کے بعد لکھا ہے حلاج کو ساحر یا حلولی والا جاننا تحقیق کے خلاف ہے وہ یکا موحد تھا۔ حسین منصور حلاج ایک اور شخص تھا جس نے بلخ میں اس کی تقلید کر کے (یعنی صوفی بن کر) ظہور کیا تھا اور وہ مارا گیا تھا اس کا مذہب حلول تھا اور یہ منصور ولی کامل تھا شہر بیضاء ملک فارس کا باشندہ تھا خواجہ عمرو بن عثمان مکی کا مرید تھا وہ خواجہ جنید اور خواجہ سہل بن عبداللہ تستری وغیرہ کی صحبتوں میں مدتوں رہا تھا ایک حسین بن منصور محمد تھا جو محمد زکریا کا استاد اور ابو سعید قرمطی کا رفیق تھا وہ ساحر تھا"

شہزادہ محمد اختر چشتی نے ایک اور اضافہ کیا ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ یہ حوالے انہوں نے کہاں سے بہم پہونچائی ہیں۔

"محی الدین منصور حلاج خلیفہ جنید بغدادی تھا وہ یکا موحد تھا"[1]

نتیجہ

حسین بن منصور حلاج بیضاوی حضرت شیخ عمرو بن عثمان کے مرید تھے اور سچے صوفی تھے۔ حاسد وزیر نے سیاسی وجوہ پر ان کو قتل کرایا انہوں نے اناالحق وغیرہ کچھ نہیں کہا تحریف کرنے والوں نے منصور حلاجی کے قتل کے واقعہ اور حالات کو حلاج کے واقعہ میں ملا دیا

کسی سچے صوفی نے اناالحق نہیں کہا نہ کوئی کہہ سکتا ہے اناالحق کہنے والے

[1] تذکرۃ الفقراء صفحہ ۷ شمس المطابع لکھنؤ ۱۳۱۹ھ

کی تمام اولیائے کرام نے مخالفت کی ہے جو شخص اس قسم کے الفاظ کہے وہ صوفی عارف اور ولی کامل نہیں ہو سکتا اور اہلِ شریعت اور اہلِ طریقت دونوں کے نزدیک کافر ہے

بعض اور بزرگوں کے متعلق بھی قریب قریب اسی قسم کے الفاظ کہنا لکھا ہے وہ سب دجل و فریب ہے

بہر حال معاملہ جب حد درجہ کا مخدوش ہے تو ایسے شخص اور واقعہ کا ذکرہ کرنا ہی اولیٰ ہے اگر کسی بزرگ سے اس قسم کے کلمات کا کہنا ثابت ہو جائے تو وہ بزرگ معتوہ ہے ایسے شخص کا قول و فعل لائقِ اعتبار و قابلِ تقلید نہیں بلکہ قابلِ افسوس ہے کیونکہ اس کے کمال کا نقص ہے۔

خواجہ شبلی ۳۳۴ھ

ہمدان کے قریب ایک موضع کرخ نام تھا یہاں ایک نو مسلم ترکی خاندان آباد تھا ان کے سردار کا نام ابو دلف تھا جو خلیفہ ہارون الرشید کا ہم عصر تھا کسی نامعلوم وجہ سے اس خاندان نے موضع شبلہ ترکستانی علاقہ میں جو حصہ ملکِ ولایت فرغانہ کے نام سے مشہور تھا یہاں سمرقند سے آگے ایک شہر آباد تھا اس کا نام امروشتہ تھا اس شہر کے قریب موضع شبلہ تھا، کو نقلِ سکونت کی اس خاندان کے اکثر افراد نے میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دی۔ اس لئے سلاطین کی طرف سے ان ممالک کی گورنری اس خاندان کو عطا ہوئی اس خاندان میں ایک شخص تھا جو حیدر شبلی مشہور تھا اس کا اسلامی نام یونس تھا یہ خلیفہ المتوکل باللہ کے عہد میں حاجب الحجاب (عرض بیگی) کے عہدۂ جلیلہ پر سرفراز تھا۔ ۲۴۷ھ میں حیدر کے لڑکا پیدا ہوا جعفر اور دلف نام اور ابو بکر کنیت قرار پائی یہی خواجہ ابو بکر شبلی کے نام سے مشہور ہے

خواجہ شبلی کا خاندان مالکی مذہب رکھتا تھا خواجہ کو موطا امام مالک حفظ یاد تھی انہوں نے تیس برس حدیث، فقہ اور تفسیر کی تعلیم حاصل کی جب فارغ التحصیل ہو گئے تو خلیفہ نے ان کو نہاوند کا گورنر مقرر کر دیا۔

خلیفہ المعتضد باللہ ۲۸۹ھ نے کسی خوشی کے سلسلہ میں ایک دربار منعقد

گیا۔ اس زمانہ میں سُرَّمَن رَّأیٰ جس کو اب سامرہ کہتے ہیں بغداد کے قریب دارالسلطنت تھا، تمام صوبجات کے گورنر حاضر دربار تھے سب کو خلعت عطا ہوئے سب خلعت پہنے ہوئے خلیفہ کے تخت کے روبرو مؤدب کھڑے تھے کہ اتفاقاً ایک گورنر کو چھینک آئی اور ناک سے ریزش نکلنے کو ہوئی رومال اس کے پاس نہ تھا مجبوراً اس نے خلعت کے دامن سے ریزش کو صاف کر دیا یہ امر خلیفہ کو ناگوار ہوا اور کہا کہ اس نے ہمارے خلعت کی توہین کی لہٰذا فوراً خلعت اتروا لیا گیا اور اس کو معزول کر کے بہت بے عزتی کے ساتھ دربار سے نکلوا دیا گیا اس واقعہ سے شبلی گورنر کو یہ خیال پیدا ہوا کہ دنیا کے ایک حکمران کے خلعت کی ذراسی بے حرمتی کرنے کی اس قدر سخت سزا ہے تو جو شخص خداوند ذوالجلال کے عطا کردہ خلعت (حیات) کی بے حرمتی کرے اور اس کو اعمالِ بد کی نجاست سے آلودہ کرے اس کو کس قدر سزا ملے گی یہ خیال بجلی کی طرح شبلی کے دل و دماغ میں کوند گیا اسی وقت گورنری سے استعفا دے دیا اور مرشدِ کامل کی تلاش میں سامرہ سے بغداد آئے یہاں حضرت شیخ خیر النساج کی زیادہ شہرت تھی انہیں کے پاس پہونچے شیخ نے اول ان سے توبہ کرائی پھر ان کو خواجہ جنید کی خدمت میں بھیج دیا جب یہ خواجہ کے پاس پہونچے تو عرض کی لوگوں نے آپ کے پاس گوہرِ مراد کا پتہ دیا ہے آپ مفت عطا فرمائیں گے یا قیمت لیں گے؟ خواجہ نے فرمایا اگر میں فروخت کرنا چاہوں تو تم اس کی استطاعت نہیں رکھتے مفت دوں تو تم کو اس کی قدر نہ ہوگی اگر جوان مردوں کی طرح اس بحرِ بے پایاں میں غوطہ لگاؤ اور صبر کے ساتھ انتظار کرو تو گوہرِ مراد ہاتھ آجائے گا۔ اس کے بعد خواجہ نے فرمایا کہ نہاوند کے گورنر رہے ہو رعایا کے مظالم تمہاری گردن پر ہیں ان کو ادا کرو یا معافی حاصل کرو۔ مرشد کے حکم سے یہ نہاوند پہونچے کسی کا حق ادا کیا کسی سے معاف کرا لیا ایک شخص کا ایک درہم ان کے ذمہ رہا جب تھا اس کا کچھ پتہ نہ چلا یہ ہمیشہ اس کے نام پر خیرات کرتے رہے اور ہمیشہ خائف و لرزاں رہے خواجہ جنید

نے ان کو خانقاہ کے درویشوں کی خدمت پر مامور کر دیا یہ نہایت تن دہی سے
خدمات مفوضہ کو ادا کرتے رہے خواجہ نے ایک مرتبہ ان سے دریافت
کیا کہ تمہارے نزدیک تمہارے نفس کا کیا مرتبہ ہے؟ انہوں نے کہا
میں سب سے ذلیل ہوں خواجہ بہت خوش ہوئے اور کہا اب تمہارا
ایمان درست ہوا۔ ایک مرتبہ خواجہ نے ان سے دریافت کیا تم خدا کو کس
طرح یاد کرتے ہو آیا اس طرح کہ نہ تم میں اس کے یاد کرنے کی قابلیت
ہے اور نہ اس ذکر کی صلاحیت ہے انہوں نے عرض کیا بہ حیثیت مجاز
بس کو اسی قدر یاد کرتا ہوں کہ وہ بہ حیثیت حقیقت خود ہی میری طرف توجہ
کرتا ہے آیت کریمہ فاذکرونی اذکرکم کا بھی یہی ارشاد ہے، خواجہ جنید یہ جواب
سن کر پھڑک گئے حضرت جنید نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ رسول کریم
نے شبلی کی پیشانی پر بوسہ دیا صبح کو شبلی سے دریافت کیا کہ تم کیا عمل کرتے
ہو جس سے یہ مرتبہ حاصل ہوا، شبلی نے کہا میں بعد نماز مغرب دو نفل پڑھتا
ہوں۔ اور ان میں اکثر یہ آیت پڑھتا ہوں لقد جاءکم رسول الخ ۳۳۰ھ
میں شبلی بیمار ہوئے مریدوں نے ان کو دار الشفاء میں داخل کرا دیا علی بن عیسیٰ وزیر
کو جب ان کی علالت کی خبر ہوئی تو اس نے خلیفۃ المقتدر باللہ سے ذکر کیا
وزیر اور بادشاہ دونوں عیادت کے لئے آئے، خلیفہ نے اپنے طبیب خاص
کو جو عیسائی تھا ان کے علاج پر مامور کیا، طبیب ان کے حالات دیکھ کر معتقد
ہو گیا جب یہ صحت یاب ہو گئے تو ایک دن طبیب نے کہا اگر مجھے معلوم ہوتا
کہ آپ کے علاج کے لئے میرے بدن کے گوشت کی ضرورت ہے تو میں
اپنے بدن کا گوشت کاٹ کر دے دیتا حضرت شبلی نے فرمایا یہ باتیں میری دوا
نہیں ہیں میری دوا اور ہی ہے طبیب نے کہا وہ کیا؟ فرمایا تو مشرف
باسلام ہو جا طبیب فوراً مسلمان ہو گیا خلیفہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو
کہا ہم نے مریض کے پاس طبیب کو بھیجا تھا یہ کیا خبر تھی کہ طبیب کے
پاس مریض جا رہا ہے

جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو جمعہ کے دن شرکت جماعت

کے لیئے آدمیوں کے سہارے سے گئے جب وقت اخیر پہونچا آپ نے فرمایا وضو کراؤ خادم نے وضو کرایا اس نے داڑھی میں خلال نہ کیا تو آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر خلال کرایا کہ آخر وقت میں بھی سنت ترک نہ ہو ۳۳۴ھ میں وفات پائی خواجہ شبلی عربی کے زبردست شاعر تھے خواجہ ابو علی دقاق وغیرہ بہت سے اولیاء اللہ ان کے مرید تھے

"خواجہ ابو احمد ابدال چشتی ۳۵۵ھ"

قصبہ چشت کے رہنے والے تھے خواجہ ابو اسحاق شامی کے مرید تھے [illegible]ھ میں پیدا ہوئے ۳۵۵ھ میں اپنے وطن میں وفات پائی قبر چشت میں ہے انہیں کی نسبت سے خاندان چشتیہ مشہور ہے۔

"خواجہ ابو النصر سراج [illegible]ھ"

عبد اللہ بن علی نام ابو النصر کنیت لقب طاؤس الفقراء طوس کے رہنے والے تھے خواجہ ابو محمد مرتعش کے مرید تھے خواجہ عطار اور تمام بزرگوں نے ان کی تعریف کی ہے کتاب اللمع ان کی تصنیفات سے مشہور ہے خواجہ سری سقطی اور خواجہ سہل تستری سے بھی انہوں نے ملاقات کی

خواجہ ابو عبد اللہ خفیف [illegible]ھ

محمد نام شہزادگان شیراز میں سے تھے [illegible]ھ میں پیدا ہوئے بعد تحصیل علم شیخ رویم ۳۰۳ھ (مرید خواجہ جنید) کے مرید ہوئے شافعی المذہب تھے۔ تصوف میں صاحب تصنیف تھے سلسلہ خفیفیہ ان ہی کی طرف منسوب ہے مبلغین اسلام میں خاص طور پر آپ کا نام آتا ہے شیراز میں [illegible]ھ میں وفات پائی خواجہ ابو العباس نہاوندی ان کے خلیفہ تھے

داتا گنج بخش ۴۶۵ھ

علی بن عثمان نام، کنیت ابو الحسن موضع ہجویر (قریب غزنی) کے باشندے تھے شیخ ابو الفضل بن حسن الختلی (مرید شیخ حصری عن خواجہ شبلی) کے خلیفہ تھے مرشد کے حکم سے تبلیغ اسلام کے لیئے لاہور آئے [illegible]ھ میں وفات

پائی اہل پنجاب ان کو داتا گنج بخش کہتے ہیں

امام قشیری ۴۶۵ھ

عبدالکریم بن ہوازن نام شیخ ابو علی دقاق کے خلیفہ تھے خواجہ ابو علی فارمدی ان کے خلیفہ تھے ۴۶۵ھ میں وفات پائی

عبدالملک نام ضیاء الدین لقب، ابوالمعالی کنیت اور امام الحرمین خطاب تھا، موضع جفر یدہ (متصل نیشاپور) میں ۴۱۹ھ میں پیدا ہوئے مشاہیر علماء اور صوفیا سے علم ظاہر و باطن حاصل کر کے مکہ معظمہ میں درس قائم کیا، پھر مدینہ منورہ میں آکر سلسلہ درس جاری کیا اس لئے امام الحرمین مشہور ہوئے۔ وزیر نظام الملک محقق طوسی نے نیشاپور میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس کو مدرسۂ نظامیہ کہتے تھے اس نے امام الحرمین کو بلا کر اس کا صدر مدرس بنایا ۴۷۸ھ میں یہیں وفات پائی امام صاحب صوفیائے کبار اور علمائے کرام میں سے تھے آپ کی تصنیف بہت سی کتابیں ہیں

حضرت غوث الاعظم ۵۶۱ھ

عبدالقادر نام محی الدین لقب آپ کا پدری سلسلہ حضرت امام حسن سے اور مادری سلسلہ امام حسین سے ملتا ہے ۴۷۱ھ میں موضع جیلان (نواح طبرستان) میں پیدا ہوئے، اٹھارہ سال کی عمر میں بغداد آئے اور علم حاصل کیا۔ بہت سے مشائخ سے فیض حاصل کیا۔ خواجہ ابو سعید مخزومی سے خرقۂ خلافت پایا حنبلی مذہب تھے، فتوح الغیب وغیرہ کئی کتابیں آپ کی تصنیف ہیں۔ چونکہ عبدالقادر نام تھا اس لئے آپ کا سلسلہ قادریہ مشہور ہوا ۵۶۱ھ کو بغداد میں وفات پائی، غوث، ولایت کا ایک مرتبہ ہے گویا حکومت باطنی کا ایک عہدہ ہے چونکہ آپ اس کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے اس لئے غوث الاعظم مشہور ہوئے اہل بدعت اس لقب کو لغوی معنی پر سمجھنے لگے

خواجہ عطار ۶۲۷ھ

محمد بن ابی بکر ابراہیم نام، فریدالدین لقب، نیشاپور کے قریب ایک

موضع میں پیدا ہوئے، عطاری کی دکان کرتے تھے اس لئے عطار مشہور ہوئے، حنبلی المذہب تھے۔ خواجہ مجد الدین بغدادی کے مرید تھے۔ ان کی تصانیف کی تعداد میں اختلاف ہے، بڑے بھاری مصنف اور شاعر تھے ایک سو پندرہ برس کی عمر تھی تاتاریوں نے ان کو شہید کر دیا۔

خواجہ شہاب الدین سہروردی سنہ ۶۳۲ھ

خواجہ شہاب الدین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسل سے تھے، زنجان (عراقِ عجم) ان کے خاندان کا وطن تھا سنہ ۵۳۹ھ میں پیدا ہوئے موضع سہرورد (عراقِ عجم) میں سکونت اختیار کی اپنے چچا شیخ وجیہ الدین سے خرقۂ خلافت پایا شافعی المذہب تھے چند کتابیں ان کی تصنیف سے ہیں، سلسلۂ سہروردیہ ان کی نسبت سے مشہور ہے شیخ سعدی ان کے خلفاء سے تھے، علمائے حلب سے ان کی مخالفت ہو گئی ان کے فتوی پر سلطان حلب الظاہر بن سلطان صلاح الدین نے ان کو قتل کرا دیا یہ واقعہ سنہ ۵۸۷ھ ہجری کا ہے

خواجہ سلطان الہند اجمیری سنہ ۶۳۳ھ

معین الدین بن غیاث الدین نام، آپ حسنی الحسینی سادات سے ہیں سنہ ۵۳۷ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی سنہ ۵۵۲ھ میں والد ماجد کی وفات کے بعد بخارا پہونچ کر مولانا حسام الدین سے تکمیلِ علم کی اس زمانہ میں شیخ عثمان ہارونی کی بہت شہرت تھی یہ ہارون (قریب نیشاپور) پہونچ کر ان سے بیعت ہوئے چند ماہ بعد پیر کے ساتھ سفر حجاز کر گئے، واپسی پر بغداد، ہمدان اور اصفہان وغیرہ بہت سے مقامات کی سیر کرتے ہوئے غزنی پہنچے پھر پیر و مرشد کے حکم سے بغرضِ تبلیغ اسلام ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔ لاہور پہونچ کر داتا گنج بخش اور شیخ حسن زنجانی کے مزارات سے فیض حاصل کیا وہاں سے دہلی آئے سنہ ۵۶۱ھ میں اجمیر پہونچ کر قیام فرمایا بہت سے لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے آپ کے خلفاء کی تعداد (۲۳) بیان کی گئی ہے ان میں زیادہ مشہور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور صوفی حمید الدین ناگوری ہیں خواجہ صاحب نے سنہ ۶۳۳ھ

میں وفات پائی ۱۹۱ھ میں لوگوں کی نشان دہی سے آپ کے مزار کا نشان بنا یا گیا ۹۹۹ھ میں اکبر بادشاہ نے عمارت بنوائی

شیخ اکبر ابن عربی ۶۳۸ھ

محمد نام کنیت ابو عبد اللہ و ابو بکر لقب محی الدین اکبر و ابن عربی ۵۶۰ھ میں ہسپانیہ کے شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ علی بن محمد مشہور بزرگ تھے ظاہری المذہب تھے شیخ اکبر نے ابو العباس احمد بن محمد الحریف سے اپنے وطن میں اور شیخ ابو بکر بن خلف و شیخ ابو الحسن بن ہذیل سے اشبیلیہ میں علم قرآن و فقہ و تفسیر و حدیث کی تحصیل کی شیخ ابن بشکوال و شیخ ابن زرقون و شیخ ابن عساکر و شیخ ابن جوزی مشہور محدثین سے بھی سند حدیث حاصل کی۔ ابن رشد قرطبی سے فلسفہ حاصل کیا شیخ ابو مدین الشعیب المغربی مراکشی سے مرید ہوئے ۵۹۸ھ مکہ معظمہ پہونچے یہاں حافظ جمال الدین ابو محمد یونس بن یحیٰی العباس القصار (خلیفہ غوث پاک) سے مرید ہوئے پھر مصر و شام وغیرہ کی سیاحت کرتے ہوئے ۶۹۸ھ میں دمشق پہونچ کر قیام کیا اور قونیہ پہونچ کر نکاح کیا ۶۳۸ھ میں وفات پائی شیخ کثیر التصانیف تھے ان کی تصانیف کی تعداد میں اختلاف ہے چونکہ ان کی تصانیف میں تحریف بہت کی گئی ہے اس لیے ان پر بڑے بڑے محدثین و اولیائے کرام نے اعتراض کیے ہیں ان کی کتاب فصوص الحکم کی (۲۰۰) شرحیں لکھی گئی ہیں، شارحین میں بڑے مشہور مولینا جامی، خواجہ پارسا اور امیر کبیر سید علی ہمدانی ہیں، شیخ کی تنزیہ میں یعنی ان پر جو اعتراضات و اتہامات ہیں ان کی تردید میں اچھی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان مصنفین میں امام سیوطی و امام شعرانی امام یافعی، امام حافظ ابن حجر عسقلانی بھی ہیں ہندوستان میں علماء دیوبند کے حال میں مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی ان کی تنزیہ میں ایک رسالہ لکھا ہے۔

"شیخ شمس تبریز (۶۴۵ھ کے بعد)"

شمس الدین بن علاؤ الدین نام، تبریز اصل وطن تھا، ان کا خاندان

اسماعیلیہ تھا مگر بہ خود توبہ کرکے اہلِ سنت والجماعت ہو گئے اور اپنے وطن
میں تحصیلِ علم سے فارغ ہو کر بابا کمال جندی کے مرید ہو گئے ازار بند بن
کر بسر اوقات کرتے تھے اور اسی صنعت و تجارت کے سلسلہ میں سیاحت
کرنے کے لئے نکلے اسی سوداگری کے سلسلہ میں ۶۴۲ھ میں قونیہ پہنچے
اور برنج فروشوں کی سرائے میں مقیم ہو گئے۔ لوگ ان کی طرف رجوع ہو گئے
شہرت سن کر مولینا روم بھی ملنے گئے، مولینا کے مریدِ خاص سپہ سالار نے
اپنی کتاب میں مولینا اور شمس تبریزی کی ملاقات کا بس اسی قدر ذکر کیا
ہے یہی قابلِ اعتبار ہے بعد کی کتابوں میں اس کی ملاقات کا قصہ بنا کر
لوگوں نے مختلف طور پر بیان کیا ہے اس پر یقین کرنا مشکل ہے شمس کی
ملاقات کا مولانا پر ایسا اثر ہوا کہ درس و تدریس چھوڑ کر ریاضت و مجاہدات
میں مشغول ہو گئے لوگوں کو یہ امر ناگوار گزرا اور اس پر اس قدر برہمی پیدا
ہوئی کہ شمس کو خوف ہوا کہ کوئی ہنگامہ برپا نہ ہو جائے اس لئے شمس قونیہ
سے دمشق چلے گئے کچھ دنوں کے بعد شمس نے مولینا کو خط لکھا مولینا نے
جواب میں اپنے صاحبزادے سلطان ولد کو مع چند عمائد اور ایک ہزار اشرفی
کے بھیجا اور تاکید کی کہ شمس کو لے کر آئیں یہ قافلہ دمشق پہونچ کر شمس
سے ملا شمس نے اشرفیوں کو دیکھ کر کہا کہ ان ریزوں کی ضرورت نہیں مولینا
کا خط کافی ہے چند روز کے بعد شمس اس قافلہ کے ساتھ قونیہ آئے مولانا
اور دیگر عمائدِ شہر نے بڑی دھوم دھام سے استقبال کیا، کچھ دنوں کے بعد
شمس نے مولینا کی کنیزک کیمیا نام سے عقد کر لیا اس سے شمس اور مولینا
کے صاحبزادے علاؤ الدین چلپی میں رنجش ہو گئی، علاؤ الدین کے ساتھ کچھ
اور لوگ بھی شریک ہو گئے، اس برہمی سے شمس اس درجہ مجبور ہوئے کہ
دفعتًا غائب ہو گئے پھر کچھ پتہ نہ چلا یہ واقعہ ۶۴۴ھ کا ہے سپہ سالار نے
اسی قدر بیان کیا ہے، بعد والوں میں سے بعض نے لکھا ہے کہ شمس ناراض
ہو کر تبریز چلے گئے وہاں سے پھر مولانا ان کو راضی کرکے لے آئے کتاب جواہرِ
مضیئہ میں ہے کہ شمس کو علاؤ الدین کی رنجش کی وجہ سے مولانا کے بعض مریدوں

نے قتل کر دیا۔ نفحات الانس میں ہے کہ خود علاؤ الدین نے قتل کیا عام طور پر مشہور ہے کہ شمس نے بھی انا الحق کہا تھا، اس پر بادشاہِ وقت نے ان کی زندہ کی کھال کھچوا کر اس میں بھس بھروا دیا تھا، بعض نے لکھا ہے کہ شمس نے قُم باذن اللہ کہہ کر مردہ زندہ کیا تھا، اس پر بادشاہ نے کھال کھچوائی۔

"ملتان میں ان کا مزار ہے، صحیح وہی ہے جو سپہ سالار نے لکھا ہے کہ شمس روپوش ہو گئے پھر کچھ پتہ نہ چلا

شمس تبریز کے نام سے ایک دیوان ہے، صاحب ریاض العارفین نے لکھا ہے کہ مولانا نے شمس کے نام سے دیوان تصنیف کیا، ایک کلیات بھی شمس تبریزی کی ہے اس میں دیوان کے علاوہ قصائد بھی ہیں ان قصائد میں ایسے اشعار ہیں جو فرقہ اسمعیلیہ کے عقائد کے موافق اور اہل سنت کے خلاف ہیں، مفتی صاحب اس پر نوٹ لکھتے ہیں

" ایک کلیات اور ایک دیوان شمس تبریز کی تصنیف ہے شمس تبریز کے نام سے جو دیوان مشہور ہے وہ حضرت شمس تبریز کی تصنیف نہیں ہے یہ ایک فاحش غلطی ہے اور افسوس ہے کہ مدت سے چلی آتی ہے۔

شمس تبریز کو بابا کمال جندی کا مرید لکھا ہے لیکن مجھے باوجود تلاش کے بابا کمال جندی لقب سے کسی بزرگ کا پتہ نہیں چلا، بابا کمال خجندی کا ذکر ہے لیکن وہ شمس سے ڈیڑھ صدی بعد گزرے ہیں شمس تبریز کا صحیح سلسلۂ بیعت اس طرح ہے

شمس تبریزی عن شیخ رکن الدین سنجاسی عن شیخ قطب الدین ابہری عن ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی"

" شمس تبریز ملتانی"

اسماعیلیہ فرقے کے بہت سے داعی ہندوستان آئے ان میں زیادہ مشہور یہ حضرات ہیں پیر نور الدین نورستان کا مزار ساری میں ہے) پیر صدر الدین (ان کا مزار اوچ میں ہے) پیر حسن کبیر (ان کا مزار بہاولپور میں ہے) پیر تاج الدین (ان کا مزار سندھ میں ہے) پیر شمس تبریز (ان کا مزار ملتان میں ہے)

فاطمی دعوت اسلام کے صفحہ ۲۰ پر ہے نزاریوں کے بہت سے داعی ہندوستان میں آئے جن میں پیر شمس الدین تبریزی تھے شمس تبریزی ان کو کہا جاتا ہے ملتان میں ان کا مزار ہے عوام ان کو غلطی سے حضرت مولانا رومی کا مرشد بھی تصور کرتے ہیں

غالباً نورالدین کا لقب سید سعادت بھی تھا ان کو عام طور پر نور کہتے تھے یہ پیر صدرالدین وغیرہ سے کئی صدی قبل آئے تھے اسی سلسلہ میں عبدالوہاب بن اسماعیل صوفی اور محمود بھی تھے یہ ساتویں صدی ہجری میں گزرے ہیں۔

پیر صدرالدین

یہ پیر شمس کے ہمراہ آیا تھا اس نے کمہاروں اور سناروں کو مسلمان کر کے شمس مت بنایا جس قدر آغا خانی خوجے ہیں وہ سب صدرالدین کی کوشش سے مسلمان ہو کر اسماعیلی بنے صدرالدین نے اپنا ایک نام ہندوانی بھی رکھا تھا اور یہ عقیدہ قائم کیا تھا کہ حضرت علی وشنو کے دسویں اوتار تھے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برہما اور آدم علیہ السلام کو شیو کہتا تھا اس کی تصنیف ایک کتاب دساوتار نام سے یہ خوجوں میں مقدس سمجھی جاتی ہے

امام الدین

سنہ ۸۵۳ھ میں اوچہ پنجاب میں آیا وہاں سے گجرات پہونچا اس نے اپنا فرقہ علیحدہ بنایا امام شاہی نام رکھا اس کا سجادہ نشین ایک ہندو مہنت تھا اس کے معتقد جو بظاہر مسلمان ہیں ان کو مومن کہتے ہیں اور جو بظاہر ہندو اور بہ باطن مسلمان ان کو گپتی کہتے ہیں اس فرقہ کو مت پنتھی بھی کہتے ہیں اس کے فرزند محمد شاہ نے ایک کتاب تصنیف کی تھی اس کا نام سید نتی ہے۔

خواجہ گنج شکر سنہ ۶۶۴ھ

مسعود بن سلیمان کابلی نام، فریدالدین شکر گنج لقب موضع کھتوال (متصل پاکپٹن پنجاب) میں پیدا ہوئے، بعد تحصیل علم خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید ہوئے ایک مرتبہ اپنے مرشد کے ساتھ یہ اپنے دادا پیر خواجہ اجمیری کی خدمت میں حاضر ہوئے، خواجہ صاحب نے ان کو دیکھ کر خواجہ قطب الدین

سے فرمایا

"قطب الدین بسیار شہباز بلند پرواز بدست آوردی"

۶۶۴ھ کو پاکپٹن میں وفات پائی، سلطان نظام الدین اولیاء اور خواجہ علاؤ الدین صابر کلیری ان کے خلیفہ تھے خواجہ گنج شکر اردو زبان کے سب سے پہلے شاعر تھے۔

قاضی حمید الدین ناگوری ۶۷۸ھ

قاضی حمید الدین بن قاضی عطاء اللہ ناگوری خواجہ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے

خواجہ صابر ۶۶۹ھ

علی احمد علاؤ الدین سید عبد الرحیم بن عبد السلام نام و حضرت غوث پاک کے پرپوتے تھے ان کی والدہ ہاجرہ عرف بی بی خاتون جمیلہ خواجہ گنج شکر کی بہن تھیں ۵۹۲ھ میں پیدا ہوئے، بعد تحصیل علم ۶۲۳ھ میں اپنے ماموں خواجہ گنج شکر کے پاس پہونچے ۶۱۳ھ میں ان کا عقد ہوا ۶۲۳ھ میں خواجہ گنج شکر کے مرید ہوئے ۶۵۰ھ میں خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے ۶۶۹ھ میں وفات پائی خواجہ شمس الدین ترک ان کے خلیفہ تھے سلسلۂ چشتیہ صابریہ ان کی نسبت سے مشہور ہے، کلیر (متصل رڑکی) میں ان کا مزار ہے، بعض مصنفین نے اس امر سے انکار کیا ہے کہ وہ خواجہ گنج شکر کے مرید اور خلیفہ تھے شاہ خلیل الرحمٰن جمالی سہروردی نے اپنی کتاب آئینۂ حقیقت نما میں سرے سے ان کے وجود ہی کا انکار کیا ہے لیکن خواجہ گنج شکر کے مکتوب سر العبودیت نامہ میں ان کے بیعت ہونے کا ذکر ہے اور خواجہ ابو القاسم گرگانی نے اپنی تاریخ طرب نامہ اور خواجہ اشرف جہانگیر سمنانی نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے کہ وہ خواجہ گنج شکر کے خلیفہ تھے

مولینا روم

محمد نام، جلال الدین لقب، عرف مولینا روم، ان کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے ان کے والد کا نام محمد اور لقب بہاؤ الدین تھا ان کے دادا کا نام بھی محمد تھا اور لقب حسین تھا، وطن بلخ تھا۔

حسین بڑے صوفی اور مشہور بزرگ تھے ان کی شادی محمد خوارزم شاہ خراسان کی بیٹی سے ہوئی تھی شہزادی کے بطن سے بہاؤالدین پیدا ہوئے۔ بہاؤالدین ننہیال کی وجہ سے اکثر خراسان میں رہتے تھے کبھی کبھی بلخ آجاتے تھے بہاؤالدین کی شادی کے بعد ۶۰۴ھ میں مولینا پیدا ہوئے، بہاؤالدین کی وجہ سے ۶۱۰ھ میں خراسان سے نیشاپور آگئے یہاں خواجہ فریدالدین عطار ان سے ملنے آئے نیشاپور سے بغداد آئے اور کچھ دنوں قیام کرکے حجاز چلے گئے، وہاں سے شام ہوتے ہوئے زنجان آئے وہاں سے آق شہر پہنچ کر ایک سال قیام کیا

وہاں سے لارندہ آگئے، یہاں سات برس ٹھہرے یہیں اٹھارہ برس کی عمر میں مولینا کی شادی ہوئی اور یہیں ۶۲۳ھ میں مولینا کے صاحبزادے سلطان ولد پیدا ہوئے۔ پھر بہاؤالدین لارندہ سے قونیہ آئے اور یہیں ۶۲۸ھ میں وفات پائی مولینا نے اپنے والد اور ان کے مرید سید برہان الدین سے علم حاصل کیا ۶۲۹ھ میں مولانا حلب چلے آئے اور مدرسہ حلادیہ میں داخل ہوکر تحصیل علم کرتے رہے وہاں سے دمشق آکر تکمیل علوم کی مولینا چالیس برس کی عمر تک تحصیل علم میں مشغول رہے، مولینا کی مثنوی مشہور ہے چھ دفتر تو مردر مولینا کے ہیں۔ ساتویں کے متعلق اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ مولانا کی تصنیف ہے بعض کہتے ہیں کسی اور شخص نے لکھ کر مولینا کے نام سے مشہور کیا ہے تحریف تصرف سے کوئی دفتر خالی نہیں مولینا کے نام سے ایک دیوان بھی مشہور ہے لیکن مولینا کا مرید خاص سپہ سالار ان کی تصانیف میں اس دیوان کا ذکر نہیں کرتا مولینا کو شمس تبریز سے محبت اور عقیدت تھی شمس تبریز مدت تک مولینا کے پاس رہے ان کے متعلق بہت سی بے سروپا باتیں مشہور ہیں صحیح اسی قدر ہے جو سپہ سالار نے لکھا ہے جس کا ذکر ہم شمس تبریز کے بیان میں کرچکے ہیں مولینا نے ۶۷۲ھ میں وفات پائی۔

سید جلال الدین سرخ ۶۹۰ھ

سید جلال الدین نام ابو المؤید سید علی کے فرزند تھے ان کی دادا شاہ محمود والی

نور ان کی بیٹی تھی سید جلال الدین نہایت حسین اور سرخ سفید رنگ کے آدمی تھے، حمرت غالب تھی اس لئے جلال سرخ مشہور ہوئے ۵۹۵ھ بمقام اوچ (پنجاب) میں پیدا ہوئے، ان کے لقب بہت سے ہیں، شیر شاہ، میر سرخ، شریف اللہ ابوالبرکات، ابو احمد، سید بزرگ، مخدوم اعظم، جلال اکبر، عظیم اللہ، جلال سرخ، خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے مرید و خلیفہ تھے ۶۹۰ھ میں اوچ میں وفات پائی۔

امام بیضاوی ۶۹۲ھ

ابو سعید ناصر الدین عبداللہ بن عمر البیضاوی۔ شافعی مذہب تھے شیراز کے کے قاضی تھے۔ آخر ترک دنیا کر کے شیخ محمد بن محمد تختانی کی خدمت میں رہے۔ اور مرشد کے حکم سے قرآن مجید کی تفسیر لکھی جو بہت مشہور و مقبول ہے ۶۹۲ھ میں وفات پائی۔

سلطان المشائخ ۷۲۵ھ

محمد بن احمد سید بخاری نام لقب نظام الدین، سلطان المشائخ اور محبوب الٰہی ۶۳۶ھ میں بدایوں میں پیدا ہوئے چودہ سال کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہوئے ۶۵۰ھ میں دہلی آئے ۶۵۵ھ میں بابا فرید شکر گنج سے مرید ہوئے ۶۵۶ھ میں خلافت پائی ۷۲۵ھ میں وفات پائی، سلسلہ چشتیہ نظامیہ انہیں کی نسبت سے مشہور ہے ان کا مزار موضع غیاث پور (متصل دہلی) میں ہے اب اس کا نام ہی نظام الدین اولیا ہوگیا ہے یہی نام ریلوے اسٹیشن پر لکھا ہے

سلطان المشائخ کے متعلق لکھا ہے۔

" چوں عمر عزیز سلطان المشائخ بہ ہشتاد کشید برائے پنج وقت نماز بجہت جماعت خانہ کہ عمارت نے رئیس رفیع است فرود آمدے "

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی ان کے خلفاء میں زیادہ مشہور ہیں

خواجہ چراغ دہلوی ۷۵۷ھ

نصیر الدین بن سید یحییٰ بن سید عبداللطیف نام چراغ دہلوی، لقب سید عبداللطیف ہندوستان میں آکر لاہور میں مقیم ہوئے یہاں سید یحییٰ پیدا ہوئے

سید یحییٰ آخر میں اودھ گئے یہاں نصیر الدین پیدا ہوئے آپ جب اچانک بیس برس کے ہوئے تو دہلی آ گئے اور سلطان المشائخ کے مرید ہو گئے سلطان المشائخ سماع سنتے تھے۔ نصیر الدین مزامیر اور کوئی ساز ہو یا عورت شریک ہو تو نہیں سنتے تھے لیکن خواجہ چراغ دہلوی کہا کرتے تھے یہ نا جائز ہے سلطان المشائخ بھی منع فرماتے تھے نصیر الدین شیخ کنتا ہے ۷۵۷ھ میں وفات پائی۔ دہلی کے قریب مزار ہے یہ مقام اب چراغ دہلی کے نام سے مشہور ہے۔

شاہ سربانی ۷۹۴ھ

سلیم الدین نام خلیفہ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی۔ مرید خواجہ صابر ان کے پیر نے سر ربانی خطاب دیا، کثرت استعمال سے سربانی ہو گیا ۷۹۴ھ میں وفات پائی مزار لاہور میں ہے

سلطان التارکین ۶۷۳ھ

شیخ حمید الدین ناگوری، خلیفہ خواجہ اجمیری خواجہ صاحب نے انہیں سلطان التارکین خطاب دیا

خواجہ نقشبند ۷۹۱ھ

محمد بن محمد البخاری نام بہاؤ الدین لقب محرم ۷۱۸ھ میں بمقام قصر عارفاں پیدا ہوئے حنفی المذہب تھے ان کا پیشہ کمخواب بافی اور نقش و نگار بنانا تھا اس لئے نقشبند مشہور تھے، خواجہ محمد بابا سماسی اور خواجہ امیر سید کلال کے مرید تھے ربیع الاول ۷۹۱ھ میں وفات پائی مزار بخارا میں قصر عارفاں کے قریب ہے ان کی نسبت سے خاندان نقشبندیہ مشہور ہے خواجہ محمد پارسا اور خواجہ علاؤ الدین عطار ان کے خلفاء میں زیادہ مشہور ہیں

شاہ نعمت اللہ ولی

نور الدین نعمت اللہ بن سید عبد اللہ بن ابو بکر نام ستر واسطوں سے ان کا نسب امام باقر سے ملتا ہے رجب ۷۳۱ھ میں حلب میں پیدا ہوئے۔ شیخ رکن الدین شیرازی، شیخ شمس الدین مکی، سید جلال الدین خوارزمی اور قاضی عضد الدین سے تحصیل علم کی۔ امام عبد اللہ یافعی سے چوبیس سال کی عمر میں مرید ہوئے ۸۳۴ھ میں ماہان میں وفات

علہ امام عبد اللہ یافعی ۷۶۸ھ خاندان قادریہ میں مرید تھے دہلی آ کر خواجہ چراغ دہلوی سے فیض حاصل کیا اور تمام خاندانوں میں اجازت پائی

پائی جنت الفردوس تاریخ وفات ہے، ایک مصنف نے سن وفات ۸۳۴ھ مادۂ وفات "عارف اسرار وجود" لکھی ہے سلطان احمد بہمنی دکنی ان کا مرید تھا اس نے اپنے آدمی بھیج کر مزار و گنبد تعمیر کرایا، ان کی قبر پہل علاقہ کشمیر میں بھی ہے جو یقیناً مصنوعی ہے ان کی تصنیف سے تین سو کتابیں مشہور ہیں جن کو ایرانیوں نے ان کی وفات سے عرصہ دراز کے بعد مرتب کیا ان میں ایک دیوان بھی ہے اس میں بارہ ہزار اشعار ہیں پہلا شعر یہ ہے

خوش بگو اے یار بسم اللہ بگو   ہر چہ مے جوئی ز بسم اللہ بجو

(منقول از تاریخ بیزدونگارستان کشمیر وغیرہ وغیرہ)[1]

شاہ محمد غوث سنہ ۹۷۰ھ

حمید الدین محمد نام، غوث لقب سید قیام الدین ابن سید معین الدین قتال جونپوری کے فرزند تھے ان کا خاندانی سلسلہ سادات نیشاپور سے تھا جونپور سے ان کے والد نے نقل سکونت گوالیار کی طرف کی۔

شاہ محمد غوث نے بعد تحصیل علم با حضرت شاہ ظہور الحق اور حاجی حضور عرف حمید، دو بزرگوں سے تحصیل علم باطن کی اور خاندان شطاریہ میں خلافت حاصل کی، حاجی حمید خلیفہ تھے شیخ بازن کے، وہ خلیفہ تھے شیخ عبد اللہ شطاری کے۔

شاہ غوث متبحر فاضل اور شیخ کامل تھے ان کی تصنیفات میں کلید حیات وغیرہ چند کتابیں خاص طور پر مشہور ہیں، شاہ غوث کے عملیات مشہور ہیں اور اس فن میں ان کی تصانیف بھی ہیں مگر کوئی تصنیف تحریف سے خالی نہیں اور کئی کتابیں تصنیف کرنے والوں نے خود تصنیف کر کے ان کے نام سے مشہور کر دی ہیں۔

ہمایوں بادشاہ ان کا مرید تھا اکبر بادشاہ بھی معتقد تھا یہ اکبر کے پاس آگرہ میں آئے تھے یہیں وفات پائی لیکن ان کے ورثا لاش اپنے وطن گوالیار کرلے گئے وہیں مدفون ہوئے۔

اسی برس کی عمر میں سنہ ۹۷۰ھ ہجری میں انتقال کیا، شاہ صاحب کے بارہ بیٹے تھے بڑے بیٹے کا نام عبد اللہ عرف بڑے صاحب تھا۔

[1] تاریخ بیزدونگارستان کشمیر مئولفہ قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی

شاہ وجیہ الدین گجراتی ان کے خلیفہ تھے خواجہ خانون گوالیاری اور شیخ حمید سنبھلی ان کے مریدوں میں سے تھے۔ شیخ منور چشتی (آگرہ) خلیفہ خواجہ خانون مشہور بزرگوں میں سے تھے۔ ان کے عہد میں ایک مصنوعی ولی مشہور ہوا تھا اس کا لقب خواجہ کمال بیابانی تھا یہ لوگوں کو کرامات دکھاتا تھا آخر اکبر بادشاہ کو اس کے مکر کا حال معلوم ہو گیا، بادشاہ نے اس کو دریا میں ڈبو دیے جانے کی سزا دی، اس کے بیٹے نے بھکر پہنچ کر مکر کا جال پھیلایا اور اپنے آپ کو ابدال مشہور کیا۔

خواجہ جامی ۸۹۸ھ

عبد الرحمن نام، نور الدین لقب، اصفہان کے محلہ دشت کے رہنے والے تھے لیکن ان کی ولادت قریب کے موضع جام میں ۸۱۷ھ کو ہوئی وہ خواجہ عبد اللہ احرار کے خلیفہ تھے ان کی تصانیف کی تعداد (۴۴) ہے ۸۹۸ھ میں وفات پائی۔

امام سیوطی ۹۱۱ھ

عبد الرحمان بن ابو بکر کمال بن محمد بن سابق الدین بن عثمان نام ابو الفضل کنیت جلال الدین لقب، اسیوط (علاقہ بصرہ) کے رہنے والے تھے ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ شیخ الاسلام علم الدین بلقینی اور بہت سے ائمہ سے علم ظاہری و باطنی حاصل کیا ان کی تصانیف کی تعداد پانسو ہے ان میں (۴۶) کتابیں حدیث کے متعلق ہیں دو قرآن مجید کی تفسیریں ہیں ایک کا نام اتقان اور دوسری کا نام درمنثور ہے انہوں نے بڑی محنت اور تلاش سے حدیث کا ذخیرہ جمع کیا مگر صرف جمع کرنے سے غرض رکھی حدیثوں کی جانچ نہیں کی اسلیے ان کو حاطب اللیل (اندھیرے میں لکڑیاں جمع کرنے والا) کہا جاتا ہے لیکن درحقیقت ان کا مسلمانوں پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ ہر قسم کی حدیثیں جمع کر دیں ان کی روایات کو جانچ کے بعد قبول کیا جاتا ہے ان کی تصانیف میں تحریفات بھی ہوئی ہیں ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔

"خواجہ قطب الدین بینا دل"

۸۴۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے مادر زاد نابینا تھے لیکن قلب ایسا روشن تھا
کہ شب کچھ مثل چشم دید کے بیان کر دیتے تھے اس لیے بینا دل مشہور تھے
ذکر غوثیہ کے عامل تھے اس لئے سرانداز بھی کہتے تھے یعنی بوقت ذکر جسم سے
علیحدہ ہوجاتا تھا ان کا سلسلہ طریقت اس طرح ہے خواجہ قطب الدین بینا دل
عن سید نجم الدین قلندر عن سید خضر رومی عن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ۹۲۵ھ میں
وفات پائی جون پور میں مزار ہے

امام شعرانی ۹۷۳ھ

عبدالوہاب بن احمد شعرانی نام محمد بن حنفیہ کی نسل سے تھے شافعی المذہب
تھے، ان کا سن ولادت تحقیق نہیں ہو سکا ۱۲ برس کی عمر میں تحصیل علم کے لئے
مصر گئے اور بہت سے شیوخ سے مثلاً شیخ امین الدین، امام جامع عمری، شیخ
شمس الدین الداخلی، شیخ نور الدین المحلی، شیخ نور الدین الجارحی، ملا علی العجمی، شیخ
علی القسطلانی، قاضی زکریا، شیخ شہاب الدین آملی وغیرہ سے علم حاصل کیا اور امام
سیوطی سے فیض باطنی حاصل کیا ۹۷۳ھ میں وفات پائی۔ کثیر التصانیف تھے ان کی
تصانیف میں لواقح الانوار اور کبریت احمر زیادہ مشہور ہیں

شیخ سلیم چشتی ۹۷۹ھ

سلیم نام تھا شیخ سلیم مشہور ہیں، ان کے والد کا نام بہاؤ الدین اور والدہ کا
بی بی احمد تھا خواجہ گنج شکر کی نسل سے تھے بقول اکثر مورخین ۸۷۷ھ میں اور بقول
بعض ۸۹۱ھ میں بمقام فتح پور سیکری ضلع آگرہ پیدا ہوئے بچپن میں یتیم ہو گئے تھے
ان کے بڑے بھائی شیخ موسیٰ نے ان کی پرورش اور تربیت کی اور خرقہ خلافت
عطا کیا۔ بعد ازاں وہ عازم حرمین الشریفین ہوئے وہاں خواجہ ابراہیم چشتی سے
خرقہ پایا کئی سال حرمین میں مقیم رہے عرب و عجم کے بہت سے بزرگوں
نے ان سے فیض اور خرقہ خلافت پایا منجملہ ان کے شیخ رجب علی متولی روضہ
منورہ مدینہ شریف بھی تھے پھر ہندوستان آکر اصلاح خلق میں مشغول ہو گئے
اور بہت سے بزرگوں کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ منجملہ ان کے شیخ یعقوب
کشمیری بھی تھے اکبر بادشاہ کا بیٹا جہانگیر بادشاہ ان کی دعا سے پیدا ہوا۔ اسی وجہ سے

اجن کا نام سلیم رکھا گیا اکبر اور جہانگیر کو ان سے کمال عقیدت تھی ۹۷۹ھ میں وفات پائی اکبر بادشاہ نے مقبرہ تعمیر کرایا۔

سلسلۂ طریقت

شیخ سلیم چشتی عن شیخ موسیٰ عن شیخ بہاؤ الدین عن شیخ بدر الدین عن شیخ سلیمان عن شیخ آدم عن شیخ معروف عن شیخ مودود عن شیخ بدر الدین سلیمان عن خواجہ شیخ فرید الدین گنج شکر ان کے دوسرے مرشد خواجہ ابراہیم چشتی کا سلسلہ یہ ہے خواجہ ابراہیم عن شیخ محمد عن شیخ احمد عن شیخ الاسحاق عن شیخ محمد عن خواجہ فضیل بن عیاض عن خواجہ ابراہیم ان کا یہی سلسلۂ نسب ہے ان کو ابراہیم شامی اور ابراہیم عرب بھی کہتے تھے

کبیر ۱۳۰۳ء

یہ کبیر جولاہے مشہور ہیں شیخ تقی جالکت کے مرید تھے یہ بھی جولاہے تھے اور شیخ سلیم چشتی کے خلیفہ تھے موضع گاور انز گڑھ پور میں وفات پائی ایک پٹھان بجلی خان نام ان کا مرید تھا اس نے مزار تعمیر کرایا گورو نانک ان کے معتقدین میں سے تھے

بعض کا خیال ہے کہ یہ وہی کبیر ہیں جن کو ہندو کبیر داس کہتے ہیں اور ہندو مذہب کی ایک شاخ کبیر بھی ان کی طرف منسوب ہے اور راجہ با نرسن والئ بنارس نے بنارس میں ان پھولوں پر ایک بنہ تعمیر کرایا جس کو کبیر چوڑا کہتے ہیں، ہندو کہتے ہیں کہ یہ ایک برہمن کی لڑکی کے فرزند تھے ایک مسلمان جولاہے نے ان کو پرورش کر لیا تھا اور راما نند کے چیلے تھے میرے خیال میں کبیر جولاہا اور کبیر داس دو علیحدہ علیحدہ شخصیتیں ہیں چونکہ یہاں گرو نانک کا ذکر آیا ہے اس لئے ان کے متعلق بھی کچھ تفصیل کی ضرورت ہے، ہندو گرو نانک کو ہندو مانتے ہیں اور یہ سکھ مذہب کے بانی سمجھے جاتے ہیں، بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ یہ مسلمان تھے اور کبیر جولاہے کے مرید تھے اس خیال کو اس امر سے تقویت ہوتی ہے کہ گرو صاحب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی مدح کی ہے اور ان کے کلام میں توحید کی تعلیم ہے اور سکھ مذہب کی کتاب گرنتھ میں بابا فرید الدین گنج

ملہ رسالہ شیخ الاسلام حصہ اول صفحہ مطبوعہ امریکہ پریس بہانگ منڈی آگرہ

شکر اور شیخ علیم کے دوہے بھی شامل ہیں اور ان دونوں بزرگوں سے سکھوں کو عقیدت ہے۔ بابا فرید الدین سے عقیدت کی کئی وجہ ہیں اول یہ کہ کبیر جولاہا جن کو ان کا مرشد کہا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے لکھا ہے وہ چشتیہ سلسلہ میں تھے دوسرے یہ کہ صاحب قاموس المشاہیر نے لکھا ہے کہ گرو صاحب نے شیخ حسن درویش سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔ شیخ حسن محمد بھی چشتی تھے، ان کا سلسلہ طریقت اس طرح بابا فرید سے ملتا ہے حسن محمد عن شیخ جمال الدین عرف جمن عن شیخ محمود راجن عن شیخ علیم الدین عن شیخ سراج الدین عن شیخ کمال الدین عن خواجہ نصیر الدین دہلوی عن سلطان المشائخ نظام الدین عن بابا فرید الدین گنج شکر

شیخ علیم الدین جن کا کلام گرنتھ صاحب میں شامل ہے شیخ علیم الدین جالندھری ہیں ان کا سلسلہ طریقت بابا فرید تک اس طرح پہونچتا ہے۔ شیخ علیم الدین عن شیخ محمد سعید عرف میراں بیگ عن شاہ ابو المعالی عن شیخ محمد صادق عن شیخ ابی سعید عن شیخ نظام الدین بلخی عن شیخ جلال الدین تھانیسری عن شیخ شمس الدین ترک عن شیخ علاء الدین صابر عن بابا فرید الدین

بعض کا خیال ہے کہ گرو صاحب نے حسن بودلہ مجذوب سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔

مادھو لال حسین سنہ ۱۰۰۸ھ

حسین نام لاہور کے رہنے والے تھے ان کے دادا کس رائے نام ہمایوں بادشاہ کے عہد حکومت میں مسلمان ہوئے وہ حسین شاہ بہلول قادری کے مرید تھے ایک ہندو لڑکے مادھو نام پر عاشق ہو گئے بے خود ہو گئے یا مجذوب ہو گئے اس لئے مادھو لال حسین مشہور ہوئے سنہ ۱۰۰۸ھ ہجری میں وفات پائی ان کا مزار لاہور میں موضع باغبانپورہ کے قریب شالامار باغ کے راستے میں ہے بڑی دھوم دھام کا عرس ہوتا ہے

سید محمد سنہ [illegible]ھ

سید محمد یوسف جونپوری عرف شیخ دانیال جن راجے حامد شاہ عن حسام الدین مانکپوری عن نور الدین قطب عالم بنگالی عن شیخ علاء الدین انہوں نے عہد بیعت

کا دعویٰ کیا تھا چنانچہ مہدوی مذہب حیدرآباد دکن اور پالن پور وغیرہ میں جاری ہے مگر صحیح روایت یہ ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر تائب ہو گئے تھے

حضرت مجدد الفِ ثانی ۱۰۳۴ھ

احمد نام، بدر الدین لقب ابوالبرکات کنیت ۹۷۱ھ بمقام سہرند (اب سرہند مشہور ہے) پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کی پھر اپنے والد ماجد شیخ عبدالاحد چشتی (خلیفہ خواجہ عبدالقدوس گنگوہی) سے علم حاصل کیا سیالکوٹ گئے وہاں مولینا کمال الدین کشمیری سے علم معقول پڑھا حدیث خواجہ صبری کشمیری سے حاصل کی سترہ برس کی عمر میں تحصیلِ علوم سے فارغ ہو کر اپنے والد ماجد سے بیعت ہوئے اور ان سے سلسلۂ چشتیہ و قادریہ میں خلافت حاصل کی (ان کے والد سلسلۂ قادریہ میں شاہ کمال کیتھلی کے مرید تھے) باپ کی وفات کے بعد فریضۂ حج ادا کرنے کیلئے چلے راستہ میں دہلی میں خواجہ باقی باللہ سے مرید ہوئے خواجہ صاحب نے ان کے متعلق اپنے ایک دوست کو خط لکھا،

"شیخ احمد نام مردیست از سرہند کثیر العلم و قوی العمل روزے چند فقیر باو نشست و برخاست کرد عجائب بسیار از روشنا ہدہ نمودم آں مانند کہ چراغے شود کہ عالمیان از و روشن شوند"

جب انہوں نے بدعات مروجہ پر سختی سے دار و گیر کی تو ایک امیر نے جہانگیر بادشاہ سے کہا کہ عجب نہیں یہ شخص خروج کرے بادشاہ نے ان کو طلب کیا یہ گئے لیکن حسبِ رواج دربار سجدہ نہ کیا بادشاہ نے برہم ہو کر ان کو قید کر دیا آخر ان کے کمالات باطنی پر آگاہ ہو کر چھ مہینے کے بعد رہا کر دیا ۱۰۳۴ھ میں وفات پائی مزار سرہند میں ہے۔ اولیاء اللہ کے جو مراتب و درجات ہیں ان میں مجدد بہت بڑا مرتبہ ہے انہوں نے اپنے فرزند ثالث خواجہ معصوم الملقب بہ عروۃ الوثقیٰ کو اپنا جانشین قرار دیا تھا خاندان مجددیہ انہیں کی نسبت سے مشہور ہے

شیخ سعد اللہ ۱۰۷۱ھ

سرمد کے حالات ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل میں مولوی عبدالولی نے لکھے ہیں۔

دبستان مذاہب میں سرمد کا ذکر ہے اس کا مصنف ۱۰۵۷ھ کو دکن میں خود سرمد سے ملا تھا۔ طاہر نصیر آبادی کے تذکرہ میں بھی سرمد کا ذکر ہے یہ تذکرہ سرمد کے قتل سے بارہ تیرہ سال بعد کی تصنیف ہے اس میں قتل کا واقعہ مذکور ہے

تذکرہ مرآۃ الخیال مصنفہ شیر خان لودھی ۱۱۰۲ھ میں بھی ان کا ذکر ہے یہ تذکرہ سرمد کے قتل سے دس سال بعد کی تصنیف ہے

میر حسین دوست سنبھلی کے تذکرے تذکرۂ آتش کدۂ آذر، ریاض العارفین اور مآثر الامراء میں بھی سرمد کا ذکر ہے۔ ڈاکٹر برنیئر سیاح نے سرمد کے برہنہ رہنے اور قتل ہونے کا ذکر کیا ہے، منوچی فرانسیسی سیاح نے سرمد اور دارا شکوہ کے تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ صاحب دبستان مذاہب سرمد کا دوست تھا اس نے بھی لکھا ہے کہ سرمد برہنہ رہتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ یہودی مذہب میں برہنگی عیب نہیں حضرت اشعیا نبی آخر عمر میں برہنہ رہتے تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صحیح العقیدہ مسلمان نہ تھا اور خلاف اسلام امور کی اشاعت کرتا تھا۔ لیکن اس کے بارے میں شدید اختلاف ہے اس اختلاف کے بہت سے وجوہ ہیں عہد ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی حالت متغیر ہو چکی تھی۔ بدعات اور توہم پرستی کا دور تھا عالمگیر چونکہ بدعات وغیرہ کا استیصال کرتا تھا اور یہ امر قوم پرست مسلمانوں اور ہندوؤں کے خلاف تھا اس لئے ہر وہ امر جو بادشاہ کی مرضی کے موافق اور شرع اسلام کے مطابق ہوتا اس کے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اس زمانے میں اخبار اور ڈاک تار وغیرہ نہ تھے کہ واقعات قرین صحت رہتے حالانکہ ان اسباب کے متعلق اس زمانہ میں کافی تجربہ ہو چکا ہے کہ ان ذرائع سے بھی ہم صحیح حالات تک نہیں پہنچے اور ان پر پروپیگنڈا اور حکومت وغیرہ کا بہت اثر ہوتا ہے۔ ضعیف الخیال لوگ ہر غافل باختہ کو حسن ظن سے ولی سمجھتے تھے۔ دارا شکوہ شہزادہ، مہدوی اور ضعیف الخیال مسلمانوں میں اپنے بھائی عالمگیر بادشاہ کے مقابلہ میں زیادہ ہر دل عزیز

تھا اور سرمد سے دارالشکوہ کو عقیدت تھی چنانچہ دارالشکوہ سرمد کو ایک خط میں لکھتا ہے

"پیر و مرشد من ہر روز قصد ملازمت دارم میسر نمی شود اگر من منم این اراده من باطل چرا و اگر من نیستم چہ تقصیر مرا الخ"

سرمد نے جب عالمگیر سے دارالشکوہ کی جنگ ہو رہی تھی دارالشکوہ کی بادشاہت کی پیشین گوئی بھی کی تھی جو غلط ثابت ہوئی اس وجہ سے بھی عوام سرمد سے ہمدردی رکھتی تھی ہندو اور قوم پرست مسلمان اس امر کو جو دارالشکوہ اور عالمگیر کے متعلق ہو اس طرح شہرت دینے کی سعی کرتے تھے کہ جس سے عالمگیر پر ظلم و ستم کا الزام آئے یہ تمام باتیں سیاسی اختلافات کی بنا پر تھیں مذہب و قومیت سے ان کا تعلق نہ تھا کیونکہ بہت سے مسلمان بھی ہندوؤں کے ساتھ اس میں شریک تھے اور عالمگیر کے ساتھ بھی ہندو تھے۔

عیسائی یورپین مورخین و مصنفین کے ہاتھوں ہندو اور مسلمانوں میں نفاق ڈالنے کا یہ مسالا اچھا ہاتھ آگیا تھا اس لئے وہ جو کچھ بھی اور جس طرح بھی لکھیں کم ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی سرمد کے متعلق ایک رسالہ سرمد شہید نام لکھا ہے مولانا نے سرمد کو شہید قرار دیا ہے۔ علماء اور سلطان عالمگیر کو بہت برا بھلا کہا ہے مولانا جیسے متبحر فاضل اور محقق عالم کے قلم سے ایسے رسالہ کا نکلنا تعجب انگیز ہے یہ رسالہ کسی طرح بھی مولینا کے شایان شان نہیں۔

سرمد یہودی النسل تھے کاشان میں پیدا ہوئے جوان ہو کر اسلام لائے سعید نام رکھا گیا ملا صدرالدین شیرازی اور مرزا ابوالقاسم سے علم حاصل کیا۔ پھر اپنا آبائی پیشہ تجارت شروع کیا۔ اسی سلسلہ میں ہندوستان میں بمقام ٹھٹھہ مقیم ہوئے یہاں ایک بقال زادہ ابھی چند نام پر عاشق ہو گئے ابھی چند کے متعلق ان کے اشعار میں ایک شعر یہ ہے

نمی دانم دریں چرخ کہن دیر ۔۔۔ خدائے من ابھی چند است یا غیر

شہزادہ دارالشکوہ ولی عہد سلطنت مغلیہ ان کا معتقد ہو گیا۔ الناس

علی دین ملو کہاجہ، جب شہزادہ ولی تسلیم کرتے تو اس سے بڑھ کر کون ولی ہو سکتا ہے سلطان اورنگ زیب عالم گیر نے ۱۰۷۱ھ میں ان کو قتل کرایا اس کا سبب ان کی خیر سیاسی مخالفانہ دارا شکوہ کے تعلقات تھے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ بھی دارا شکوہ کے ساتھ تلوار کے گھاٹ اتار دیئے جاتے لیکن یہ دارا شکوہ سے تین سال بعد قتل کئے گئے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس قتل کے وجوہ اور ہی کچھ ہوں گے عالم گیر کو ان کے برہنہ پھرنے اور کشف و کرامات کی لاف و گزاف کی شکایت پہونچی بادشاہ نے ایک جلیل القدر امیر کو جو وروقی صاحب حکومت ذی علم اور اس زمانے میں تارک الدنیا گوشہ نشین فقیر تھا اس تحقیقات پر مامور کیا اس بزرگ کا نام نواب عنایت خان ابن نواب ظفر خان تھا ان کے متعلق خواجہ اعظم تاریخ اعظمی میں لکھتے ہیں

"آشنا تخلص سے کرد آشنائے جوی سخن و شناور دریائے ہنر پروری بود بکمال جود و سخا ابواب فیض و عطا بر روئے بیگانہ و آشنا وا می کرد و از خیرائین زمانہ بعلو فطرت و طبیعت و طریق امتیاز مے کرد و اواخر حال بہ اختیار تجرد و انقطاع بر دلش تافت ترک منصب نمود و برخصت بادشاہ عمر بکشمیر آمدہ بزاویہ عزلت نشست و دست از ہمہ باز داشت"

ایسے شخص سے زیادہ اس کام کے لیے کون موزوں ہو سکتا ہے کہ ذی علم صوفی تھا اور اس کی تحقیقات پر شبہ کرنا عقل سلیم سے بہت بعید ہے نواب عنایت خاں نے سرمد کے حالات کی تحقیقات کے بعد بادشاہ کے حضور میں جو رپورٹ پیش کی اس کے متعلق مؤرخ موصوف نے لکھا ہے

"گویند وقتے بادشاہ عالم پناہ آں آشنائے بحر سخندانی را جہت ملاحظہ اوضاع و اطوار سرمد برہنہ فرستاد آشنا او را بیگانہ از معنی دیدہ این بیت در سلک نظم کردہ بغرض آں بادشاہ انجم سپاہ رسانید"

شعر

بر سرمد برہنہ کرامات تہمت است — کشفے کہ ظاہر است ازو کشف عورت است

بادشاہ کو سرمد کی ایک رباعی پہونچی جس سے معراج جسمانی کا انکار ثابت ہوتا ہے۔

"ہر کس کہ سرِ حقیقتش باور شد — او پہن تر از سپہر پہناور شد
ملا گوید کہ بر فلک شد احمد — سرمد گوید فلک بہ احمد در شد"

علماء نے بھی ایسی چند دلاالاشعر بھی پیش کیا اور ان جرائم کی فہرست و ثبوت کے ساتھ فتوائے قتل بھی پیش کیا، بادشاہ نے منظوری دے دی

بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ علماء نے سرمد کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا سرمد نے دارا شکوہ کی سلطنت کی پیشین گوئی کی تھی وہ پوری ہوئی نہیں، سرمد نے کہا اس کو شہادت کے ذریعہ ابدی سلطنت مل گئی بادشاہ نے علماء سے کہا کہ برہنگی وجہ قتل نہیں ہو سکتی علماء نے سرمد سے کہا کلمہ پڑھو اس نے کہا لا الہ، علماء نے کہا آگے پڑھو سرمد نے کہا ابھی الٰہی نفی میں مستغرق ہوں۔

یہ حکایت دارا شکوہ کو شہید اور عالمگیر کو ظالم اور سرمد کو صوفی ثابت کرنے کے لیے بنائی گئی ہے اس تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ سرمد ولی تھے نہ شہید ان کا قتل ان کے خلاف شرع اقوال و اعمال پر علماء کی تحریک سے ہوا، عشق مجازی میں مبتلا تھے، سرمد کے متعلق یہ صحیح طور پر معلوم نہیں ہوا کہ کسی کے مرید تھے یا نہیں اور کس سلسلہ سے تعلق تھا ایک رباعی ان کے نام سے مشہور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ میں مرید تھے

سرمد غمِ عشق درد مندان دانند — نے خود منشان و خود پسندان دانند
از نقش توان بسوئے نقاش شدن — این نکتہ نقشبندیان دانند

لیکن ان کی چند دلاالاحرار معراج والی رباعی سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا نقشبندیہ خاندان سے تعلق نہیں تھا کیونکہ مشائخ نقشبند ظاہر شرع کے سختی سے پابند ہوتے ہیں، وہ ایسے کلمات نہیں کہہ سکتے، سرمد کا مزار دہلی میں جامع مسجد کے سامنے ہے جو مرمت دراز کے بعد محض نمائش پر بنایا گیا ہے۔

مولینا فخر الدین چشتی دہلوی ۱۱۹۹ھ

فخر الدین ابن شاہ نظام الدین اورنگ آبادی (دکن) نام ۱۱۲۶ھ ہجری میں بمقام اورنگ آباد پیدا ہوئے آپ کا سلسلۂ نسب شیخ شہاب الدین سہروردی کے ذریعہ سے حضرت ابوبکر صدیق تک پہونچتا ہے

جب مولینا پیدا ہوئے تو ان کے والد ماجد پیر و مرشد شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی زندہ تھے شاہ صاحب نے فخر الدین نام تجویز فرمایا اور آپ کے متعلق بشارتیں لکھیں۔ مولینا نے اپنے والد ماجد اور مولینا محمد جان اور مولانا عبد الحکیم سے علم حاصل کیا اور اپنے والد ماجد سے بیعت ہو کر خرقۂ خلافت پایا علوم دینیہ کے علاوہ مولینا نے علم طب وسپہ گری وغیرہ فنون بھی حاصل کئے تھے مولانا کی سولہ سال کی عمر تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور گھر کا بوجھ سر پر آ پڑا اس سے فوج میں نوکری کرلی دن گھوڑے کی پشت پر گزرتا اور رات مصلے کی پشت پر بسر ہوتی رفتہ رفتہ فوج میں ان کے کمال باطنی کی شہرت ہوگئی چونکہ آپ حالات کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے اس لئے نوکری چھوڑ کر وطن آگئے مشک کی خوشبو کس طرح چھپ سکتی تھی یہاں بھی رجوعات شروع ہوگئیں آپ نے گھبرا کر دہلی کا عزم کیا لیکن باپ کی جگہ چھوڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی آخر ایک رات والد ماجد کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں

شہر اقلیم فقرم بے خودی تخت روان من ؞ نہ چون فرہاد مزدورم نہ چون مجنون زمیندارم

مولینا فخر الدین کبھی کبھی فارسی میں شعر بھی کہتے تھے

بادلم نرگس شہلائے تو غوغا دارد ؞ جنگ دیوانہ دشت است تماشہ دارد

یہ اشارہ پاتے ہی آپ دہلی کو چل کھڑے ہوئے یہاں پہونچ کر اجمیرہ پھیل میں ایک مکان کرایہ پر لے کر رہنے لگے اور اجمیری دروازہ کے مدرسہ میں درس حدیث دینے لگے یہ واقعہ ۱۱۶۹ھ ہجری کا ہے اگرچہ اس زمانہ میں دہلی میں شاہ ولی اللہ صاحب کی درگاہ مرجع خاص و عام تھی اور حضرت مرزا مظہر جانجاناں کے فیضان باطنی کا سمندر موجزن تھا مگر اس طرف بھی رجوعات کثرت سے ہوئی۔ سکھوں نے جب مسلمانوں پر مظالم کیے اور بدامنی شروع کی تو مولینا

نے بھرے دربار میں جاکر بادشاہ سے کہا

" بہ تنبیہ آنہا باید پرداخت کہ فلاح دینی و دنیوی در ضمن آنہاست "

بادشاہ امور سلطنت سے غافل تھا امراء آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے حکومت کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا یہ حالت دیکھ کر مولینا بادشاہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا

" سلطان عصر ما بذاتِ خود امورِ ملک مالک ستانی یک ذرہ ہم توجہ نشود و اختیار محنت و مشقت نکند بند دیست ہیچ وجہ صورت نہ بندد "

بادشاہ نے جاگیر دینی چاہی مولینا نے انکار فرمادیا جب ادھر سے اصرار ہونے لگا تو مولینا نے فرمایا کہ اگر آئندہ ہم سے اس قسم کی درخواست کی گئی تو ہم دہلی چھوڑ دیں گے

نواب ضابطہ خاں آپ کا مرید تھا اس نے چند دیہات نذر کرنے چاہے اور پیروں پر گر گیا مگر آپ نے منظور نہ فرمایا ظفر بادشاہ بھی ان کے سلسلہ میں مرید تھا اس نے آپ کی مدح میں بہت سے اشعار لکھے ہیں

" کوچہ فخر جہاں کی اے ظفر خاک کی چٹکی بھی بس اکسیر ہے "

اگر کوئی شخص کسی حاجت کے لئے عمل دریافت کرتا تو حدیث شریف کے موافق بتاتے جب آپ کسی کو اپنی طرف سے مجاز طریقت فرماتے تو اتباع سنت کی شرط لگا دیتے آپ کے متعلق مناقب فخریہ میں لکھا ہے

" در امور جزوی و کلی اتباعِ سنتِ نبوی علیہ الصلوات والسلام و بہ بندگان نیز درین امر تاکید اکید می کردند "

۲۷ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ کو شہر دہلی میں وفات پائی آپ کے بہت سے خلفاء تھے زیادہ مشہور شاہ نور محمد مہاروی اور شاہ نیاز احمد بریلوی تھے یہ تمام واقعات مناقب فخریہ، شجرۃ الانوار، تکملہ سیر الاولیاء، فخر الطالبین سے ماخوذ ہیں

الباب الخامس فی قصص الاولیاء

علا خلیفہ ہارون الرشید اور امام سفیان ثوری ہم مکتب اور دوست تھے۔ جب ہارون رشید تخت نشین ہوا تو اس کے تمام دوست، احباب، مبارکباد دینے کے لئے گئے، خلیفہ نے سب کو انعام واکرام سے مالا مال کیا، امام سفیان ثوری نہ گئے خلیفہ نے چند روز انتظار کر کے امام صاحب کو خط لکھا۔

از ہارون الرشید بنام برادرم سفیان برادرم تم کو معلوم ہے کہ خدا نے تمام مسلمانوں میں رشتہ اخوت قائم کیا ہے میرے اور تمہارے جو تعلقات تھے وہ بھی بدستور قائم ہیں، میرے تمام احباب میری خلافت کی مبارکباد دینے آئے میں نے ان کو انعام واکرام دیا۔ افسوس ہے آپ اب تک نہیں آئے میں خود حاضر ہوتا لیکن یہ امر شانِ خلافت کے خلاف تھا۔

امام صاحب نے اس خط کا جواب یہ لکھا از بندہ ضعیف سفیان بنام ہارون الرشید فریفتہ دولت تم نے اپنے خط میں خود تسلیم کر لیا ہے کہ تم نے مسلمانوں کے بیت المال کو بے تدبیر کو بے جا گراں بہا صلے دے کر خرچ کیا ہے اس پر بھی تم کو تسلی نہ ہوئی اور چاہتے ہو کہ قیامت میں تمہارے اسراف کی میں بھی گواہی دوں، ہارون تجھ کو کل خدا کے سامنے جواب دینے کے لئے تیار رہنا چاہیئے تو تخت پر اجلاس کرتا ہے حریر کا لباس پہنتا ہے تیرے دروازے پر پہرہ چوکی رہتا ہے تیرے عمالِ حکومت خود تو شراب پیتے ہیں اور دوسروں کو شراب پینے پر سزا دیتے ہیں خود زنا کرتے ہیں اور زانیوں کو حد جاری کرتے ہیں خود چوری کرتے ہیں اور چوروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں ان جرائم پر پہلے تجھ کو اور پھر تیرے عمالِ حکومت کو سزا ملنی چاہیئے پھر اوروں کو، ہارون وہ دن بھی آئے گا کہ تو قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ تیری مشکیں بندھی ہوں گی اور تیرے ظالم عمالِ حکومت تیرے پیچھے ہوں گے اور تو سب کا پیشوا بن کر دوزخ کی طرف لے جائیگا میں نے تیری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا اب پھر کبھی خط نہ لکھنا۔

۲۔ ہارون الرشید اپنے وزیر فضل برمکی کے ساتھ خواجہ فضیل بن عیاض کے مکان پر گیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا خواجہ نے فرمایا کون؟ فضل نے کہا امیرالمومنین آئے ہیں خواجہ نے فرمایا یہاں کیا کام ہے ان سے کہیئے تشریف لے جائیں میرے کام میں مخل نہ ہوں لیکن خلیفہ زبردستی مکان میں گھس گیا اور کہا

خلیفہ۔ مجھ کو کچھ نصیحت فرمائیے

خواجہ۔ جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اپنے آپ کو بہت سی بلاؤں میں گھرا ہوا پایا۔

خلیفہ۔ اور کچھ ارشاد ہو

خواجہ۔ خدا سے ڈرتا رہ کہ اس کے حضور میں ایک دن جواب دہی کیلئے حاضر ہونا ہے جس طرح تو لوگوں کو اپنے حضور میں جواب دینے کے لئے طلب کرتا ہے قیامت کے دن تجھ سے ایک ایک آدمی کا حساب لیا جائے گا اگر کوئی بڑھیا بھی کسی رات کو بھوکی سوئی ہوگی تو قیامت کے روز وہ بھی تیری دامن گیر ہوگی خلیفہ یہ سن کر کانپ اٹھا اور رونے لگا تو وزیر نے کہا

وزیر۔ فضیل اب یہ سلسلہ ختم کیجئے آپ نے امیرالمومنین کو مار ڈالا۔

خواجہ۔ میں نے نہیں مار ڈالا بلکہ تم جیسے لوگوں نے اس کو ہلاکت کے قریب پہونچا دیا ہے۔

خلیفہ۔ اگر آپ پر کچھ قرض ہو تو فرمائیے میں اس کو ادا کر دوں،

خواجہ۔ ہاں خدا کا قرض (یعنی مجھ سے صحیح طور سے اطاعت نہیں ہو سکتی)

خلیفہ۔ میں کسی بندے کے قرض کے بارے میں دریافت کرتا ہوں

خواجہ۔ الحمدللہ یہ تو نہیں ہے۔

خلیفہ۔ یہ ایک ہزار روپیہ مجھ کو والدہ کے ترکہ سے پہونچا تھا خالص اور طیب ہے اس کو قبول فرمائیے

خواجہ۔ افسوس تم کو میری تمام نصیحتوں سے کچھ بھی فائدہ نہ پہونچا اور مجھ پر ظلم کرنے لگے یہ روپیہ اس شخص کو دینا چاہیئے جس کو ضرورت ہو اور دے دیتے ہو اس کو جس کو ضرورت نہیں

۳۔ خواجہ بایزید بسطامی سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص ولی ہے خواجہ صاحب اس سے ملنے گئے اس ولی نے قبلہ کی طرف تھوکا خواجہ صاحب وہاں سے اٹھ کر چلے آئے اور فرمایا کہ اس کو ادب تو ہے نہیں یہ ولی نہیں ہو سکتا

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ مولانا روم نے بھی ارشاد فرمایا ہے

"از خدا خواہیم توفیق ادب — بے ادب محروم ماند از فضل رب"

فرائض وسنن وواجبات تو بہت بڑی چیز ہیں اولیائے کرام آداب شریعت کے بھی پورے پابند ہوتے ہیں

۴۔ خواجہ جنید بغدادی کے پاس ایک شخص کئی برس تک ٹھہرا رہا آخر واپس جانے لگا تو کہنے لگا بڑا نام سن کر آئے تھے مگر دیکھا کچھ بھی نہیں خواجہ صاحب نے فرمایا کیا چاہتے تھے اس نے کہا میں نے آپ سے کوئی بھی کرامت نہیں دیکھی خواجہ نے کہا یہ تو بتا کہ تو نے کوئی فعل خلاف سنت بھی دیکھا اس نے کہا نہیں خواجہ صاحب نے فرمایا بس یہی میری کرامت ہے

۵۔ خواجہ حسن نظام الملک طوسی ایران کی عظیم الشان سلطنت کا وزیر تھا صاحب ذی علم قدردان اور عادل تھا اس نے ارادہ کیا کہ میں تمام علماء و صلحاء سے ایک محضر مرتب کراؤں کہ میں نے کسی پر ظلم نہیں کیا تو قیامت کے دن خداوند ذوالجلال کے حضور میرے لئے حجت ہوگا، محضر مرتب ہوا تمام علماء و صلحاء کے دستخط ہوئے جب یہ محضر دستخط کیلئے خواجہ ابو اسحاق شیرازی (آپ کا وطن فیروزآباد تھا مگر شیرازی مشہور ہیں ۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے ۴۷۶ھ میں وفات پائی) کے پاس پہنچا تو خواجہ نے اس پر لکھ دیا خیر الظلمۃ حسن یعنی حسن سب ظالموں میں اچھا ہے نظام الملک نے جب یہ فقرہ دیکھا تو بہت رویا اور کہا کہ شیخ نے سچ لکھا ہے

۶۔ سلطان محمود غزنوی خواجہ ابوالحسن خرقانی (خرقان ایک موضع ہے عزوان کے قریب) سے ملنے گیا خود تو اپنے غلام ایاز کا لباس پہنا اور ایاز کو شاہی پوشاک پہنائی اور چند کنیزوں کو مردانہ لباس پہنا کر ساتھ لے لیا، جب خواجہ کے پاس پہنچے خواجہ نے محمود کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا اور ایاز کی طرف (جو بادشاہ بنا ہوا تھا) کچھ توجہ نہ فرمائی اور فرمایا نامحرموں کو باہر بھیج دو، محمود نے عرض

کیا مجھے کچھ نصیحت فرمائیے، خواجہ نے فرمایا چار باتوں کا خیال رکھنا۔ (۱) سو عادت سے پرہیز کرنا۔ (۲) نماز باجماعت ادا کرنا (۳) سخاوت کی عادت ڈالنا۔ (۴) خلق خدا پر شفقت کرنا۔ سلطان نے پھر عرض کی حضرت دعا فرمائیے خواجہ نے فرمایا اللھم اغفر للمومنین والمومنات، محمود نے کہا حضرت میرے لئے کچھ دعا فرمائیے خواجہ نے فرمایا محمود عاقبت محمود باد، محمود نے ایک ہزار اشرفیاں نذر کیں خواجہ نے ایک جو کی روٹی محمود کے آگے رکھ کر فرمایا کھاؤ محمود نے لقمہ لیا تو سخت روٹی کا خشک لقمہ گلے میں اٹک گیا خواجہ نے کہا محمود کیا لقمہ گلے میں اٹک گیا محمود نے کہا ہاں۔ فرمایا اچھا اشرفیوں کا لقمہ بھی اسی طرح میرے حلق میں اٹک جائے گا اسے اٹھا لو محمود نے کہا مجھے اپنا ایک پرانا کرتا مرحمت فرمائیے حضرت نے عنایت فرما دیا، محمود نے سومنات میں اسی کرتے کو پہن کر دعائے فتح مانگی تھی جو مستجاب ہوئی تھی۔

۳؎ سلطان ملک شاہ اپنے وزیر نظام الملک کے ساتھ بغداد گیا اور اہل حاجت کو بہت کچھ تقسیم کیا جب چالیس ہزار دینار تقسیم ہو چکے تو عام منادی کرادی کہ کوئی اہل حاجت نہ آئے اس اعلان کو سن کر خواجہ ابو سعید وزیر کے پاس پہنچے اور فرمایا

"جس شخص کو خدا نے حکومت عطا کی ہے اگر وہ حوادث کا انسداد اور مساکین کی امداد نہ کرے اور اپنی ثروت اور روپیہ کو صحیح طور پر استعمال نہ کرے تو وہ کسی عبادت کا لطف حاصل نہیں کرسکتا قیامت کے دن جب ملک شاہ سے سوال ہوگا اور عرض کرے گا خدایا میں نے تیرے بندوں پر ایک ہزار دینار وزیر کو عطا کیا تھا تو پھر تجھی سے جواب طلب ہوگا اس دن کو یاد کر اور غریبوں کی امداد کر"

وزیر خوش ہوا اور ایک ہزار دینار شیخ کی خدمت میں پیش کئے۔ شیخ نے فرمایا میرے پاس زمین اور باغ ہے مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اس رقم سے مستحقین کی امداد کر۔

۴؎ سلطان سنجر نے جو صوبہ نیمروز حضرت غوث اعظم کو لکھا کہ میں

عینہ کا فرمان نافذ کیا، حضرت غوث اعظم نے اس پر یہ قطعہ لکھ کر واپس کر دیا۔

چوں تاج سنجری رخ بختم سیاہ باد ۔۔۔ باشد گر بود ہوس تاج سنجرم

تا یافتہ ام خبر زملک نیم شب ۔۔۔ صد ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

۲۹ رمضان کی انتیس تاریخ تھی ملک شاہ سلجوقی بادشاہ نیشاپور نے کہا کاش آج چاند ہو جائے، شام کو بادشاہ کے خوش کرنے کے لئے چند خوشامدی امیروں نے کہہ دیا کہ چاند ہو گیا بادشاہ نے منادی کرادی کہ کل عید ہے، امام الحرمین شاہ الامعالی کو خبر ہوئی انہوں نے منادی کرادی کہ کل روزہ ہے امیروں نے بادشاہ سے چغلی کی بادشاہ غضبناک ہوا اور ان کو طلب کر لیا یہ معمولی لباس میں پہنچے۔

بادشاہ۔ آپ نے درباری لباس کیوں نہیں پہنا

امام صاحب۔ میں اسی لباس میں نماز پڑھتا ہوں اور خداوند ذوالجلال کے دربار میں جاتا ہوں، البتہ رسم دنیا کے موافق میرا لباس درباری نہیں ہے اس کی وجہ عدول حکمی یا توہین سلطانی نہیں ہے جس وقت مجھے طلب کیا گیا مجھے خیال ہوا کہ سلطان اسلام کے حکم کی تعمیل میں ذرا سی دیر بھی ہوئی تو فرشتے میرا نام نافرمانوں میں لکھ لیں گے اس لئے جس حالت میں تھا اسی طرح چلا آیا۔

بادشاہ۔ جب بادشاہ اسلام کی اطاعت اس درجہ واجب ہے تو ہمارے حکم کے خلاف منادی کیوں کرائی۔

امام صاحب۔ جو امور حکم سلطانی پر منحصر ہیں ان میں اطاعت ہم پر واجب ہے اور جو حکم شریعت سے متعلق ہے اس میں کسی کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

یہ سن کر بادشاہ کا غصہ فرو ہو گیا۔

۳۰ خلیفہ بغداد مستنصر باللہ اور چند وزراء نے امام غزالی کو لکھا کہ آپ بغداد آئیے آپ کو مدرسۂ نظامیہ کا صدر مدرس مقرر کیا جاتا ہے، امام صاحب نے اس دعوت کو ان اعتراضات کے ساتھ رد کر دیا۔

(۱) اس وقت ڈیڑھ سو طالب علم میرے پاس ہیں ان کو بغداد جانے میں

تکلیف نہ ہوگی۔

(۲) میں نے عہد کیا ہے کہ مباحثہ اور مناظرہ نہیں کروں گا اور بغداد میں بغیر اس کے چارہ نہیں

(۳) بغداد میں دربار خلافت میں سلام کیلئے حاضر ہونا ضروری ہے مجھے گوارہ نہیں۔

(۴) میں تنخواہ نہیں لونگا اور بغداد میں میری کوئی ایسی جائیداد نہیں جس سے گزر اوقات ہو سکے۔

۱۱ شیخ ابو الفتح عبدالرحمان خازنی کو سلطان سنجر سلجوقی نے پانچ ہزار دینار بھیجے شیخ نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ میرا سالانہ خرچ پندرہ روپیہ ہے صبح کو دو روٹیوں کی اور ہفتہ میں تین مرتبہ گوشت کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت میرے پاس پچاس روپیہ موجود ہیں اگر یہ سب خرچ ہو جائیں اور میں زندہ رہوں تو خدا دینے والا ہے

۱۲ سلطان ناصرالدین محمود ہندوستان میں خاندان غلامان میں آٹھواں حکمران ہوا ہے اس نے اپنے بیٹے الغ خاں (شاہ غیاث الدین بلبن) کے ہاتھ کچھ زر نقد اور فرمانِ جاگیر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں بھیجا اور لکھا کہ یہ آپ کے لئے نہیں بلکہ طالب علموں مسافروں اور درویشوں کے لئے ہے کیونکہ سلطان جانتا تھا کہ باباصاحب اپنی ذات کے لئے کوئی امداد قبول نہیں فرمائیں گے، جب شہزادہ پہنچا تو باباصاحب نے حکم دیا کہ زر نقد اہل حاجت کو تقسیم کر دو اور بہ آفات کا پیش خیمہ یعنی فرمان جاگیر واپس لے جاؤ۔

۱۳ امیرالامراء ترک نے دہلی میں ایک مسجد تعمیر کرائی اس کی امامت پر خواجہ نجیب الدین متوکل کو مقرر کیا، امیر نے جب اپنی دختر کی شادی کی ایک لاکھ روپیہ خرچ کیا، شیخ نے امیر سے کہا کہ مومن کامل وہ ہے جس کو اولاد سے زیادہ خدا کی محبت ہو تم نے ایک لاکھ روپیہ بیٹی کی شادی میں خرچ کیا ہے جب تک اسی سے دگنی رقم اللہ کی رضا مندی کے لئے خرچ نہیں کرو گے

عاقبت بخیر ہونا مشکل ہے۔ اس پر ناراض ہوا اور شیخ کو برخاست کر دیا شیخ وہاں سے پاکپٹن بابا فرید الدین کے پاس پہونچے باباصاحب نے ان کا بڑا احترام کیا ۷۱۷ھ میں وفات پائی۔

۱۲ خواجہ برہان الدین غریب ۶۵۴ھ میں موضع ہانسی (ضلع حصار) میں پیدا ہوئے ماں باپ غریب اور مفلوک الحال تھے بعد تحصیل علم ان کو خیال پیدا ہوا کہ کسی کیمیا گر سے کیمیا کا نسخہ حاصل کرنا چاہیئے اسی دھن میں دہلی آگئے یہاں سلطان المشائخ کی شہرت سن کر ان کے مرید ہو گئے مگر وہ خیال اور تلاش باقی رہی ایکدن سلطان المشائخ نے ان سے فرمایا برہان الدین استنجے کے لئے ڈھیلا لا دو یہ ڈھیلا لینے گئے تو جس ڈھیلے کو ہاتھ لگاتے وہ سونا ہو جاتا اب مٹی کا ڈھیلا کہاں سے لائے آخر پیرو مرشد سے عرض کیا کہ یہ کیفیت ہے حضرت نے فرمایا برہان الدین جو چیز استنجے کے کام بھی نہ آسکے اس کی جستجو سے کیا فائدہ اسی وقت سے یہ خیال دل سے جاتا رہا کچھ دنوں کے بعد حضرت نے ان کو علم دیا کہ دولت آباد دکن میں جا کر قیام کریں اور اسلام کی خدمت انجام دیں ۷۳۸ھ میں دولت آباد ہی میں وفات پائی۔

۱۳ خواجہ سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پاس ایک شخص نے آکر عرض کی کہ میرے بیٹے کو علامت کی وجہ سے خان جہاں وزیر نے (سلطان فیروز شاہ تغلق) بغیر کسی وجہ اور قصور کے قید کر رکھا ہے آپ سفارش کیجئے خواجہ اس کے ساتھ وزیر کے مکان پر تشریف لے گئے وزیر نے ملنے سے انکار کر دیا وہ شخص بار بار خواجہ کے پاس آتا اور یہی درخواست کرتا آپ ہر بار اس کے ساتھ جاتے وزیر ملاقات سے انکار کر دیتا ایک دن میں اسی طرح انیس بار گئے جب بیسویں دفعہ اطلاع کرائی تو وزیر برہم ہو کر خود باہر نکل آیا اور چلا کر کہا تم کو شرم نہیں آتی کہ بار بار جواب نا صواب ملنے پر بھی آنے سے باز نہیں آتے خواجہ نے کہا مجھے اس پر دو اجر ملتے ہیں ایک تو اس مظلوم کی امداد کرنے کا ایک تجھے نیکی کی طرف بلانے کا اس گفتگو کا وزیر پر ایسا اثر ہوا کہ قیدی کو رہا کر دیا اور انعام دیا اور خواجہ صاحب سے معافی چاہی۔

۱۶۔ شاہ علاؤالدین حسن کانگو بہمنی (بادشاہ گلبرگہ دکن) کے بعد اس کا بیٹا محمد شاہ عادل سنہ ۷۵۹ھ ہجری میں تخت نشین ہؤا حکم دیا کہ علماء و مشائخ مجھ سے آکر بیعت کریں سب نے تعمیل حکم کی مگر خواجہ زین العابدین دولت آبادی نہ آئے آخر بادشاہ نے چند بار بلایا جب بھی نہ گئے اور فرمایا میں شراب خور سے بیعت نہیں کرتا بادشاہ نے کہا اگر بیعت نہیں کرتے تو شہر سے نکل جائیے شیخ وہاں اپنا عصا گاڑ کر اور یہ کہہ کر چل دیئے دیکھوں مجھے کون نکال سکتا ہے، رفتہ رفتہ تمام ملک میں شورش پیدا ہو گئی بادشاہ مجبور ہوا اور نادم ہو کر معافی کا خواستگار ہؤا اور یہ مصرعہ لکھ کر شیخ کو بھیجا

من زین توام تو از زین من باش

خواجہ واپس آئے اور کہلا بھیجا کہ اگر بادشاہ اتباع شریعت کرے گا اور شراب خانے منہدم کرا دے گا تو مجھ سے زیادہ کوئی شخص اس کا دوست نہ ہوگا۔

۱۷۔ مرتضیٰ خان ایک امیر نے خواجہ عمادالدین ۸۵۹ھ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھ کو سلطان حسین (بادشاہ جونپور) نے آپ کی خدمت میں اس لئے بھیجا ہے کہ سلطان کا ارادہ دہلی پر حملہ کرنے کا ہے آپ ان کی فتح کے لئے دعا فرمائے۔ یہ سن کر خواجہ برہم ہو گئے اور فرمایا مرتضیٰ خاں تیرے باپ دادا بہلول شاہ دہلی کے نمک خوار تھے اور بادشاہ نے ان پر بے حد احسانات کئے تھے تو آج تمام احسانات کو بھول کر نمک حرامی کرتا ہے اور ایک ظالم بادشاہ سے مل کر ایک نمازی بادشاہ کی تخریب کے در پے ہے یہ سن کر مرتضیٰ خاں نادم ہوا اور بہلول بادشاہ کے موافق ہو گیا۔

۱۸۔ بادشاہ بہلول لودھی خواجہ عمادالدین کی خدمت میں حاضر ہوا خواجہ نے فرمایا تین آدمی انعام الہی سے محروم رہتے ہیں ایک وہ بوڑھا جو گناہوں سے باز نہیں آتا دوسرا وہ جوان جو سمجھتا ہے کہ ابھی استغفار کا وقت بڑھاپے کا ہے تیسرے وہ بادشاہ جو رعایا پر ظلم کرے۔

۱۹۔ امیر تیمور نے جب ملک غیاث الدین کو شکست دے کر ہرات

پر قبضہ کیا تو اس کو معلوم ہوا کہ ایک موضع تانبا دیے اس میں ایک بزرگ
خواجہ ابو بکر ۸۱۰ھ رہتے ہیں امیر نے خواجہ کے پاس ایک مصاحب کو یہ پیغام
دے کر بھیجا کہ بادشاہ سے ملاقات کے لئے آئیے، خواجہ نے کہا امیر سے نہ
میرا کوئی کام ہے نہ کوئی مطلب ہے مجھے ملنے کی کیا ضرورت آخر امیر خود خواجہ
کے پاس حاضر ہوا اور کہا آپ نے غیاث الدین کو نہ سمجھایا اور اس کو جنگ
سے نہ روکا خواجہ نے فرمایا میں نے اس کو نصیحتیں کیں اس نے نہ سنیں اللہ
نے اس کی گوشمالی کے لئے تم کو بھیج دیا اگر تم عدل و انصاف سے حکومت نہ
کرو گے تو تمہاری سرکوبی کے لئے کسی اور کو بھیج دے گا

۸۱۲ھ فیروز شاہ بہمن والیٔ گلبرگہ نے اپنے عیاش بیٹے کو ولی عہد بنایا
اور خواجہ گیسو دراز کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ اس کے لئے دعا فرمائیے خواجہ
نے جواب دیا کہ آپ نے اسکو تخت و تاج کا وارث قرار دے دیا، اب فقیر
کی دعا کی کیا حاجت ہے، بادشاہ نے پھر اصرار سے کہلا بھیجا تو خواجہ نے فرمایا
کہ اس حکومت کے لئے تمہارے بعد تمہارے بھائی احمد خاں کے لئے حکم
خداوندی ہے وہ اپنے اعمال حسنہ کی وجہ سے موزوں ہے تمہارا نالائق عیاش
بیٹا اس قابل نہیں ہے۔

چنانچہ فیروز شاہ کے بعد احمد خاں ہی تخت نشیں ہوا

۱۰۱۱ھ ابراہیم عادل شاہ بادشاہ بیجاپور کو گانے کا شوق تھا ہندو گویوں نے
اس سے کہا کہ اگر آپ سارستی دیوی کی پوجا کیا کریں تو آپ کی آواز اچھی رہے
گی بادشاہ نے دیوی کی پرستش شروع کر دی ۱۰۱۱ھ میں شاہ صبغۃ
اللہ حسینی بیجاپور پہونچے جب ان کو یہ حال معلوم ہوا تو انھوں نے بادشاہ سے
کہا اس شرک سے باز آؤ، بادشاہ نے کہا میرا عقیدہ تو وہی ہے جو سب
مسلمانوں کا ہے، میں تو صرف آواز کی خوبی کو برقرار رکھنے کیلئے ایسا کرتا ہوں
شاہ صاحب نے فرمایا آپ اس کو ترک کر دیجئے آپ کی آواز ہمیشہ اچھی
رہے گی، بادشاہ نے توبہ کی اور آخر دم تک اس کی آواز اچھی رہی
۱۰۲۳ھ صوفی قاضی خان ظفرآبادی ۱۰۲۲ھ کے زہد و اتقا کا شہرہ سن کر جہانگیر

بادشاہ نے کئی دفعہ نذریں بھیجیں اور جاگیریں پیش کیں مگر حضرت نے قبول نہ کیں آخر بادشاہ نے ایک سفید کاغذ پر مہر لگا کر بھیجا کہ آپ جس قدر جاگیر چاہیں اس پر لکھ لیں مجھ کو عذر نہ ہوگا حضرت نے اس پر لکھ دیا

" مارا احتیاج نیست و بے احتیاج حق مسلمانان گرفتن روا نہ باشد و باوز خدمت پیر خود عہد کردہ ایم ۔

از خدا اسم و از غیر نخواہیم مخلد کہ نہ من بندۂ غیر و نہ خدا اسم دگر است "

۲۳ اکبر بادشاہ کا عہد حکومت تھا کہ خواجہ باقی باللہ کابل سے لاہور تشریف لائے اس زمانے میں سخت قحط پڑ رہا تھا خواجہ صاحب کے سامنے جب کھانا آتا تو فرماتے افسوس ہے کہ میں کھاؤں اور لوگ گلی کوچوں میں بھوک کے پھریں آپ تمام کھانا تقسیم کر دیتے اس طرح کئی کئی دن تک فاقے سے رہتے ۔

۲۴ عالمگیر بادشاہ نے اپنے بیٹے کو ایک خط میں لکھا ہے کہ شاہ عبداللطیف (بیجاپوری دکن) سے ملنے گیا میں نے عرض کیا کہ چند دیہات جاگیر میں دینا چاہتا ہوں شاہ صاحب نے فرمایا ۔

" شاہ مارا دہ دہلی خدمت نبید رازق مارا رزق بے منت دہد "

میں نے کہا یہ صحیح ہے مگر بزرگوں کی خدمت کرنا خیر و برکت حاصل کرنے کیلئے ہوتا ہے نہ احسان کے لئے تو شاہ صاحب نے فرمایا

" اگر باطنی ارادہ کی پختگی کے ساتھ بھلائی کرنے کا خیال ہے تو رعایا کو لگان میں رعایت دو اور ستم رسیدہ لوگوں کو معاف کر دو گوشہ نشینوں کے وظیفے مقرر کر دو اور مظلوموں کے ساتھ انصاف کرو جب ان باتوں پر عمل کرو گے تو خدا برکت دے گا "

۲۵ خواجہ حمیدالدین ناگوری کو سلطان التمش نے پانسو سکہ چاندی اور ایک گاؤں جاگیر کا فرمان بھیجا گورنر نے آکر خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا خواجہ صاحب نے گھر میں جا کر اپنی بیوی صاحبہ سے ذکر کیا (اس وقت خواجہ صاحب کے تہبند میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے اور بیوی صاحبہ کا دوپٹہ پھٹا ہوا تھا) بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ میں نے کچھ سوت کات لیا ہے تمہارا تہبند

اور ہیرا اور پنہ دونوں بن جائیں گے تم یہ شاہی عطیہ لے کر اپنی فقیری کو کیوں
خراب کرتے ہو خواجہ صاحب کو بیوی صاحبہ کا مشورہ بہت پسند آیا اور شاہی
انعام واپس کر دیا۔

۲۶ شاہ کلیم اللہ جہان آبادی چشتی کے فضل و کمال، تالیف و تصنیف اور درس
و تدریس کا شہرہ سن کر فرخ سیر بادشاہ دہلی نے وظیفہ مقرر کرنا چاہا شاہ صاحب نے
انکار فرما دیا۔ شاہ صاحب کی گزر اوقات اس پر تھی کہ ان کا ایک مکان تھا اس مکان کا دو روپیہ
آٹھ آنے ماہوار کرایہ ملتا تھا بادشاہ نے ایک مرتبہ خواہش ظاہر کی کہ میں فلاں مکان
آپ کے لئے دینا چاہتا ہوں آپ اس میں سکونت اختیار فرمائیے اور اس مکان کو بھی کرایہ
پر دے دو شاہ صاحب نے انکار فرما دیا پھر بادشاہ نے پیغام بھیجا کہ میں
حاضر ہونا چاہتا ہوں شاہ صاحب نے جواب دیا میں رعیت ہوں دعاگو ہوں
بس یہی کافی ہے تکلیف فرمانے کی ضرورت نہیں

۲۷ شاہ عبد اللہ عرف غلام علی سنہ۱۲۴۰ھ خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید
کو معلوم ہوا کہ تبرکات جامع مسجد و تبرکات قلعہ دہلی میں بزرگان دین کی تصویریں
بھی ہیں آپ نے فوراً اکبر شاہ ثانی کو خط لکھا

"تحقیق شد کہ تصویر ہا در یں جا نہادہ اند تصویر پیغمبر خدا علیہ السلام و اہل
بیت و اولیائے کرام رضی اللہ عنہم ساختن و پیش خود داشتن در شریعت محمدی
جائز نیست، تصویر حضرت ابراہیم علیہ السلام را پیغمبر خدا بدست مبارک شکستہ
اند بادشاہان صاحب توحید و متبعین اسلام گذارند کہ تصویر ہا پیغمبر و اولیاء بت
پرستی را رونق نمایند چہ ظلم و چہ گناہ کم برخرابی مسلمانی و سلطنت و سعی
مسلمانان اللہ تعالیٰ ہدایت فرماید در جامع مسجد و قلعہ بادشاہی کہ ہر دو
جائے مسلمانان است اصنام داشتن چہ معنی"

۲۸ نواب امیر خان والی ٹونک نے شاہ غلام علی کی خدمت میں درخواست
بھیجی کہ میں اخراجات خانقاہ کے لئے کچھ رقم مقرر کر دوں قبول فرمائی جائے شاہ
صاحب نے اس کے جواب میں اپنے مرید مولانا یوسف احمد مصنف جواہر
علویہ سے فرمایا کہ اس خط پر یہ شعر لکھ کر واپس کر دو

"ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم — با میر خاں بگوئے کہ روزی مقرر است" ۔

شاہ صاحب کبھی کبھی فارسی میں شعر بھی کہتے تھے

۲۹۔ شہزادی کا عاشق ہونا

ایک خادمہ کا اکلوتا لڑکا شہزادی پر عاشق ہو گیا روز بروز اس کے خیال و عشق میں گھلا جاتا تھا، ماں نے بہت کچھ علاج معالجہ کیا افاقہ نہ ہوا، جب حالت ابتر ہو گئی تو لڑکے نے ماں سے کہا کہ مجھے کوئی مرض نہیں جو دوا دارو سے آرام ہو، اصل یہ ہے کہ میں کچھ نہیں چاہتا صرف ایک نظر شہزادی کو دیکھنا چاہتا ہوں اگر تجھ سے ممکن ہے تو مجھے دکھا دے میں اچھا ہو جاؤں گا ورنہ صبر کر، ماں کی مامتا اس نے موقع پا کر جان پر کھیل کر تخلیہ میں شہزادی سے سب واقعہ بیان کر دیا بہت گریہ زاری کی شہزادی کو رحم آیا اور کہا ہمارا دیکھنا صرف ایک طرح ممکن ہے اس سے کہو کہ تو جنگل میں جھونپڑی ڈال کر عبادت کر جب اس کی شہرت ہو جائے گی ہم بھی بادشاہ سے اجازت لے کر پہنچ جائیں گے۔ ماں نے لڑکے سے کہا لڑکے نے یہی عمل کیا کچھ دنوں میں سارے شہر میں شہرت ہو گئی کہ ایک بڑے پہونچے ہوئے فقیر آئے ہیں لوگ جوق در جوق زیارت کو جانے لگے پہلے عام آدمی گئے پھر امیروں نے جانا شروع کیا یہاں تک کہ بادشاہ بھی گئے اب شہزادی نے بادشاہ سے عرض کی کہ میں بھی حضرت کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتی ہوں بادشاہ نے اجازت دے دی لڑکی (شہزادی) پہونچی لیکن جھونپڑی میں اس کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی تو اس نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، شہزادی نے کہا کمبخت میں تیرے سامنے کھڑی ہوں اب دیکھتا کیوں نہیں لڑکے نے کہا کہ ریا سے جس عبادت کا ایسا اثر ہے کہ تم بے بلائے آگئیں تو اخلاص سے اس کی یاد میں کیا کچھ عظمت و برکت ہو گی آپ جائیے مجھے آپ کے دیکھنے کی ضرورت نہیں میں تو اب اسی کو یاد کروں گا اور اسی سے محبت کروں گا آخر وہ کامل ولی ہو گیا۔

۳۰۔ بہروپیا

ایک بہروپیا ایک بادشاہ کے پاس روپ بھر کر گیا بادشاہ نے کہا ہم تو جب انعام دیں گے کہ تم ہمیں دھوکا دے دو بہروپیا چلا گیا کئی برس کے بعد

بادشاہ لشکر لے کر کسی طرف کو روانہ ہوا راستے میں ایک مقام پر سنا کہ فلاں پہاڑی پر ایک ولی رہتے ہیں بادشاہ ان کی زیارت کو گیا اور بہت دیر تک بیٹھا رہا پھر ایک خوان اشرفیوں کا بھرا نذر کیا فقیر نے لینے سے انکار کر دیا جب بادشاہ لشکرگاہ میں واپس آیا، بہروپیے نے آکر سلام کیا اور کہا انعام دلوایئے کیسا دھوکا دیا، بادشاہ نے اس کو ایک ہزار روپیہ دیا بہروپیے نے خوش ہو کر لے لیا بادشاہ نے دریافت کیا کمبخت میں نے تو تیرے سامنے اشرفیوں کا خوان پیش کیا تھا وہ تو نے نہ لیا اور اب ایک ہزار روپیہ خوش ہو کر لے لیا اس کی کیا وجہ ہے، بہروپیے نے عرض کیا جہاں پناہ روپے اشرفی کو ہاتھ لگانا اور اس طرح لینا اس لباس کی شان کے خلاف تھا اور اب جس لباس میں ہوں یہ انعام اس سے بہت زیادہ ہے پھر وہ اولیائے کاملین سے ہو گیا

الباب السادس فی کلمات الاولیاء

بزرگان دین نے مسلمانوں کی ظاہری و باطنی اصلاح کیلئے جو نصائح مختصر جملوں میں ارشاد فرمائے ہیں وہ تذکروں کی کتابوں میں درج ہیں، کلمات کی صحت و سند پر آیت و حدیث کی طرح وثوق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بزرگوں کے حالات تصانیف میں تحریفات بہت ہوئی ہے اور قواعدِ روایت و درایت کے موافق ان کی جانچ بھی نہیں ہوئی بہر حال وہ کلمات جو خدا اور رسول کے فرمان کے مطابق ہیں ضرور ان بزرگوں کے ہیں اور واجب العمل ہیں اور جو خلاف ہیں ان کے نہیں ہو سکتے وہ بہر صورت لائق رد ہیں، میں نے کلمات کا انتخاب ایک قلمی کتاب کلماتِ خلفاء الراشدین مصنفہ محمد بن عبد الجلیل الرشید تذکرۃ الاولیاء و سفینۃ الاولیاء، کلمات الاولیاء اور نفحات الانس وغیرہ وغیرہ سے کیا ہے

"کلمات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ"

ظاہر و باطن میں خدا کا خوف کر خدا تیرے ظاہر و باطن پر آگاہ ہے، نفس کی باگ کو شہوات کی طرف سے کھینچے رہ اگر تو نے ایک بار بھی ڈھیل دی تو وہ ہر دفعہ اسی طرف کو رخ کرے گا، پہلے ادائے فرض میں کوشش کر پھر نوافل کی طرف

نوجہ کر صبر نصفِ ایمان ہے، ہر کام میں خدا سے مدد چاہ ہر کام میں خدا پر توکل کر اگر مال ہے تو عطا و سخا کر، جس قوم میں کھلم کھلا معصیت کا رواج ہو جاتا ہے اس پر بلائیں آتی ہیں، اپنے بھائی کی مدد کر اور اس کے واسطے دعا کر، جہالت اور غرور سے دور رہ، بغاوت اور قطع رحم بڑا گناہ ہے، پڑوسی کو تکلیف مت دے موت بہت سخت چیز ہے مگر آخرت، حساب اور سوال و جواب اس سے زیادہ سخت ہیں، جس طرح تو اپنے حق کا طالب ہے اسی طرح دوسروں کا حق ادا کر، تقویٰ کا نتیجہ کرم ہے یقین کا غنا اور تواضع کا شرف ہے جس نے معرفتِ الٰہی کا ذائقہ چکھا وہ ماسوای اللہ سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔

"کلمات حضرت عمر رضی اللہ عنہ"

جس کو حیا نہیں اس کا دل مردہ ہے، طمع عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے، جس نے طمع غصہ اور خواہشات نفس سے اپنے آپ کو بچا لیا اس نے دارین میں فلاح پائی، تھوڑا کسب کر کے کمانا اس سے بہتر ہے کہ سوال کر کے مال کثیر حاصل کرے جو امیروں سے محبت کرتا ہے وہ طالب دنیا ہے۔ خدا اس شخص پر رحمت کرے جو ہمارے عیب ہم پر ظاہر کرے، جو زیردستوں کو معاف کرتا ہے وہ زبردستوں سے محفوظ رہتا ہے، نعمت پر شکر اور محنت پر صبر چاہیے۔ دروغ گو اور فاجر ہلاک ہو جاتا ہے

"کلمات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ"

اقوالِ مہذب اور افعالِ مؤدب اختیار کرو تہمت کے مقام سے بچو تم خدا کے عذاب و عقاب سے غافل ہو خدا تمہارے حرکات و سکنات سے غافل نہیں، لین دین میں راستی سے کام کرو، دنیا کا غم آنکھ اور دل کو تاریک کر دیتا ہے، عقبیٰ کا غم دل اور آنکھ کو روشن کرتا ہے، تمہارے اعمال کا بدلہ تم کو ملے گا اگر کوئی تم سے مشورہ کرے تو دیانت و امانت کے ساتھ مشورہ دو جو خدا کے لئے ترکِ دنیا کرتا ہے خدا اس سے محبت کرتا ہے

"کلمات حضرت علی رضی اللہ عنہ"

حریص امورِ غیر مباح سے نہیں بچ سکتا جس کسی کو صدقِ مقال اور حسن

عمل نہیں ہوتا وہ مروت فتوت سے خالی ہوتا ہے آدمی کو چاہئے کہ اپنی قدر جانے اور اندازہ سے باہر قدم نہ رکھے۔ بہت کھانے والے کا معدہ گراں اور بدن کمزور ہوتا ہے۔ نیک عمل سے عمر میں برکت ہوتی ہے مومن ہمیشہ حکمت کا طالب رہتا ہے۔ ایمان چار ستونوں پر قائم ہے۔ صبر، یقین، عدل اور جہاد۔

"کلمات خواجہ اویس قرنی"

میں نے بلندی طلب کی تو عاجزی میں پائی۔ میں نے سرداری کو چاہا تو سچائی میں پایا۔ میں نے فخر کو ڈھونڈا تو فقر میں پایا میں نے نسبت کو تلاش کیا تو پرہیزگاری میں پایا۔ میں نے بڑائی کو ڈھونڈا تو قناعت میں پایا میں نے بے پروائی کو تلاش کیا تو توکل میں پایا۔ نمازی کے تیر لگے اور اس کو خبر نہ ہو یہ خشوع ہے۔ خدا کو پہچانا جاتا ہے۔ سلامتی تنہائی میں ہے خدا کے کاموں میں ایسے رہو گویا دنیا میں کوئی تمہارا ملنے والا ہی نہیں ہے۔ لوگوں کے لئے غائبانہ دعا کرتے رہو یہ لوگوں کے ملنے سے بہتر ہے کیونکہ اس میں اس میں نمائش و ریا کا احتمال نہیں۔
جو خدا سے خوش ہوگا لوگوں سے بے نیاز ہوگا

"امام زین العابدین ۹۴ھ"

خدا کی عبادت خوف سے کرنا غلاموں کی عادت ہے۔ خدا کی عبادت جنت کی طمع سے کرنا تجارت ہے۔ خدا کی عبادت اخلاص سے اس کی رضا کے لئے کرنا خاصان خدا کی عبادت ہے۔ پانچ آدمیوں سے علیحدہ رہنا چاہیئے ۱۔ فاسق ۲۔ بخیل ۳۔ احمق ۴۔ کذاب ۵۔ قاطع رحم۔

"سعید بن مسیب تابعی ۹۴ھ"

شیطان جب کسی بات میں انسان سے مایوس ہو جاتا ہے تو اس کو عورتوں کے ذریعہ سے پورا کرتا ہے۔ جس دنیا کو انسان اس نیت سے حاصل نہیں کرتا کہ اس کے ذریعہ سے اپنے مذہب اور اپنی شرافت کو بچائے یا صلہ رحم کرے تو اس میں خیر نہیں

"سعید بن جبیر تابعی ۹۵ھ"

تین کام نہ کرو ایک تو بادشاہ کے فرش پر قدم نہ رکھو اگرچہ شفقت کی وجہ

ہی سے کیوں نہ ہو، دوسرے کسی پردہ نشین کے ساتھ خلوت میں نہ بیٹھو اگرچہ وہ رابعہ بصری ہی کیوں نہ ہو اور تم اس کو قرآن ہی کیوں نہ پڑھاتے ہو تیسرے اپنے کانوں کو مزامیر سے نہ لگاؤ اگرچہ تم مردوں ہی کے درجہ میں کیوں نہ ہو کیونکہ یہ آفت سے خالی نہیں آخرالامر اپنا زخم لگاتے ہیں۔

"مالک بن دینار تابعی ۱۳۱ھ"

ہر وقت اس کی کارسازی پر راضی رہ جو تیرے کام کو بناتا ہے تاکہ تو نجات حاصل کرے سب سے بہتر عمل اخلاص ہے۔

"حسن بصری تابعی ۱۱۰ھ"

جس نے قناعت کی وہ لوگوں سے بے نیاز ہو گیا جس نے لوگوں سے عزلت اختیار کی اس نے سلامتی حاصل کی جس نے اپنی خواہشات کو مغلوب کر لیا وہ آزاد ہو گیا، جس نے حسد چھوڑ دیا اس کی مودت ظاہر ہو گئی اور جس نے چند روز صبر کیا اس نے ہمیشہ کے لئے برخورداری حاصل کی۔

ایک شخص قبرستان میں کچھ کھا رہا تھا امام حسن بصری نے فرمایا یہ منافق ہے انکساری اور تواضع کی یہ شرط ہے کہ گھر سے باہر جب بھی نکلے جو کوئی ملے اسے اپنے سے بہتر جانے۔ اپنے بھائیوں کی عزت کرو جو شخص خدا کا فرمانبردار بندہ ہے اس سے دوستی ضرور کرو جو آخرت چاہتا ہے اس کو دنیا بھی مل جاتی ہے بہشت جاودانی اسی چند روزہ عمل سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ نیک نیتی سے ملتی ہے۔ دین کی اصل پرہیزگاری ہے۔ طمع پرہیزگاری کو تباہ کرتی ہے

"خواجہ محمد واسع"

اگر تو زاہد بنے اور کسی سے بھی حرص و طمع نہ کرے اور تمام مخلوق کو خدا کا محتاج جانے تو ضرور ہے کہ تو سب سے مستغنی ہو جائے گا

"امام جعفر صادق ۱۴۸ھ"

جب خدا تم کو کوئی نعمت دے اور تم چاہو کہ یہ باقی رہے اور زیادہ ہو تو خدا کا شکر کرو، اگر رزق ملنے میں دیر ہو تو استغفار زیادہ کرو۔ جب تمہارے پاس کسی بادشاہ کا حکم آئے تو لاحول پڑھو کیونکہ کشادگی کی کنجی ہے جو شخص اپنی

قسمت کے حصہ پر قناعت کرتا ہے وہ بے پرواہ بنا رہتا ہے اور جو دوسروں کے مال کی طرف نظر اٹھاتا ہے وہ فقیر مرتا ہے۔ جو شخص دوسروں کی پردہ داری کرتا ہے خدا اس کی پردہ داری کرتا ہے، جو اپنے بھائی کیلئے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے، جو جاہلوں کے پاس بیٹھتا ہے وہ ذلیل ہو جاتا ہے، جو عالموں سے ملتا ہے معزز ہو جاتا ہے جو برے مقامات پر جاتا ہے وہ بدنام ہو جاتا ہے، ہمیشہ سچ بات کہو خواہ تمہارے خلاف ہو یا موافق۔ تمام انسان آدم سے نسبت رکھنے میں برابر ہیں جب تم سے گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کرو جب تمہارے بھائی کی طرف سے تمہارے لئے کوئی ناپسند بات صادر ہو جائے تو اس کے پسندیدہ اور بہتر ہونے کی ایک سے ستر تک وجہیں تلاش کرو اگر اس پر بھی نہ ملے تو سمجھو اس کا کوئی سبب ضرور ہوگا جس کا تم کو علم نہیں، اگر کسی مسلمان سے تم کوئی بات سنو تو اس میں بہتر سے بہتر معنی پیدا کرو اگر اس کی بہتری کی طرف تمہارا خیال نہ جائے تو اپنے نفس کو ملامت کرو نجات اچھے اعمال پر منحصر ہے، چار چیزوں میں شریف آدمی کو شرم نہ کرنی چاہیئے ۱۔ باپ کی تعظیم و خدمت میں ۲۔ اپنی جگہ سے اٹھنے میں ۳۔ مہمان کی خدمت میں ۴۔ استاد کی خدمت میں اگرچہ گھر میں سو غلام ہوں

اپنے خدا کیلئے کائنات سے بے پروا ہو جانا درویشی ہے علم پر کاربند رہو۔

"امام سفیان ثوری ۱۶۱ھ"

تمام دنیا میں چار شخص عزیز ہیں۔ زاہد عالم، فقیہہ صوفی، دولت مند متواضع اور شاکر درویش۔ نیک خصلتیں خدا کے غصہ کو ٹھنڈا کرتی ہے عزلت نشینی خدا کی عبادت ہے۔ علم پھر علم پھر علم پھر علم پھر عمل پھر علم کی اشاعت۔ جو درویش امیر کے گرد پھرے جان لو کہ ریاکار ہے اور جو بادشاہ کے گرد پھرے جان لو کہ چور ہے۔

"شیخ عبداللہ بن مبارک ۱۸۱ھ"

جو شخص ادب کو ایک معمولی شے سمجھتا ہے اس کی سنتوں میں خلل

واقع ہو جاتا ہے اور یہ اس کو فرائض سے محروم رکھتا ہے اور جو شخص فرائض کو آسان تصور کرتا ہے وہ معرفت سے بے گانہ رہتا ہے۔ توکل کسب کا مانع نہیں۔

تواضع کا حق یہ ہے کہ اپنے آپ کو کسی سے بہتر نہ سمجھے۔

"حضرت رابعہ بصری ۱۸۵ھ"

جو نبی کریم کی متابعت کرتا ہے کرامت سے اسے حصہ ملتا ہے معرفت کا ثمرہ خدا کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

"خواجہ فضیل بن عیاض ۱۸۷ھ"

دو خصلتیں ایسی ہیں جو دل کو فاسد بناتی ہیں ایک بہت کھانا دوسرے بہت سونا جو شخص حق تعالے کو اچھی طرح پہچانتا ہے وہی اس کی عبادت کا حق ادا کرتا ہے۔ آدمی حق تعالیٰ کی دوستی میں اس وقت غایت درجہ تک پہونچتا ہے جب منع و عطا دونوں اس کے سامنے برابر ہوں عمل حق کو دنیا کے لئے دوست رکھنا ریا میں داخل ہے اور خلق کے لئے عمل کرنا شرک میں داخل ہے۔ دین اصل عقل ہے عقل کی اصل علم ہے علم کی اصل صبر ہے

"احمد بن عاصم انطاکی"

بزرگی دین کے لئے ظلم و ستم برداشت کرنا ہے بزرگ ترین تواضع وہ ہے جو اکبر کو دور کرے۔ جو کوئی خدا سے جتنی معرفت زیادہ رکھتا ہے اتنا ہی خدا کا خوف زیادہ رکھتا ہے۔

"منصور عمار ہمعصر خواجہ فضیل"

جو مخلوق کے ذکر میں مشغول ہوا وہ حق کے ذکر سے محروم ہوا۔ نفس کی سلامتی نفس کی مخالفت میں ہے جو دنیا کی مصیبتوں میں بے صبر ہوتا ہے وہ دین کی مصیبتوں میں گرفتار ہوتا ہے دنیا کی آرزوؤں کو ترک کرنے سے راحت نصیب ہوتی ہے، عارفوں کے لئے سب سے عمدہ لباس، تقویٰ، زہد اور پرہیزگاری ہے

"یوسف اسباط تابعی ۱۹۶ھ"

تواضع کی علامت یہ ہے کہ خدا کے احکام جس سے بھی سنے قبول کرے۔ ہر ادنیٰ شخص کے ساتھ نرمی اور عاجزی سے پیش آئے۔ اس کی عزت کرے جو اس سے مرتبہ میں زیادہ ہو اگر کچھ نقصان پہونچے تو اسے برداشت کرے۔ جو میسر آئے اس پر شکر کرے۔

"خواجہ معروف کرخی سنہ۲۰۰ھ"

جواں مردی تین چیزوں میں ہے ایک وفائے بے خلاف، دوسرے ستائش بے جود، تیسرے عطائے بے سوال۔

"خواجہ ذوالنون مصری سنہ۲۴۵ھ"

معرفت کا مدعی یا سچا ہوگا یا جھوٹا اگر سچ کہتا ہے تو جو صدیق ہوتے ہیں وہ اپنی تعریف آپ نہیں کرتے۔ اگر جھوٹ بولتا ہے تو جھوٹ بولنے والا عارف نہیں ہوتا۔ لوگوں میں فساد ان چیزوں سے ہوتا ہے سنت رسول ترک کرنا بدعت کے درپے ہونا۔ سلف کی لغزشوں کو حجت و دلیل بنانے اور ان کے ہنروں کو دفن کرنے سے۔ تقوی یہ ہے کہ ظاہر کو گناہوں سے آلودہ نہ کرے باطن کو فضولیات سے بچائے اور حق تعالیٰ کے حضور ایستادہ رہے۔ ہر ایک مدعی شہود حق سے محجوب ہے اور سخن حق سے محروم ہے اگر کوئی حق کے ساتھ ہے تو اس کو دعوی کی ضرورت نہیں۔ اور اگر وہ غائب ہے تو دعوی باقی رہے گا۔ دعوی مجبوروں کی علامت ہے

"ابو سلیمان دارانی سنہ۲۱۵ھ"

زبان کو بند رکھنا مستحکم قلعہ ہے۔ ہر چیز کا زیور دل ہے اور دل کا زیور سچائی ہے۔ تقوے سے نماز روزہ اور دوسرے اعمال پیدا ہوتے ہیں رجاء سے نہیں ہر شیئ کی نجات دنیا اور آخرت میں خدا کے خوف پر ہے جب رجاء کا غلبہ ہوگا تو دل میں فساد پیدا ہوگا اور جب خوف غالب ہوگا تو خشوع پیدا ہوگا جس دل میں خوف نہیں وہ خراب ہے خدا سے اس قدر ڈرو کہ اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور اس قدر امید نہ رکھو کہ خوف جاتا رہے۔

"خواجہ بشر مریسی سنہ۲۱۸ھ"

از سخنانِ این طائفہ (صوفیہ)، ہیچ چیز بدلِ من قرار نہ گرفت تا آنکہ دو گواہِ عدل از کتاب و سنت برہان نیافتم (نفحات الانس)

"خواجہ شیخ موصلی سنہ ۲۲۰ھ"

جو شخص اپنے دل کو علم و حکمت اور مشائخ کے سخن سے باز رکھتا ہے اس کا دل مر جاتا ہے۔

مخلوق سے حاجت نہ چاہ۔ کسی کو برا نہ کہہ۔

"خواجہ احمد خضرویہ سنہ ۲۴۰ھ"

خدا سے نزدیک تر وہ شخص ہے جس کا حسنِ خلق زیادہ ہے جو کوئی درویشی چاہتا ہے تین چیزیں اختیار کرے تواضع، سخاوت، اور حسنِ ادب۔

"بایزید بسطامی سنہ ۲۶۱ھ"

منکرِ معرفت کی بو نہ سونگھے گا جسے خدا اپنا دوست بناتا ہے تین خصلتیں عطا فرماتا ہے۔ سخاوت دریا کی طرح، آفتاب کی طرح شفقت اور زمین کی طرح تواضع۔ ایک دفعہ میرے دل میں خیال آیا کہ خدا سے دعا کروں کہ مجھے عورتوں کے نان و نفقہ کے بارے بچائے پھر میرے دل میں آیا کہ حضور نے اس بوجھ کے اٹھانے کو ترک نہیں کیا میں کس طرح آپ کی سنت کے خلاف کروں۔ خدا کو پہچاننے کا نشان مخلوق سے بھاگنا اور اس کی معرفت میں خاموش رہنا ہے کاش مخلوق خود اپنے کو پہچان سکتی کیونکہ اپنے پہچاننے سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ پانی پر چلنا کوئی چیز نہیں لکڑی بھی تیرتی ہے ہوا پر اڑنا کوئی چیز نہیں یہ جادوگر بھی کر سکتا ہے۔ مردوں کا کام یہ ہے کہ اپنا دل خدا کے سوا کسی سے نہ لگائیں۔ نیک لوگوں کی صحبت نیک اعمال سے بہتر ہے، بد لوگوں کی صحبت بد اعمال سے بدتر ہے۔ گناہ تمہارے لیے اس قدر مضر نہیں جس قدر ایک مسلمان بھائی کو ذلیل کرنا مضر ہے۔ مجاہدہ میں کوشش کرکے خدا کے فضل پر نظر رکھنا چاہیے نہ کہ اپنے اعمال پر۔ توکل مانع کسب نہیں۔ سماع ایک چکنا پتھر ہے اگر اس پر سے پاؤں پھسل گیا۔ تو پھر لعنت الٰہی کے سوا کہیں ٹھکانا نہیں۔ خدا تجھ پر مطلع ہے تو جو کچھ کرتا ہے وہ دیکھتا ہے خدا تیرے عمل سے بے نیاز ہے۔ حیات علم ہے۔

راحت تو معرفت ہیں اور لذت، ذکرِ خدا میں۔

حکایت

ایک شخص نے خواجہ بایزید بسطامی سے عرض کیا کہ شیخ انس بن عبد اللہ معرفت میں گفتگو کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ آلفا قیہ ایک دریا کے کنارے پڑ گئے تھے ایک بھنور میں پھنس گئے ہیں۔

"خواجہ حاتم اصم ۲۳۷ھ"

مخلوق سے طمع منقطع کرے تاکہ وہ تجھ سے طمع منقطع کر لیں۔ نیکی اس طرح کر کہ سوائے تیرے اور خدا کے کوئی نہ جانے۔ شائستہ آدمی وہ ہے جو خدا سے ڈرتا ہے

عبادت کی زینت خوف سے ہے اگر یار خواہی خدا بس واگر ہمراہ خواہی کراما کاتبین بس واگر عبرت خواہی دنیا بس واگر مونس خواہی قرآن بس واگر کار خواہی عبادتِ خدا بس واگر وعظ خواہی مرگ بس واگر ایں کہ گفتم پسندیدہ نیست دوزخ ترا بس (نفحات الانس)

"خواجہ ابو تراب نخشی ۲۴۵ھ"

اپنے خیال کی حفاظت کر اس لئے کہ یہ تمام چیزوں کا مقدمہ ہے کیونکہ جس کسی کا اندیشہ درست ہوگا اس کے بعد جو کچھ بھی افعال و احوال سے واقع ہوگا وہ سب کچھ درست ہوگا۔ توکل یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو دریائے عبودیت میں گرادے اور دل خدا کے۔ الخ۔ بندہ سے کہتے جو وہ عطا کرے شکر کرے جو وہ نہ دے اس پہ صبر کرے۔

"خواجہ سری سقطی ۲۵۳ھ"

حسن خلق صرف خلق کے نہ ستانے ہی کو نہیں کہتے۔ بلکہ مخلوق کا رنج و غم رکینہ اور انتقام سہنا بھی داخل خلق ہے۔

شکایت پر کسی سے علیحدہ نہ ہو جانا چاہیئے بلکہ اس کے عتاب پر بھی اس کی محبت سے علیحدہ نہ ہونا چاہیئے۔ خلق میں سب سے زیادہ قوی وہ شخص ہے جو اپنے غصہ پر غلبہ کرے جو خدا کا سفیح ہو جاتا ہے سب اس کے

مطیع ہو جاتے ہیں جس کو نعمت کی قدر نہیں ہوتی اس کی نعمت کو اس طرح زوال شروع ہو جاتا ہے کہ اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ جو اپنے نفس کی تادیب سے عاجز ہے وہ غیر کو کیا ادب کرے گا۔ سب سے زیادہ عاقل اور فہیم وہ لوگ ہیں جو قرآن کے اسرار کو سمجھتے ہیں اور ان اسراروں میں غور و فکر کرتے ہیں۔ شوق عارفوں کا برتر مقام ہے جو کوئی کسی ایسی باطنی حقیقت کا دعویٰ کرے کہ ظاہری شریعت کے خلاف ہو وہ غلط ہے (رسالہ قشیریہ)

" خواجہ محمد علی حکیم الترمذی ۲۵۵ھ "

جس کی ہمت دین کی طرف معروف ہوتی ہے اس کے تمام دنیوی کام اسی ہمت کی برکت سے سرانجام پاتے ہیں اپنے تمام کاموں کو خدا کے سپرد کر دینے کو رضا کہتے ہیں۔

" خواجہ یحییٰ معاذ رازی ۲۵۸ھ "

مخدومی خدا کی صفت ہے خادمی بندے کی صفت ہے بندہ کو بندہ ہونا چاہیئے، جب بندہ صفات حق کی آرزو کرتا ہے تو وہ فرعون بن جاتا ہے۔ تین قوموں سے پرہیز کرو، غافل علماء، کاہل قاری، اور جاہل صوفی۔ اعمال تین خصلتوں کے محتاج ہیں، علم، نیت اور اخلاص۔ تواضع، بلند ترین پرہیزگاری ہے اولیاء اللہ کے تین صفات ہیں، تمام چیزوں میں خدا پر اعتماد رکھنا، تمام چیزوں سے بے نیاز ہونا اور ہر چیز میں خدا کی طرف رجوع ہونا، توکل پر طعن کرنا ایمان پر طعن کرنا ہے۔ دین طمع سے ضائع ہوتا ہے، اور ورع سے باقی رہتا ہے۔ شوق کی علامت اعضاء کو خواہشات سے بچاتا ہے

" خواجہ ابراہیم ادہم ۲۶۱ھ "

حق تعالےٰ کے ساتھ اخلاص، خلوص، نیت سے ہے جس شخص کا دل تین حالتوں میں حاضر نہ ہو تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اس پر دروازہ بند کیا جا چکا ہے ایک قرآن شریف پڑھنے کی حالت میں دوسرے نماز میں تیسرے ذکر میں۔

" خواجہ ابوبکر شفاف "

جس نے ظاہر میں امر و نہی کی حدود کا لحاظ نہ رکھا وہ مشاہدۂ باطنی سے محروم رہا۔ علہ

سب سے زیادہ عظمت والا شیے جو لوگوں کے ساتھ تواضع کرنا ہے۔
تکلف کرنے والا جواں مرد نہیں ہوتا۔
جھوٹ، خیانت اور غیبت سے باز رہو۔

"خواجہ حمدون قصار سنہ ۲۷۱ھ"

بہترطریقہ شریعت کے ظاہر کو محفوظ رکھنا ہے یہی اصلِ عظیم ہے۔ جہاں تک ہو سکے دنیا کے لیے کسی پر غصہ مت کرو۔ نیک خصلتی سخاوت میں ہے۔ توکل خدا پر اعتماد کرنا ہے۔ بدخوئی بخل ہے۔ تواضع فقیری ہے

"خواجہ سہل بن عبداللہ تستری سنہ ۲۸۳ھ"

ہمارے چند اصول ہیں۔ خدا کی کتاب سے تمسک کرنا۔ رسول کی سنت پر عمل کرنا، حلال روزی کھانا، کسی کو تکلیف نہ دینا اگرچہ وہ ہم کو تکلیف دے، مسکرات سے دور رہنا اور حق ادا کرنے میں جلدی کرنا۔ ہمارے مذہب کے تین اصول ہیں، حضور رسول اکرم کی اخلاق و افعال میں اقتدا کرنا، حلال روزی کھانا اور افعال میں خلوص پیدا کرنا۔ سنت کی مثال دنیا میں ایسی ہے جیسے بہشت کی عقبیٰ میں جو بہشت میں داخل ہو گیا تمام مصیبتوں سے محفوظ ہو گیا جو سنت کا پابند ہو گیا وہ بدعات و خواہشات سے محفوظ ہو گیا۔ بری عادتوں کو چھوڑ کر نیک عادتیں اختیار کرنا بلند مرتبہ ہے۔ خدا کے سوا کوئی مددگار نہیں، رسول اکرم کے سوا کوئی رہنما نہیں، تقوی کے سوا کوئی توشہ نہیں۔ سنت کی پیروی جواں مردی ہے شریعت و طریقت ایک ہیں، شریعت کا روغن حقیقت ہے اور حقیقت کا مغز شریعت ہے۔ کسب پر طعن کرنا سنت پر طعن کرنا ہے۔ جہالت سے زیادہ کوئی گناہ نہیں۔ ہمارے اصول سات ہیں قرآن کو مضبوط پکڑنا۔ اقتدائے سنت اکلِ حلال۔ خلق کو آرام پہونچانا گناہوں سے سچی توبہ کرنا اور ادائے حقوق کرنا۔

"خواجہ عبداللہ سالمی"

اولیاء اللہ کی شناخت، لطافتِ زبان، حسنِ اخلاق، تازہ روئی، سخاوت

علہ رسالہ قشیریہ

نفس، قلتِ اعتراض، پذیرائی عذر اور شفقت علی الخلق ہے۔

"خواجہ ابو سعید خراز ۲۸۶ھ"

خلقِ عظیم یہ ہے کہ انسان کو خدا کے سوا کسی سے محبت نہ ہو اپنے عزیز وقت کو عزیز ترین کاموں میں صرف کرے اور سب سے زیادہ گزشتہ اور آئندہ زمانے کا خیال رکھے۔

"خواجہ ابو الحسن نوری ۲۸۶ھ"

خلق پر مسلمانوں کی راہ مسدود ہے جب تک کہ رسولِ کریم کے ارشادات کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں جو شخص دعویٰ کرتا ہو کہ شریعت سے باہر ہو جاؤ اس کے پاس نہ جاؤ (رسالہ قشیریہ)

"خواجہ جنید بغدادی"

خلق پر تمام راستے سوائے حضور رسولِ اکرم کے راستے کے مسدود ہیں جو قرآن کا پیرو اور رسول کا مقلد نہ ہو اس کی پیروی نہ کرو۔ توکل کسب نہ کرنے یا کسب ترک کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ خدا کے وعدوں پر دل مطمئن رکھنے کا نام ہے۔ جوانمردی اپنا بوجھ دوسروں پر نہ رکھنا ہے بقا خدا کیلئے ہے اور فنا ماسوا کیلئے ہے جب بندہ ہر شے کا خدا کو مالک دیکھتا ہے، سب کا ظہور خدا ہی سے سمجھتا ہے سب کا قیام خدا ہی سے پاتا ہے اور سب کا لوٹنا خدا ہی کی طرف جانتا ہے۔ تب عبودیت کے مرتبہ پر پہونچتا ہے۔ عام لوگوں کیلئے تین حجاب ہیں، نفس، خلق اور دنیا اور خاص لوگوں کیلئے بھی تین حجاب ہیں۔ عبادت پر نظر کرنا یعنی یہ سمجھنا کہ میں عابد ہوں، ثواب پر نظر رکھنا یعنی اس خیال سے عبادت کرنا کہ ثواب ملے گا بلکہ محض تعمیلِ حکم کا خیال کرے، کرامت پر نظر رکھنا یعنی کشف و کرامت کا خواہش مند ہونا، عالم کی لغزش حلال سے حرام کی طرف دیکھنا، درویش کی لغزش بقا سے فنا کی طرف جھکنا اور عارف کی لغزش کریم سے کرامت کی طرف متوجہ ہونا ہے، خدا کی تجلی تمام مخلوق پر ایک بار ہوگی اور حضرت ابوبکر پر سو بار۔ خلق چار ہیں، سخاوت، الفت، نصیحت اور شفقت۔ لیس الاعتبار بالخرقۃ انما الاعتبار بالحرقۃ، یعنی خرقہ کا اعتبار نہیں، اطاعت

میں جان جلانے کا اعتبار ہے۔ شکر یہ ہے کہ جو نعمت خدا نے تجھ کو دی ہے اسکی وجہ سے تو خدا کی نافرمانی نہ کرے اور اس کو معصیت کا ذریعہ نہ بنائے۔ تصوف کی راہ میں جو شخص قدم رکھے اس کو لازم ہے کہ داہنے ہاتھ میں اللہ کی کتاب کو لے اور بائیں ہاتھ میں سنتِ رسول۔ ان کی روشنی میں چلے تاکہ کہیں شبہہ کے گڑھے میں نہ گرے اور بدعت کی تاریکی میں نہ پھنسے۔ اس راہ میں راہزن بہت ہیں جو طرح طرح کے جال بچھائے ہوئے ہیں توفیر کا جال، استدراج کا جال مکر کا جال اور لطف کا جال ایسا آدمی چاہیئے کہ جو ان جالوں میں تمیز کر سکے۔ آدمی سیرت سے ہوتا ہے نہ کہ صورت سے میں نے تیس برس تک تکبیرِ اولیٰ قضا نہیں کی

طریقت کے اصول پانچ ہیں، صوم روز اور قیام شب، اخلاصِ عمل، رعایت تمام در اعمال اور توکل بخدا۔

"خواجہ ابو عثمان الحمیری ۲۹۸ھ"

ظاہر میں خلافِ سنت ہونا ریائے باطن کی علامت ہے شوق محبت کا ثمرہ ہے، جو شخص اپنے اوپر سنت کو غالب کرتا ہے وہ حکمت بیان کرتا ہے اور جو حرص کو غالب کرتا ہے وہ بدعت کی باتیں کرتا ہے۔ دھوکہ سے محفوظ راستہ پابندیِ شریعت کا ہے۔

"خواجہ ابوالحسن بوشنگی ۳۰۹ھ"

جو کوئی اپنے آداب سنت سے مؤدب رکھتا ہے حق تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت سے منور فرماتا ہے، خدا اور رسول کے حکموں کی موافقت اور حسن اخلاق کے سوا کوئی مقام برتر نہیں۔

"خواجہ ابو محمد حریری ۳۱۱ھ"

اخلاص یقین کا اور ریا شک کا ثمرہ ہے۔ اولیاء کے درجات کی انتہا انبیاء کے درجے کی ابتدا ہے۔

"خواجہ ابراہیم بن داؤد الرائی ۳۲۶ھ"

خدا کی دوستی کا نشان اس کی طاعت کو پسند کرنا اور رسول کی متابعت

کرتا ہے۔ سلوک کند بر طریق مصطفیٰ۔

خواجہ محمد بن عبدالوہاب ثقفی ۳۲۸ھ

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے افعال صحیح ہوں اور سنت کی متابعت میں رہے تو اس سے کہہ دو کہ وہ اخلاص و صداقت دل میں پیدا کرے افعالِ باطنی کی درستی سے افعالِ ظاہری کی درستی پیدا ہوتی ہے مرد کو چاہیئے کہ چار باتوں کا عامل رہے اور ان سے خالی نہ رہے۔ صدقِ قول صدقِ عمل صدقِ مودت اور صدقِ امانت۔ جو شخص اپنے اعمال و افعال کو ہر وقت کتاب و سنت کی میزان میں وزن نہ کرے وہ مرد نہیں

"خواجہ ابو محمد مرتعش ۳۲۸ھ"

مرتعش گوید کہ ہر گز خود را بباطن خاص ندیدم تا خود را بظاہر عام ندیدم۔ شیخ الاسلام گفت معنی آنست کہ حقیقت من درست بنا مدتا شریعت من صافی نشد[1]

"خواجہ ابو یعقوب النہر جوری ۳۳۰ھ"

جو شخص اپنے کام میں خدا کی مدد نہیں چاہتا وہ ہمیشہ ذلیل رہتا ہے جس نعمت کا شکر ادا ہوتا ہے اس کو زوال نہیں۔

"خواجہ عبداللہ منازل ۳۳۱ھ"

جو سنت ترک کرتا ہے وہ بدعت میں مبتلا ہو جاتا ہے، ہم بہ نسبت علم کے ادب کے زیادہ محتاج ہیں۔

"خواجہ ابو سعید بن الحسین ۳۳۲ھ"

صوفیوں کے لیئے لڑکوں اور عورتوں کی صحبت میں آفت ہے، خاموشی دعویٰ سے بہتر ہے محبت ایثار کا نام ہے

خواجہ شبلی ۳۳۴ھ"

شریعت یہ ہے کہ تو خدا کی عبادت کرے طریقت یہ ہے کہ تو اس کی طلب کرے حقیقت یہ ہے کہ تو اس کو جانے۔ ورع یہ ہے کہ ماسوا اللہ سے پرہیز کرے۔ توبہ میں دیر کرنا بڑا گناہ ہے۔ ہمارے لیے خدا کا مشاہدہ کہاں البتہ حضارہ[illegible]

[1] نفحات الانس

مشاہدہ کر رہا ہے۔ محبت کا نام محبت اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ محبوب کے سوا
سب چیزوں کو دل سے مٹا دیتی ہے علم الیقین وہ علم ہے جو اسرار ربانیت میں غور و خوض
کرنے سے بغیر کسی ذریعہ اور واسطہ کے دل کو حاصل ہوتا ہے، حق الیقین میں رسائی
نہیں ہو سکتی۔ حیرت کا مقام زیادہ معزز ہے

جو بات ذکر سے خالی ہے لغو ہے، جو خاموشی فکر سے خالی ہے سہو ہے
جو نظر عبرت سے خالی ہے لہو ہے۔

"خواجہ ابوالحسن خرقانی ۴۲۵ھ"

زمین میں آفت شیطان سے زیادہ دو شخصوں سے ہے عالم حریص اور
زاہد بے علم۔

ایک شخص نے عرض کی کیا میں آپ کا خرقہ پہن لوں؟ آپ نے فرمایا پہلے
میرے اس سوال کا جواب دے کہ اگر عورت مرد کے کپڑے پہن لے تو
مرد بن جائے گی یا مرد عورت کی چادر اوڑھ لے تو عورت ہو جائے گا؟ اس نے
کہا نہیں، آپ نے فرمایا اگر تو مرد نہیں ہے تو میرا خرقہ پہننے سے مرد نہیں ہو
جائے گا۔

"امام قشیری ۴۶۵ھ"

خلق پر تمام راستے مسدود کر دیئے گئے ہیں بجز اس کے کہ سنت نبوی
کے نقش قدم پر چلا جائے ہمارا سارا طریقہ کتاب الٰہی و سنت رسول کی پابندی
ہے، جو شخص حافظ کلام الٰہی و عالم حدیث رسول نہیں اس کی اقتدا دربارہ
طریقت درست نہیں، اس لئے کہ ہمارے اس سارے علم کا ماخذ قرآن
و حدیث ہے

جو شخص مغرور ہو اور بدعت کرتا ہو وہ علم باطن سے حصہ نہیں پا سکتا۔
شریعت ظاہر کی پابندی لازم رکھو۔

"خواجہ شہاب الدین سہروردی ۶۳۲ھ"

صوفیہ کے قلوب حافظ ہیں اس لئے کہ دنیا کی طرف انہوں نے
رغبت کم کی بعد ازاں تقویٰ کی جڑ اور بنیاد کو خوب مضبوط اور مستحکم کر لیا

نہایت پرہیز اور تقویٰ سے ان کے نفوس پاک اور زہد سے ان کے قلوب صاف ہو گئے

"خواجہ معین الدین اجمیری ۶۳۳ھ"

گناہ اس قدر نقصان نہیں پہونچاتا جس قدر کہ اپنے مسلمان بھائی کو ذلیل کرنا۔ دل کی علامت یہ ہے کہ اس کا ظاہر کمال شرع پر استقامت رکھتا ہو۔ مصیبت والوں کی مصیبت دور کرنا۔ غریبوں کی حاجت پوری کرنا بھوکوں کو کھانا کھلانا۔ اچھی عبادت ہے جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہوں گی وہ اللہ کا دوست ہوگا۔ اول سخاوت ایسی سخاوت جیسی دریا میں ہے دوم ایسی شفقت جیسی آفتاب میں ہے۔ سوم انکسار ایسا انکسار جیسا زمین میں ہے فقیر کے لئے دس چیزیں ضروری ہیں، طلب حق، طلب مرشد کامل، ادب، رضا، پرہیزگاری، محبت، ترک فضول، شریعت پر استقامت، قلت طعام، خلوت، نماز، روزہ،

اہل حقیقت کیلئے دس چیزیں لازم ہیں

معرفت، مرنجان مرنج ہونا، کسی کا برا نہ چاہنا، تواضع۔ رہنمائی خلق اور خلق کو ایسی بات بتانا جس سے دین ودنیا دونوں کا فائدہ ہو، خلوت، رضا و تسلیم، صبر ہر ایک کو اپنے سے بڑا اور اچھا سمجھنا، عاجزی اور قناعت، دانا نیکوں کی صحبت میں سلامتی ہے[۲]

"خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ۶۳۳ھ"

کمال چار چیزوں سے حاصل ہوتا ہے، کم کھانا، کم سونا، کم بولنا اور لوگوں سے کم میل جول رکھنا۔ درویش کی شان یہ ہے کہ آلائش دنیا سے اپنے آپ کو پاک رکھے اور خدا کے سوا کسی کو دل میں جگہ نہ دے

"محی الدین ابن عربی ۶۳۸ھ"

جس نے ایک لحظہ کے لئے بھی سنت نبوی کو چھوڑا وہ ہلاک ہوا۔ خدا کے بندے بنے رہو، بندوں کے خدا مت بنو، سلامت رہا جس نے زبان کو بند رکھا۔ خود فراموشی عرفانِ حق ہے جو حقیقت خلاف شریعت ہو وہ زندقہ یا طلہ ہے۔ جو شخص میزان شریعت کو ایک لحظہ کے لئے بھی ہاتھ سے پھینک

[۲] انوار بنات المدارت ... سوانح عمری خواجہ غریب نواز

دسے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

"شیخ شمس تبریز ۶۴۴ھ"

علم اور علم کا درجہ سب سے افضل ہے جب تک انسان باطل کو ترک نہیں کرتا حق تک رسائی حاصل نہیں ہوتی جس نے نیاز و عجز حاصل کیا وہ منزلِ مقصود کو پہنچ گیا۔ نیاز مندی بڑی عبادت ہے۔

"مولانا روم ۶۷۲ھ"

ترکِ دنیا چیست اے مردِ فقیر — لاطمع بودن ز سلطان و امیر

چیست دنیا از خدا غافل شدن — نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

گر تو خواہی خرمی د زندگی — بندگی کن، بندگی کن، بندگی

زندگی مقصود بہرِ بندگی ست — زندگی بے بندگی شرمندگی ست

جز خضوع و بندگی و اضطرار — اندر این حضرت ندارد اعتبار

ہر کہ اندر عشق یابد زندگی — کفر باشد پیشِ او جز بندگی

"شیخ سعدی شیرازی ۶۹۱ھ"

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

مپندار سعدی کہ راہِ صفا — تواں یافتن جز در پے مصطفےٰ

وریں راہ جز مرد داعی نہ رفت — گم آں شد کہ دنبالِ راعی نرفت

"نظام الدین اولیاء ۷۲۵ھ"

استقامت مے باید کہ متابعت رسول علیہ السلام والصلوٰۃ باشد[۱]

چوں علم بیاموزد او را نورے حاصل آید[۲]

"مختار بن محمد بن احمد، ۷۸۸ھ"

اصل عبودیت آنست کہ چناں باشی بظاہر کہ از تو ہمہ شرح ظاہر بود و چناں باشی بباطن کہ در تو باؤ غیر را گنجائش نبود[۳]

سوال کردند طریقت بچہ تواں یافت، فرمودند بشرع[۴]

"مولانا جامی ۸۹۷ھ"

ملامت آں نبود کہ کسے بد بے حرمتی شرع کارے کند تا او را ملامت کنند،

---

[۱] سیر الاولیاء [۲] فوائد الفواد [۳][۴] نفحات الانس

ملامت آں بود کہ در کار حق سبحانہ از خلق باک ندارد (نفحات الانس)

"شیخ عبدالوہاب شعرانی ۹۷۳ھ"

وہ (پیر و مرید) امور شرعیہ میں سے اولیٰ اور احوط کو اختیار کرتے ہیں اور ایسا کام اختیار کرتے ہیں جس میں کسی امام کی مخالفت نہ ہو سکے فقراؤ صوفیائے کرام قواعد شریعت پر قائم ہوتے ہیں، کامل عالموں اور کامل صوفیوں میں کوئی نزاع اور اختلاف نہیں ہے

" مجدد الف ثانی ۱۰۳۴ھ

ترک دنیا سے مطلب دنیا کی مکروہات کو ترک کرنا ہے، شریعت کے تین جزو ہیں، علم، عمل اور اخلاص۔ طریقت وحقیقت دونوں شریعت کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کی تکمیل کیلئے شریعت کے خادم ہیں، بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت سے زیادہ ہے۔

شاہ احمد حسن امروہی ۱۳۲۶ھ

شریعت مجموعۂ احکام تکلیفیہ کا نام ہے اور اس کے ایک جزو یعنی اعمالِ باطنی کا نام طریقت ہے، درستیٔ اعمالِ باطنی سے جو حقائق منکشف ہوتے ہیں ان کا نام حقیقت ہے اور انکشاف کا نام معرفت ہے۔ ریا کے خوف سے عبادت کو ترک نہ کرنا چاہیئے اگر کام میں لگا رہے گا تو ایک دن دکھاوٹ سے عادت اور عادت سے عبادت اور عبادت سے محبت ہو جائے گی

علم سے عقل کی ضیا میں اضافہ ہوتا ہے اور اس سے ادائے حقوق کے لئے قوت فراہم ہوتی ہے۔ متدین وہ ہے جس کو خدا کا خوف ہے۔ بدعات سے قلب پر تاریکی چھا جاتی ہے، حسنِ خلق یہ ہے کہ کتاب وسنت پر پورا عمل ہو، نصیحت کو بصورت ناصح پیش کرنا چاہیئے، جو درویش خلافِ شرع ہو اور مسئلہ تقدیر و وحدۃ الوجود کو بیان کرتا ہو اس کی صحبت سے اجتناب لازم ہے۔

حافظ عبدالرحمٰن پنجابی مرادآبادی ۱۳۱۱ھ

علم بے عمل وبال ہے۔ جو ظاہر شریعت کا پابند نہ ہو وہ صوفی نہیں بندگی خوش دلی سے کرنی چاہیئے نہ کہ بیچارگی سے۔ خداوند کریم نے جس قدر توفیق

اور نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کا شکر یہ ہے کہ ان کو رضائے الٰہی میں صرف کیا جائے۔ خطرات کا آنا اختیاری نہیں البتہ ان چیزوں کی طرف متوجہ ہونا جو ان کے قیام کا باعث ہوں اختیاری ہے اس لیے ان کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیے، خطرات سے گھبرانا نہ چاہیے کیونکہ چور وہاں آتا ہے جہاں مال ہوتا ہے۔ نیک عمل قلیل بھی بہت ہے اور عمل بد قلیل بھی بربادی کے لیے بہت ہے جس دل میں دنیا کی محبت قائم ہوگئی اسے ذکر و مناجات میں لذت نہیں آسکتی

الباب السابع فی الرقص والغناء

نظارۂ خوبان و مے و نغمہ حرام است   دیدیم و شنیدیم و سمعنا و اطعنا

ناچ رنگ، گانا بجانا، اچھلنا کودنا، چلانا ان باتوں کا اسلام اور تصوف اسلام سے دور کا بھی کچھ تعلق نہیں لیکن آج کل یہ چیزیں نام نہاد صوفیوں میں اس درجہ رائج ہیں کہ گویا تصوف کا ایک رکن ہیں اس کو اس درجے کی عبادت سمجھا جاتا ہے اور اس طرح اس پر عمل درآمد کیا جاتا ہے کہ تلاوت قرآن اور نماز کی بھی کوئی حقیقت نہیں، بعض ہی شاذ و نادر صوفی تارک نماز ہیں مگر رقص و سرود کا تارک ایک بھی نہیں، گانے بجانے کو غناء و سرود کہتے ہیں جو لوگ اس کو بطور عبادت کرتے ہیں وہ اسے سماع کہتے ہیں اور رقص کرنے کو وجد و حال کہتے ہیں چونکہ اس باب میں مروجہ سماع و وجد و حال کی تحقیق مد نظر ہے اس لیے اسکے تمام اجزاء کا علیحدہ علیحدہ بیان کیا جائے گا حاشا ثم حاشا میرا یہ مقصد نہیں کہ کسی پر طعن کروں یا خواہ مخواہ کسی کی تردید کے درپے ہوں بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ اس پر ایک منصفانہ نظر کی جائے کہ یہ امور التصوف اسلام میں روا ہیں یا نہیں؟

موسیقی کی ایجاد

موسیقی کے متعلق اہل ہند میں یہ روایت ہے کہ یہ فن پریوں اور جنوں کو آتا تھا جب جنوں کی قوم سے مہادیو جی کا ارتباط ہوا تو پریوں نے انہیں گانا سنایا اس طرح یہ علم انسانوں میں آیا۔

یہودیوں میں موسیقی کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ یہ فن حضرت داؤد علیہ السلام کی ایجاد ہے دوسرے یہ کہ حکیم فیثا غورث شاگرد سلیمان علیہ السلام نے داؤدی نغموں سے اس علم کو نکالا۔ لیکن یہ روایت غلط ہے کیونکہ حضرت سلیمان کا عہد دس صدی قبل مسیح ہے اور فیثا غورث کا زمانہ چھ صدی قبل مسیح ہے بعض نے لکھا ہے کہ حکیم مذکور کا گذر ایک لوہار کی دکان کی طرف ہوا وہ لوہا کوٹ رہا تھا حکیم نے اس کی آواز سے نغمہ ایجاد کیا۔ ایسی ہی روایت ایرانیوں میں ہے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک جانور ققنس ہے جس کو موسیقار بھی کہتے ہیں ہندی میں اس کا نام دیپک لاٹ ہے اور فارسی میں اسے آتش زن کہتے ہیں۔ اس کی آواز سے یہ علم ماخوذ ہوا۔ عربی بحروں کی وجہ تسمیہ جو بیان کی گئی ہے اس میں بھی پرندوں کی آواز کا ذکر ہے۔ ہندی موسیقی میں بارہ تالیں ہیں جن کو دوازدہ بروج فلکی کی رعایت سے مقرر کیا گیا ہے۔ ایرانی میں سترہ تالیں ہیں۔ اہل ایران ان کو بحر اور دائرہ کہتے ہیں، ترکی میں بھی سترہ تالیں ہیں وہ ان کو ضرب کہتے ہیں ترکی تالوں کے نام اور عربی نظم کی بحروں کے نام آپس میں ملتے جلتے ہیں مثلاً رمل، خفیف، ہزج وغیرہ۔

میرا یہ خیال ہے کہ مشہور مثل ہے رونا اور گانا سب کو آتا ہے اس لئے لے کے ساتھ کسی کلام کو ادا کرنا ہمیشہ سے ہے، انبیاء نے اسکو کبھی جائز نہیں رکھا، حضرت داؤد علیہ السلام خوش آواز تھے لیکن خوش آوازی کے یہ معنی نکالنا کہ وہ گویے تھے صحیح نہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد جب یہود گمراہ ہو گئے تو انہوں نے اسکو رواج دیا اور رفتہ رفتہ یہ مذہبی عبادت میں داخل ہو گیا دیگر علوم و فنون کی طرح اس میں بھی ترقی ہوئی اور اس کے قواعد و ضوابط مقرر ہوئے قواعد فن کی ابتدا حکیم فیثا غورث نے کی۔

موسیقی یعنی گانے کا اثر

موسیقی اور مصوری ان فنون لطیفہ میں سے ہیں جنہوں نے ہر قوم میں عیاشی کے زمانے میں ترقی کی ہے اور جہاں ان کا رواج ہوا ہے وہاں علوم و فنون، ملک داری، ملک گیری رخصت ہو گئی اور وہ قوم تنزل و ادبار

کے گڑھے میں جا پڑی

جس ملک و قوم میں اس کا رواج ہو جاتا ہے اس کے سیاسی حالات ابتر ہو جاتے ہیں، ترقی رک جاتی ہے تنزل شروع ہو جاتا ہے اور حسن پرستی کی طرف میلان ہو جاتا ہے جب ہندوستان میں گندھر، دریا، شام دیبا، نے ترقی کی اور راگوں نے جنم لیا تو ملک گیری کا خاتمہ ہو گیا، ایران میں جب رقص و سرود کی گرم بازاری ہوئی تو فتوحات و ملک داری رخصت ہو گئی۔

رومیوں نے جب ان فنون میں ترقی کی تو اخلاقی قوت اور شجاعت و بہادری ان سے مفقود ہو گئی، ان کا سیاسی عظمت و جلال مٹ گیا مدتوں تک اپنا بے نظیر اقتدار کھو کر آسٹریلیا کے غلام رہے تا آنکہ نرنی اور گریبالڈی نے از سر نو قومیت کی روح پیدا کی۔ جب بغداد قرطبہ کے محلات شاہی میں رقص و سرود کی مجالس منعقد ہونے لگیں تو تختِ خلافت الٹ گیا۔

سلاطینِ ہند کے قلعوں میں جب طبلہ کھڑکنے لگا۔ اور راگ رنگ کی محفلیں ہونے لگیں تو بادشاہ اور شہزادے مردمیدان سیاست و شجاعت نہ رہے محمد شاہ رنگیلے اور واجد علی شاہ جیسے حکمران پیدا ہو گئے۔ اسکی برکت ہے کہ آج تک مسلمانوں کی گردن میں غلامی کا طوقِ گراں پڑا ہوا ہے۔

ڈاکٹر سموئل لکھتے ہیں:۔

"فنونِ لطیفہ کے کرشمے اور کارسازیاں بلاشبہ انسانی مذاق کو بڑھاتی ہیں، اعمالِ صالحہ کا یکتا نمونہ جو لوگوں کو عملی طور پر دکھایا جائے انسانی قلوب اور سیرت پر ایک مستقل اثر پیدا کرتا ہے جو مجسموں اور تصویروں کے دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ چیز جو انسان کو عظیم اور جلیل بناتی ہے وہ اس کا دل و دماغ ہے لیکن اگر مصوری اور راگ انسانوں کو نیک بنا سکتے تو روم کی شجاعت اور قدیم نیک نامی معدوم نہ ہوتی۔

فیڈرس اور اکٹونوس مشہور یونانی مصور اپنی عیاشی کی وجہ سے قید خانے میں نہ مرتے اور نہ ان کا جلال معدوم ہوتا جنہیں یارنا والوں نے شکست دے کر نسیًا منسیًا کر کے اپنی فتح کی یادگار بڑے پیمانہ پر قائم کی تھی۔ تقدس

دل و دماغ فنونِ لطیفہ سے بدرجہا اچھی چیز ہے کیونکہ مصوری اور راگ سے بسا اوقات سیرت کمزور اور اخلاقِ ذمیمہ ہو جاتے ہیں اور تزکیۂ نفس سے اخلاقِ حسنہ، سیرتِ فاضلانہ اور ہمتِ بلند پیدا ہوتی ہے جوں جوں روم میں مصوری ترقی کرتا گیا قوم تنزل میں گرتی گئی۔ یورپ میں دہم کا زمانہ ترقی فنون کا زمانہ ہے مگر اس زمانہ میں عیاشی اور بدکاری اور شہوت پرستی کا زور رہتا ہر ادنیٰ، اعلیٰ، امیر، غریب، عوام و خواص پوپ، پادری سب عیاشی اور لہو و لعب میں وقت گزارتے تھے۔ راگ مصوری اور ناچ، تفریح و سرور کے سرچشمہ ہیں فی حد ذاتہ شہوت انگیز نہیں ہیں تاہم بسا اوقات شہوت انگیزی ان کا انجام ہوتا ہے مگر دورِ حاضر میں حسن عریاں کی وجہ سے یہ دونوں چیزیں یقیناً شہوت انگیز ہیں، مزامیر کے ساتھ راگ لزوماً دل طاقتوں کو نہیں بڑھاتا اور نہ عام طور پر سیرتِ عالیہ پیدا کرتا ہے"۔ ڈاکٹر جانس نے لکھا ہے

"راگ سے دل کو فرحت ہوتی ہے اگر اس سے اچھے خیالات پیدا ہوں تو اچھا ہے اگر برے خیالات پیدا ہوں برا ہے"۔

انبیائے سابقین کی امتوں میں بھی رقص و سرود کبھی داخل مذہب نہیں رہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل بابل کی حکومت کے زمانے میں جب امتوں میں گمراہی پھیلی تو موسیقی کا زور ہوا اہلِ مذاہب نے مخالفت کی لیکن موسیقی کی موافقت میں سب لوگ ہو گئے، بہت سے جھگڑوں کے بعد طے پایا کہ موسیقی بغیر مزامیر کے جائز قرار دی جائے اور شادی کے موقع پر مزامیر کی اجازت دی جائے[1]

جب یونانی موسیقی نے فلسطین میں رواج پانا شروع کیا تو اہلِ مذہب یہود نے اس کی مخالفت کی اور سقوطِ یروشلم سے پہلے یسعیاہ عموس عیسیٰ بن سیراخ نے شراب، عورت اور موسیقی کی شدید مخالفت کی[2]

بربادیٔ بیت المقدس کے بعد یہودی موسیقی کو اور بھی شدت سے حرام سمجھنے لگے اور بانسری بجانے والے کو زمری (اوباش) کہنے لگے۔

زمری یہ لفظ عربی زمارہ سے لیا گیا ہے، زمارہ کے معنے بانسری بجانے

---
[1] تاریخ بابل [2] کتاب مقدس

والی فاحشہ عورت کے ہیں۔

اسحاق بن سمعان یہودی ۳۲ھ نے یہود میں موسیقی کو رائج کیا یہ اس فن کا ماہر تھا۔

اب ہم قرآن، حدیث، اقوالِ صحابہ و تابعین اور اقوالِ ائمہ وغیرہ سے اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

قرآن

(۱) ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ۔ (سورۃ لقمان)

اور بعض لوگ ہیں جو خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے تاکہ اللہ کے راستے سے گمراہ کریں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے (لھو الحدیث) کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد گانا ہے۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی یہی معنی فرمائے ہیں۔[1]

حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی نے بھی عوارف المعارف میں لکھا ہے اور حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی (لھو الحدیث) کے متعلق سرود انشناسی تحریر فرمایا ہے۔

(۲) آیۂ کریمہ "والذین لا یشھدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراما" کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ زور سے مراد مشرکین کے میلے ہیں اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مراد گانا ہے (مشرکین کے میلوں میں ناچ گانا ہوتا تھا اور اب بھی ہوتا ہے)۔

(۳) آیۂ کریمہ (واستفزز من استطعت منھم بصوتک) کے متعلق حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ راگ اور مزامیر مراد ہیں۔ (عوارف المعارف خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۵)

حدیث

(۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بچپن میں لڑکوں کے ساتھ

---

[1] مسند ابن ابی شیبہ، مستدرک حاکم، بیہقی

کھیل رہا تھا لڑکوں نے کہا چلو فلاں جگہ گانا ہے سُن آئیں، میں ان کے ساتھ گیا لیکن گانا شروع ہونے سے پہلے خداوند کریم نے مجھ پہ نیند طاری کر دی میں سو گیا اور اس سے محفوظ رہا

(۲) رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سب سے پہلے شیطان نے گایا پھر سرود کیا پھر چلایا پھر چلا گیا (فردوس)

(۳) رسولِ کریم نے فرمایا ہے اللہ نے مجھے گانے والا نہیں بنایا (فردوس)

(۴) رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، گانا دل میں نفاق کو اس طرح پیدا کرتا ہے۔ جیسے پانی گھاس کو (بیہقی، فردوس)

(۵) رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے والی لونڈی کی خرید و فروخت کو منع فرمایا ہے (ترمذی، ابن ماجہ)

(۶) السماع حرام، سماع حرام ہے (مسند امام احمد بن حنبل)

(۷) خوشی میں راگ اور مصیبت میں رونا یہ دونوں آوازیں ملعون ہیں (فردوس)

ایک شخص نے رسولِ کریم سے ایسے راگ کی اجازت چاہی جس میں فواحش وغیرہ نہ ہوں، تو حضور نے فرمایا میں تجھے اس کی اجازت نہیں دیتا نہ اس میں کسی قسم کی خوبی ہے، اے خدا کے دشمن! تو جھوٹا ہے تو نے اپنے لئے تمام چیزوں کو منتخب کیا ہے جو خدا نے تجھ پر حرام کی ہیں اگر تو نے پھر ایسی حرکت کی تو تجھ کو پٹوایا جائے گا، تیرا سر منڈوایا جائے گا، تیرا اسباب لٹوایا جائے گا، پھر فرمایا ایسے لوگوں میں سے جو بغیر توبہ کئے مرے گا خدا اس کو میدانِ حشر میں مخنث اور ننگا اٹھائے گا تاکہ جس طرح دنیا میں بے حیائی کرتا رہا اسی طرح عقبیٰ میں بھی اس کی بے حیائی ہو اور وہ جس وقت کھڑا ہو گا گر پڑے گا[۱]

(۹) حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول کریم نے راگ سننے، غیبت کرنے اور چغلخوری سے منع فرمایا ہے[۲]

(۱۰) باجے وغیرہ اور راگ سے اپنے آپ کو ہمیشہ بچاتے رہو اس لئے کہ ان دونوں سے دل میں نفاق اس طرح بڑھتا ہے جس طرح پانی سے سبزی[۳]

(۱۱) جو شخص کسی گانے والی کا گانا سنے گا قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ

---

[۱] الرشید دیوبند ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ [۲] طبرانی، خطابی [۳] امالی ابن معری، دیلمی

پگھلا کر ڈالا جائے گا[۱]

(۱۲) حضور نے فرمایا ہے کہ میری امت میں جب یہ پندرہ باتیں آ جائیں گی تو اس پر بلائیں نازل ہوں گی ان پندرہ میں گانے والی عورتیں اور باجے بھی ہیں[۲]

(۱۳) ناچنے گانے والوں پر لعنت ہے[۳]

(۱۴) گانے والے اور جن کے لئے گایا جائے دونوں پر لعنت ہے[۴]

(۱۵) ناچنے والے پر خدا کی لعنت ہے[۵]

(۱۶) دف نہ بجاؤ مزامیر کی آواز نہ سنو[۶]

مسئلہ(۱۷) مرد کو عورت اور عورت کو مرد کے گانے کی آواز سننا منع ہے[۷]

(۱۸) حضور نے فرمایا مجھ کو نقاروں کی آواز اور باجوں کے توڑنے کا حکم ہوا ہے[۸]

(۱۹) حضور نے فرمایا ہے اللہ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ باجوں اور مزامیر کو مٹا دوں[۹]

(۲۰) باجوں کی آواز ملعون ہے[۱۰]

صحابہ و تابعین و تبع تابعین

(۱) راگ دل میں نفاق پیدا کرتا ہے (عبداللہ بن مسعود)

(۲) حضرت ضحاک کا قول ہے، غناء قلب کو بگاڑنے والا اور خدا کو غصہ دلانے والا ہے (عوارف المعارف صفحہ ۲۷۵)

(۳) حضرت علی نے فرمایا ہے، کہ جس شخص کے پاس گانے والی لونڈی ہو اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھو (دیلمی و حاکم فی تاریخہ)

ائمہ اطہار

(۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

" گانا ایک برا کھیل ہے وہ باطل کی طرح ہے، جو شخص اس کا مرتکب ہو وہ بے وقوف ہے اسکی گواہی نہ مانی جائے "

(۲) قاضی ابو الطیب طبری نے امام اعظم امام مالک امام شافعی امام سفیان ثوری اور چند ائمہ کے جو اقوال نقل کئے ہیں- ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ گانے کو برا جانتے تھے۔

(۳) امام احمد بن حنبل راگ کو برا جانتے تھے (احیاء العلوم)

[۱] ما مالی [۲] مقریزی [۳] [۴] فردوس [۵] خطیب [۶] تاتعانہ [۷] فردوس [۸] مسند احمد [۹] طبرانی

(۴) امام ابن ابی الدنیا نے راگ کے عدم جواز میں ایک مستقل کتاب ذم الملاہی تصنیف کی، امام مذکور کا زمانہ تیسری صدی ہجری ہے۔

(۵) امام مالک سے ابو اسحاق نے دریافت کیا کہ اہلِ مدینہ کو کسی قسم کے راگ کی اجازت ہے امام صاحب نے فرمایا کہ راگ تو صرف فساق کی مجالس میں ہوتا ہے،

(۶) امام شافعی نے فرمایا ہے کہ ہم راگ سننے والوں کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔

(۷) امام ابو القاسم دولقی نے فرمایا ہے صحابہ میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ انہوں نے مختلف فیہ راگ کو سنا ہو یا اس کے لئے لوگوں کو جمع کیا ہو یا لوگوں سے اس کے سننے کو کہا ہو یا خلوت و جلوت میں اس کو سنا ہو یا اس کو اچھا کہا ہو، بلکہ سب نے اس کو بُرا کہا ہے اور جمع ہو کر سننے کی مذمت کی ہے۔

امام مالک، امام نخعی، امام حماد، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام سفیان ثوری، امام احمد، امام رافعی اور امام نووی ان سب نے راگ کو حرام کہا ہے۔

مختلف فیہ راگ وہ نظم ہے جو بغیر قاعدۂ موسیقی کے گائی جائے اور اس میں مضمونِ شراب و کباب و حسن و عشق وغیرہ نہ ہو جیسے بعض عورتیں روتے ہوئے بچوں کے بہلانے کے لئے کچھ گانے لگتی ہیں یا مزدور کام کرتے ہیں کچھ گاتے ہیں، یا پہلوان اور سپاہی رجز پڑھتے ہیں یا شتربان حدی گاتے ہیں بعض علماء نے اس کو بھی مکروہ قرار دیا ہے۔ امام اوزاعی اور امام قرطبی نے فرمایا ہے رجز اور حدی جو شتربان گاتے ہیں یا لڑکیاں کھیلتے میں گیت گاتی ہیں یا عورتیں روتے بچوں کو بہلانے کے لئے گاتی ہیں یا مزدور وغیرہ کام کرتے میں گاتے ہیں تو یہ جائز ہیں بشرطیکہ ان میں کوئی مضمون شراب و کباب اور حسن و عشق کا نہ ہو۔

سلاطین

(۱) یزید بن ولید نے کہا ہے اے بنی امیہ! گانے سے پرہیز کرو کیونکہ وہ نفسانی خواہشات کو بڑھاتا ہے۔ مروت کو ڈھاتا ہے اور شراب کا قائم مقام ہے۔ اور وہی اثر رکھتا ہے جو نشہ کا ہوتا ہے۔

(۲) سلطان العصر مجدد الملت حضرت عمر بن عبد العزیز تابعی نے اپنے لڑکوں

کے معلم سے فرمایا کہ ان کو پہلے یہ تعلیم دو کہ گانے بجانے کی ابتدا شیطان سے ہوتی ہے اور خدا اس سے ناراض ہوتا ہے (سوانحعمری عمر بن عبدالعزیز)

(۲) سلطان اورنگ زیب عالمگیر غازی مرحوم نے گانے کو حرام قرار دیا ہے۔

"خواجگانِ کبار"

(۱) خواجہ بایزید بسطامی :-

سماع ایک چکنا پتھر ہے اس سے پاؤں پھسل گیا تو پھر تحت الثریٰ تک ٹھکانا نہیں۔

(۲) سرحلقہ چشتیہ خواجہ فضیل بن عیاض فرماتے ہیں:-

راگ زنا کا منتر ہے

(۳) سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء سے ایک شخص نے دریافت کیا کیا سماع حلال ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔

جو چیز حرام ہے وہ کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہو سکتی (فواد الفواد)

(۴) خواجہ حسین نوری نے فرمایا اگر تم مرید کو دیکھو کہ وہ قصائد سن رہا ہے تو اس سے بھلائی کی توقع نہ رکھو (تلبیس ابلیس)

(۵) حضرت جنید بغدادی نے فرمایا ہے :-

"جب تم مرید کو سماع کی مجلس میں پاؤ تو سمجھو کہ اس میں لہو ولعب کا مادہ باقی ہے" (معارف ستمبر ۳۵ء)

(۶) حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں تحریر فرمایا ہے کہ بعض صوفیائے کہا ہے کہ غنا سے اپنے آپ کو بچاؤ کہ وہ شہوت کو بڑھاتا ہے۔ مروت کو کھوتا ہے اور شراب کی نیابت کرتا ہے۔

(۷) خواجہ حارث محاسبی نے فرمایا ہے۔

"راگ مردار کی طرح حرام ہے"

سماع

سماع کے معنی سننے کے ہیں انبیائے سابقین اور ان کے صالح متبعین کتب سماوی کو سنا کرتے تھے، جب یہود میں موسیقی کا رواج ہو گیا تو گمراہ د

بے علم صوفیانہ یہود نے قصائد سننے شروع کر دیئے یہود سے یہ رواج نصاریٰ میں آیا عرب میں یہود و نصاریٰ اس طرح اس کا رواج عرب فقراء و کفار میں بھی ہو گیا اور اس کو سماع کہنے لگے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا ہے "السماع حرامٌ"، سماع حرام ہے (مسند امام احمد حنبل)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین و خواجگان کا یہ معمول تھا کہ قرآن مجید سنا کرتے تھے، چنانچہ صحاحِ ستہ کی پانچ کتابوں، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں یہ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد کیا کچھ قرآن سناؤ میں نے عرض کی کہ آپ پر تو نازل ہوا ہے میں آپ کو کیا سناؤں آپ نے فرمایا میں اسکے سننے کو دوست رکھتا ہوں، میں نے قرآن پڑھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

جب مسلمانوں میں عجمیت کا اثر زیادہ ہو گیا تو لوگ غزلیں سننے لگے، لیکن ان غزلوں میں جن میں حمد و نعت ہوتی تھی رندانہ مضامین نہ ہوتے تھے پڑھنے والے نہ امرد ہوتے تھے نہ عورتیں اور موسیقی کے قواعد کے بھی پابند نہ تھے مزامیر وغیرہ بھی نہ ہوتے تھے

عبداللہ بن سبا یہودی نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کر کے مسلمانوں میں اختلاف کا بیج بو دیا اس سے مختلف شاخیں پھوٹیں اور سیاسی اختلافات سے مذہبی اختلاف بھی پیدا ہو گیا، مختلف فرقوں نے مختلف عقائد و اعمال قرار دیئے ان گمراہ فرقوں کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ لوگوں کو قرآن کی طرف سے ہٹایا جائے اور امراء و عوام کو اپنی طرف راغب کیا جائے۔ ان گمراہ فرقوں میں سب سے زیادہ نامور اور سرگرم عمل فرقہ قرامطہ کا تھا اس کی ایک شاخ مجبرہ فرقہ بھی تھا جس کو جبریہ بھی کہتے ہیں، یہ فرقہ دوسری صدی ہجری کے آخر میں پیدا ہوا اس فرقہ کے درویش امردوں اور عورتوں کا گانا سنتے تھے جن میں عاشقانہ اور رندانہ مضامین ہوتے موسیقی کے قواعد سے مزامیر کے ساتھ گانا ہوتا، درویش وجد کرتے۔ بیہوش ہو جاتے، بعض لوٹتے پیٹتے اور مر بھی جاتے وہ لوگ اس کو عشقِ الٰہی کا نتیجہ

کہنے ہیں[1]

اس راگ ورنگ کو اباحیہ فرقہ کے ایک عالم محمد بن طاہر نے حدیثوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی اور چوبیس صحابہ کے اقوال وعمل اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں جو سراسر موضوع ہیں،

اسی کا نام قوالی بھی ہے اب ہم قوالی کے ہر ہر جزو کے متعلق اپنی تحقیقات پیش کرتے ہیں قوالی کے اجزاء حسب ذیل ہیں

(۱) رندانہ اشعار[1] امرد وعورت[2] راگ[3] تالی بجانا[4] مزامیر[5] وجد وحال[6]

ان چند چیزوں کی تحقیقات پیش کرنے سے پہلے میں دو بیان ایسے لکھنا چاہتا ہوں جو میری تحقیقات کی افہام وتفہیم میں معین ہوں گے

بیانِ اول

(۱) خداوند ذوالجلال نے دنیا کی اصلاح اور اس کی ظاہری وباطنی ترقی کے لئے مذہبِ اسلام نازل فرمایا اسلام کے سوا اور کوئی مذہب مقبول، ذریعۂ نجات اور وسیلہ حصولِ نورِ باطن نہیں ہے نہ بغیر اس کے خدا تک رسائی ممکن ہے۔

(۲) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام احکام خداوندی کو کھول کر صاف صاف سمجھا دیا۔ احکام بیان کرنے میں آپ نے کوئی بخل واخفاء نہیں کیا۔

(۳) قرآن مجید خدا کا کلام ہے جو پوری حفاظت کے ساتھ ہم تک پہونچا ہے اس کی کسی ایک آیت کا انکار بھی کفر ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجایش نہیں۔

(۴) رسول کریم نے آیاتِ قرآن کی جو تفسیر فرمائی ہے اور جس قدر آپ کے اقوال وافعال ہیں ان کو حدیث کہتے ہیں ہر صحیح حدیث ہمارے لئے واجب العمل ہے۔

(۵) چونکہ حدیث کی حفاظت، قرآن مجید کی طرح نہیں ہوئی اس لئے لوگوں نے مصنوعی حدیثیں بھی بنائیں۔ اور صحیح حدیثوں میں بھی تغیر کیا اس لئے حدیثوں کی جانچ کے لئے صحابہ وتابعین اور ماہران فن نے ایسے اصول مقرر کئے

[1] نزہۃ المجالس ومکتوبات حضرت مجدد الف ثانی،

جو قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ سے ماخوذ ہیں ان کو اصولِ روایت اور اصولِ درایت کہتے ہیں ان اصول کے موافق جو حدیث جس درجہ کی ثابت ہوئی ائمہ حدیث نے اس کو ظاہر کر دیا، اس لئے حدیثوں کی بہت سی قسمیں ہیں اور حدیث اور راویوں کے مختلف درجے ہیں ائمہ حدیث نے جو ماہرین فن تھے جو درجہ جس حدیث کو دیا ہے وہ اسی درجہ پر قابلِ قبول ہوگی کیونکہ دنیا میں عام قاعدہ ہے جس علم وفن کا مسئلہ ہوگا اسی علم وفن سے علماء کی رائے اس کے متعلق قابلِ وثوق ہوگی مثلاً طب کے مسئلہ کی جو تشریح کوئی طبیب کرے گا وہ قبول کی جائے گی جو حافظ یا قاری یا وکیل اس کی تشریح کرے گا قابلِ قبول نہ ہوگی۔ حدیث کی کتابوں کے بھی اقسام ہیں، بعض محدثین نے ہر قسم کی حدیثوں کو جمع کیا ہے انہوں نے موضوع یا صحیح یا محرف وغیرہ سے غرض نہیں رکھی بعض نے موضوعات کو جمع کیا ہے بعض نے صحیح حدیثوں کے جمع کرنے کا التزام کیا ہے کتب حدیث میں تحریف ہوئی ہے۔ حدیث کی چھ کتابیں ایسی ہیں جن پر وثوق کیا جا سکتا ہے جو صحاحِ ستہ کے نام سے مشہور ہیں۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، نسائی، سنن ابن ماجہ۔

ان کتابوں میں تحریف نہیں ہوئی ان کے مصنفین نے اپنے اصولوں کے مطابق احادیث کی جانچ کر کے ان کے درجے مقرر کئے اس لئے ان کتابوں میں بھی تمام حدیثیں صحیح نہیں ہیں بلکہ حسن اور ضعیف بھی ہیں، ان کو باعتبار اغلبیت کے صحاح کہا گیا ہے۔ موطا امام مالک بھی اسی درجہ کی کتاب ہے، باقی کتبِ احادیث کی روایت کے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ ان کی جو بھی حدیث ائمہ سند کے شرائط پر ہوگی وہ اپنے درجے کے موافق قابلِ عمل ہوگی

(۶) یہ کسی شخص سے ممکن نہیں کہ عادات ومباحات میں ایک طرز کا پابند رہے یعنی اگر آج کسی شخص نے مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھ کر کھانا کھایا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ اس کا پابند رہے اسی طرح عادات ومباحات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ایک امر کے پابند نہیں رہے۔

(۷) چونکہ قرآن مجید، آیت، آیت اور تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے اور رسولِ کریم نے اصلاحات کو بتدریج نافذ فرمایا ہے اس لئے بعض امور ایسے بھی تھے جو عہدِ رسالت میں کچھ دنوں تک رائج رہے پھر ان کو منع کر دیا گیا، سود کا لین دین عہد رسالت میں کچھ تھوڑے دنوں تک رہا جب آیت حرمت نازل ہوئی تو آپ نے منع فرمادیا۔ اسی لئے غور و فکر کر کے ائمہ حدیث و مجتہدین نے اصول قرار دیا کہ حضور کے آخر زمانے کی احادیث واجب العمل ہیں، حضور نے خود فرمایا ہے کہ میری حدیثیں ایک دوسرے کو منسوخ کرتی ہیں۔

(۸) جن بزرگوں نے صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین سے تعلیم پائی جن کا تقدس و علم و عقل مسلم تھا انہوں نے حسبِ ضرورت اجتہاد کیا اور آیاتِ قرآنی و احادیثِ محبوب سبحانی سے سلفِ صالحین کے اصول کے موافق مسائل کا استنباط کیا یہ جماعت ائمہ مجتہدین کہلاتی ہے، ان میں چار زیادہ معتبر و مشہور رہیں انہیں چار کے مذاہب اب دنیا میں رائج ہیں امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل۔

(۹) یہ بھی سلفِ صالحین کا متفقہ اصول ہے کہ جو بھی حدیث آیتِ قرآن کے خلاف ہو اور جو بھی امام کا قول صحیح حدیث کے خلاف ہو اور جو بھی کسی عالم کا قول ائمہ مجتہدین کے خلاف ہو وہ قابل رد ہے۔

(۱۰) حلال و حرام، جائز و ناجائز کا کوئی فیصلہ ائمہ مجتہدین کی رائے کے خلاف نہیں ہو سکتا انہیں کا مذہب و مسلک صحیح اور عین اسلام ہے

(۱۱) ائمہ مجتہدین خود صوفی تھے اور سلاسل تصوف کے بھی امام تھے

(۱۲) صوفی ائمہ مجتہدین کے مسائل کے خلاف عمل نہیں کر سکتا امام الاولیا سرحلقۂ شعرانیہ امام عبدالوہاب شعرانی نے فرمایا ہے۔ "صوفی کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا جس میں امام کی مخالفت ہو سکے"[۲]
خواجہ معروف کرخی کا قول ہے "کہ تصوف ایک ایسا اسم ہے جس میں فقر و زہد کے معنی شامل ہیں"[۳]

---
[۱] فردوس [۲] الیواقیت دیکھو باب کلمات [۳] دیکھو باب اول

خواجہ ابوبکر کتانی کا قول ہے "جس چیز میں کوئی، مدنی، عراقی اور شامی اختلاف نہ کریں (یعنی مجتہدین) وہ زہد ہے، تصوف نام ہے۔ سنت اور ظاہر شریعت کی پوری پابندی کا۔

(۱۳) صحابۂ کرام رسولِ کریم کی ہر سنت پر عمل کرتے تھے۔ کسی چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی عمل کرنے اور بتانے سے انہوں نے چھوڑا۔

(۱۴) ائمہ مجتہدین نے رسولِ کریم، صحابہ، تابعین و تبع تابعین کے کسی قول و فعل کو نہیں چھوڑا اور انہیں کے ذریعہ سے مسائل کا استنباط کیا

(۱۵) علم فقہ، قرآن و حدیث کی صحیح تفسیر ہے وہی واجب العمل ہے۔ اس کے خلاف چلنے والا گمراہ ہے یہی علم ظاہر شریعت ہے۔

(۱۶) بالاتفاق بزرگانِ قرونِ ثلاثہ کے اقوال و افعال مستند ہیں ان سے باہر جو کچھ ہے وہ بدعت ہے،

(۱۷) بدعت کے لئے حضور نے فرمایا ہے کہ وہ دوزخ میں لے جانے والی ہے۔

۱۸) حضور نے یا بزرگان قرون ثلاثہ نے بدعت کے اقسام مقرر نہیں کئے نہ کسی بدعت کو اچھا قرار دیا۔

بیانِ دوم

(۱) تصوف کی تمام کتابیں مخدوش ہیں (ارباب الکذب، دیکھو)

(۲) صوفیوں کا قول اس وقت تک قابلِ اعتماد نہیں جب تک کہ کتاب و سنت، کی اس پر شہادت نہ ہو (بابِ ہمات قول خواجہ بشر حافی)

(۳) مشائخ کا فعل حجت نہیں (دیکھو باب ثانی قول خواجہ چراغ دہلوی)

(۴) اولیاء معصوم نہیں ہوتے (امام قشیری باب ثانی دیکھو)

(۵) ولی سے کبیرہ گناہ بھی سرزد ہو سکتا ہے (خواجہ جنید باب ثانی)

(۶) اولیاء کے کشف میں غلطی بھی ہو جاتی ہے (شیخ اکبر دیکھو شاہ عبدالعزیز)

(۷) اگر کشف خلافِ کتاب و سنت ہو تو قابلِ قبول نہیں (خواجہ سلیمان دارانی باب ثانی دیکھو)

(۸) مسلکِ تصوف کتابِ الٰہی اور سنتِ رسول کی پابندی کا نام ہے (امام قشیری بابِ ثانی)

خواجہ ذوالنون مصری نے ان امور کو بیان فرمایا جس سے فساد پیدا ہوتا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سلف کی لغزشوں کو اپنے لئے حجت و دلیل قرار دینا میں کہتا ہوں کہ بعض اقوال و اعمال، صوفیائے کرام کی طرف زبردستی منسوب کئے گئے ہیں اور اہلِ علم ہمیشہ اس معاملہ میں شبہات ظاہر کرتے رہے ہیں اور محدث ابن جوزی صوفیہ کے بعض اقوال پر اعتراض کر کے لکھتے ہیں گو یہ مشائخ صوفیہ کے اقوال ہیں۔ لیکن علم کی دوری کی وجہ سے ان کے بعض مشائخ سے غلطیاں بھی سرزد ہوئی ہیں اسلئے اگر ان کا انتساب ان کی طرف صحیح ہے تو ان پر ضرور اعتراض وارد ہوگا کیونکہ حق بات میں کسی کی رعایت نہیں اور اگر یہ انتساب صحیح نہیں ہے تو جس شخص سے بھی اس قسم کا قول صادر ہوگا ہم اس سے بھی بچیں گے لیکن جو لوگ صوفی نہیں ہیں اور انہوں نے صوفیہ کے ساتھ مشابہت پیدا کر لی ہے ان کی غلطیاں بہت ہیں

ان بیانات کی روشنی میں اب ہم قوالی کے ہر جزو سے مفصل بحث کرتے ہیں

(۱) شعر و شاعر

قرآن

(۱) ہم نے اسے نہیں سکھایا شعر کہنا کیونکہ یہ نبی کی شان کے لائق نہیں ہے[۲]

(۲) شاعروں کی بات پر وہی چلیں جو بے راہ ہیں[۳]

حدیث

(۱) ایک شاعر شعر کہہ رہا تھا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو پکڑو یہ شیطان ہے[۴]

(۲) امراء القیس شاعروں کا علم بردار دوزخ میں ہے[۵]

(۳) امام بخاری نے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ شعر سے بھرے (الیح)

۱ تلبیس ابلیس ص۱۸۵ ۲ الیسین ۷ سورہ شعراء ص۲۲۳ ۴ فردوس ۵ مسند امام حنبل

روایت بخاری و مسلم میں ہے۔

۴ جو شخص سفر میں ذکرِ الٰہی کرتا ہے۔ فرشتے اس کے ساتھی ہوتے ہیں اور جو شعر پڑھتا ہے اس کا ساتھی شیطان ہوتا ہے[۴]

۵ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجنون اور شاعر کو دیکھ کر مجھے کراہت ہوتی ہے[۵]

۶ شعر شیطان کا باجا ہے

۷ لما شبیت بغض الی الاوثان و بغض الی الشعر، جب سے میں جوان ہوا ہوں مجھے بتوں سے اور شعر سے نفرت ہے۔

۸ احیاء العلوم باب چہارم میں لکھا ہے۔ کہ حضرت مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے ایک شعر دریافت کیا تو ان کو ناگوار ہوا اور فرمایا میں نہیں چاہتا کہ میرے نامۂ اعمال میں شعر نکلے

۹ حضرت غوثِ پاک نے آیتِ قرآن میں (لہو الحدیث) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد سرود و اشعار ہیں۔

۱۰ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شاعر سے اس کا کلام سنا صحابہ کرام میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ بڑے شاعر تھے۔

۱۱ حضرت ابو ہریرہ نے ایک مرتبہ وعظ میں نعتیہ اشعار پڑھے

۱۲ حضرت عبدالرحمن نے فرمایا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مردہ دل نہ تھے اپنی مجلسوں میں اشعار بھی پڑھا کرتے تھے اور زمانہ جاہلیت کے واقعات بھی بیان کیا کرتے تھے۔

قرآن مجید میں شعر و شاعری کی مذمت ہے، حدیث میں بھی ہے اور حدیث سے حضور کا شعر سننا اور صحابہ کا شعر کہنا بھی ثابت ہے بظاہر یہ بڑا تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن فقہاء کے فیصلے نے اس مشکل کو حل کر دیا ہے اور ان کی رائے بالکل عقلِ سلیم کے مطابق ہے یعنی حمد و نعت اور قومی و مذہبی اشعار کا کہنا اور پڑھنا جائز ہے، عاشقانہ اور رندانہ مضامین کا پڑھنا اور کہنا جائز نہیں سلطان المشائخ نے بھی شرائطِ سماع میں فرمایا ہے کہ کلام رندانہ نہ ہو[۵]

۴ طبرانی ۵ فردوس ۵ فواد الفواد

شعراء کے اقوال

شاعر برا نہ مان جو ناصح برا کہے — شاعر ہیں ہم دروغ ہمارا کلام ہے
ذاکریہ شاعری کی بھی وہی بجھری بلا — ہم نے ملایا خاک میں سب کا وقار کو
گنہگار سب چھوٹ جائیں گے سارے — جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

امرد اور عورت

۱۔ سادہ رو لڑکوں کو نہ دیکھو[۱]

۲۔ عورتوں کے پاس جانے سے بچو[۲]

۳۔ شیخ محمد بن توسی ابو بکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خدا جب کسی بندے کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو نوخیز لڑکوں کی صحبت میں ڈال دیتا ہے[۳]۔

۴۔ حضرت سعید بن جبیر تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے شیطان جب کسی بات میں انسان سے مایوس ہو جاتا ہے تو اس کو عورتوں کے ذریعہ سے پورا کرتا ہے۔

۵۔ خواجہ یوسف بن الحسین نے فرمایا ہے کہ صوفیوں کے لئے عورتوں اور لڑکوں کی صحبت آفت ہے[۴]۔

۶۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ہے کہ مجلس سماع میں امرد اور عورت نہ ہو۔ پاک دامن عورتوں کے پاس بھی کسی نیک ارادے سے جانا منع ہے۔

۷۔ حضرت سعید بن جبیر تابعی نے فرمایا ہے کہ پردہ نشین کے ساتھ نہ بیٹھو اگرچہ وہ رابعہ بصری ہی ہو اور تم اس کو قرآن ہی پڑھاتے ہو۔

محمد بن طاہر فرقۂ اباحیہ کے ایک عالم نے ایک کتاب صفوۃ التصوف لکھی ہے اس میں اس نے بعض اس قسم کے شرمناک مضامین لکھے ہیں جن کو لکھتے ہوئے قلم کانپتا ہے اس نے اس کتاب میں لونڈوں کی نظر بازی کو جائز قرار دیا ہے یہ ابتدا ہے صوفیوں میں امردوں کی صحبت کی

اس بیان میں جن بزرگوں کے اقوال ہم نے پیش کئے ہیں وہ تذکرۃ الاولیاء نفحات الانس۔ سفینۃ الاولیاء اور کلمات الاولیاء میں ہیں

مولوی عبدالسلام ندوی نے شعر الہند حصہ دوم میں لکھا ہے کہ صوفی لڑکوں کو منظور نظر بناتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امرد پرستی پھیل گئی اور اسی وجہ سے

[۱] مسند امام حنبل [۲] خطیب بغدادی [۳] رسالہ قشیریہ [۴] جواہر غیبی [۵] فواد الفواد

یہ بلا اردو شاعری میں آئی، مولوی صاحب موصوف نے اس امر کو تاریخی شواہد کے ساتھ ثابت کیا ہے

راگ[۳]

راگ کے متعلق لکھا جا چکا ہے اور آگے بھی کچھ بیان ہوگا۔

۴۔ تالی بجانا

خداوند ذوالجلال نے تالی بجانے کو کفار کی عبادت قرار دیا ہے، سورہ انفال میں ارشاد ہے[۱]

ان کی عبادت کعبہ کے پاس صرف یہ تھی کہ سیٹیاں بجائیں اور تالیاں بجائیں، سو عذاب کا مزہ چکھیں۔

حسن علاء سجزی نے لکھا ہے کہ سلطان المشائخ نے تالی بجانے کو منع فرمایا ہے ارشاد ہے

"آں بو لہوی ماند تا ایں غایت از ملاہی و امثالِ آں احتراز آمدہ است پس در سماع بطریقِ اولیٰ کہ ازیں بابت باشد یعنی در منعِ دستک چندیں احتیاط آمدہ است پس در منع مزامیر بطریقِ اولیٰ"

مزامیر

قرآن۔ مزامیر کی مذمت جو قرآن مجید میں مذکور ہے اس کو ہم ایک سابق بیان میں لکھ چکے ہیں

حدیث ۱۔ حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ ہونگے جو زنا کرتے، شراب پیتے، ریشم پہنتے اور باجا بجانے کو حلال سمجھیں گے[۲]

۲۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب میری امت میں یہ پندرہ باتیں آجائیں گی تو ان پر بلائیں نازل ہوں گی ان پندرہ میں گانے والی عورتیں اور باجے بھی ہیں[۳]

۳۔ باجوں کی آواز ملعون ہے[۴]

۴۔ مجھے طبل اور مزامیر توڑنے کا حکم دیا گیا ہے[۵]

۱۔ پارہ ۹ رکوع ۳ ۲۔ ابوداؤد ۳۔ ترمذی ۴۔ فردوس ۵۔ فردوس

۵۔ خدا نے مجھ کو مزامیر توڑنے کا حکم دیا ہے[1]

۶۔ خدا نے حرام کیا ہے، شراب، قمار اور ڈھول بجانے کو[2]

۷۔ دو آوازوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے ایک باجے کی آواز جو گانے کے وقت نکالے دوسری نوحہ کی آواز جو میت کے وقت نکالے[3]

۸۔ دف حرام ہے، ڈھولک حرام ہے مزمار حرام ہے[4]

۹۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس گھنٹی کی آواز کو بھی سننا پسند نہ فرماتی تھیں جو اونٹ کے گلے میں باندھی جاتی ہے۔ اگر راستے میں کوئی گھنٹی والا اونٹ مل جاتا تو اپنے ساربان سے فرماتیں جلدی جلدی چلو "تاکہ میں اس کو نہ سن سکوں[5]"

۱۰۔ ایک بار ایک لڑکی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آئی وہ گھنگرو پہنے ہوئے تھی، انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس نہ آئے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں اس قسم کی آوازیں آتی ہیں وہاں فرشتے نہیں آتے[6]

۱۱۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بچپن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہا تھا کہ مزمار کی آواز آئی تو حضرت ابن عمر نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور دوسری طرف کو چلے، کچھ دور چل کر مجھ سے دریافت کیا اب تو آواز نہیں آتی، میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کانوں میں سے انگلیاں نکال لیں اور فرمایا کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا تو ایسا ہی اتفاق ہوا تھا حضرت نے کانوں میں انگلیاں دے لی تھیں[7]

۱۲۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اپنے کانوں کو مزامیر پر نہ لگاؤ۔ اگرچہ تم مردہ ہی ہو۔

۱۳۔ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا دف بجانا مسلمانوں کا طریق نہیں

۱۴۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں مزامیر کو حرام لکھا ہے اور عوارف المعارف میں بھی حرام لکھا ہے۔

۱۵۔ محدث خطیب بغدادی نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باجوں کے سننے کو منع فرمایا ہے۔

ع۱ مسند حنبل ع۲ بیہقی شعب الایمان ع۳ البزار ع۴ بیہقی ع۵ مسند حنبل ع۶ مسند حنبل ع۷ فروع
ع۸ عوارف المعارف صفحہ ۱۵۱

۱۶۔ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر دعوت میں جائے اور وہاں ممنوع چیزیں ڈھول، بانسری ساز بنائی، رباب اور اہل سرود ہوں تو نہ بیٹھے واپس چلا آئے یہ سب چیزیں حرام ہیں، لہوالحدیث سے مراد سرود واشعار ہیں ۔[1]

۱۷۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول فواد الفواد میں ہے

"من منع کردہ ام کہ مزامیر ومحرمات درمیان نہ باشد"

دوسری جگہ عورت کی آواز اور مزامیر اور تالی کے متعلق فرمایا ہے۔

"مزامیر منع ہے، عورت نماز میں امام کو لقمہ نہ دے کیونکہ اس کی آواز مردوں کے کان میں جائے گی بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مارے اور ہاتھ پر ہاتھ بھی اس طرح مارے کہ تالی بجنے کی آواز نہ ہو یہ داخل بلاہی ہے بلکہ ایک ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسرے ہاتھ کی پشت پر مارے ۔"

۱۸۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اور خواجہ شہاب الدین نے عوارف المعارف میں مزامیر کو حرام لکھا ہے۔

۱۹۔ محمد شاہ عالم نے اپنی کتاب مزارات اولیاء دہلی میں صفحہ ۷۴ پر لکھا ہے۔

" اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سلطان المشائخ کی مجلس میں ایک شخص نے ذکر کیا کہ فلاں جگہ آپ کے مریدوں نے مجلس منعقد کی اس میں مزامیر بھی تھے تو آپ نے کہا میں نے منع کیا ہے کہ حرام چیزیں نہ ہوں۔"

اخبار الاخیار میں ہے کہ سلطان المشائخ کے مریدوں نے ایک مجلس منعقد کی اس میں دف اور سرود تھا خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے اٹھنے لگے۔ تو ایک شخص نے کہا کہ آپ سماع کے منکر ہو کر پیر کے طریقے رستے پھر گئے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ کوئی دلیل وحجت نہیں، استدلال قرآن وحدیث سے چاہیے لوگوں نے یہ بات سلطان المشائخ سے کہی انہوں نے فرمایا حق وہی ہے جو وہ کہتا ہے۔

۲۰۔ خیر المجالس میں ہے کہ خواجہ چراغ دہلوی نے فرمایا۔

[1] سوانح عمری غوث پاک بحوالہ غنیۃ الطالبین وغیرہ

" مزامیر بہ اجماع مباح نہیں "

عاللہ مہر محمدی میں ہے ایک مرتبہ خواجہ گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ نے مزامیر کے ساتھ سماع کیا ان کے پیر کو خبر ہوئی تو منع فرمایا پھر انہوں نے کبھی مزامیر نہیں سنے۔

عـ۲۲ سلطان المشائخ کا یہ قول بھی فواد الفواد میں ہے کہ جو شخص مزامیر سنتا ہو ہماری مجلس میں نہ آئے۔

عـ۲۳ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے

" سلطان المشائخ کہ مشغوف بسماع بودی فرمودند کہ ہر کہ مزامیر بشنود در محفل من نہ آید (ملفوظات)

اور تحفہ اثنا عشریہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ غنا جو مقرون بہ آلات لہو و مزامیر ہو باجماع حرام ہے

عـ۲۴ صاحب نور المرام حاشیہ مشکوٰۃ میں بحوالہ فتاوی قاضی خاں لکھتے ہیں کہ سننا آواز ملاہی کا مثل سماع مزامیر ہے، مروی ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ سننا آواز ملاہی کا معصیت ہے۔ اور بیٹھنا اس میں فسق ہے اور لذت حاصل کرنا اس سے کفر ہے رکہے قاضی خاں کہ یہ کفر بطریق تشدد ہے، اور واجب ہے کہ کوشش تمام کرے یہ کہ نہ سنے بسبب اس کے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انگلیاں اپنے کانوں میں رکھ لئے[۱]

عـ۲۵ شخصے نائے زدن گرفت فرمودند منع کنید روا نیست چوں سرود گویاں رسیدند نیز منع کردند[۲]

دف

حنفی مذہب میں دف بھی حرام ہے اور کسی صورت میں اس کو مباح نہیں کہا گیا[۳]

امام مالک اور احمد بن حنبل نے بھی غنا و ضرب بربط و دف وغیرہ کو جائز نہیں قرار دیا۔

امام شافعی کے یہاں صرف نکاح و ختنہ کے موقع پر دف مباح ہے

عـ۱ صفحہ ۲۹۶ عـ۲ ملفوظات سلطان المشائخ عـ۳ ہدایہ، بدایہ، در مختار، نقایہ

مگر اس کے ترک کو اولیٰ کہا گیا ہے، باقی صورتوں میں حرام ہے[1]

خواجہ شہاب الدین سہروردی شافعی عوارف المعارف میں تحریر فرماتے ہیں

"ہمارے مذہبِ شافعی میں دف کو جھانجھ کے ساتھ بجانا مباح ہے ہمارے مذہب میں اس میں بڑی وسعت ہے مگر اس کا ترک کر دینا بہتر ہے بہتری اور احتیاط اسی میں ہے کہ دف کو بالکل ترک کر دیا جائے"

اسی کتاب میں امام حسن رضی اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے

"دف بجانا مسلمانوں کا طریقہ نہیں ہے"

(۱) رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، دف نہ بجاؤ مزامیر کی آواز نہ سنو (خطیب)

(۲) حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسولِ کریم نے دف بجانے جوا کھیلنے اور باجہ بجانے سے منع فرمایا ہے (خطابی)

مذہبِ شافعی میں جو دف بجانا شادی و ختنہ کے موقع پر مباح قرار دیا گیا ہے اس میں چند شرائط قائم کی گئی ہیں جن کو امام حجر شافعی نے اپنی کتاب کف الرعاع میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ اول یہ کہ دف عورتیں یا لڑکیاں بجائیں یعنی اباحت خاص انہیں کے بجانے میں ہے مرد نہیں بجا سکتے۔

دوسرے یہ کہ جھانجھ نہ ہو اور اسکے بجانے میں تکلف و تصنع اور طرزِ سرود و طرب نہ ہو یعنی دیسے ہی سادہ طور پر ہاتھ سے پیٹ دیں

تیسرے یہ کہ نکاح کے وقت عورتیں تھوڑی دیر شرائطِ مذکورہ کے ساتھ دف بجائیں[2]

امام ابن حجر اور امام ماوردی (یہ چوتھی صدی ہجری میں تھے) کا قول ہے کہ دف کا استعمال مکروہ ہے۔

بعض حنفی علماء نے نکاح کے وقت دف بجانے کا جواز مذہب شافعی کی بناء پر رکھا ہے، چنانچہ امام نور ہ پشتی نے فرمایا ہے کہ دف اکثر مشائخ کے نزدیک حرام ہے اور جس حدیث میں نکاح کے وقت دف بجانے کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اعلان اور شہرت کر دی جائے شرح نقایہ میں ہے

[1] کف الرعاع مصنفہ ابن حجر [2] شرح ابو المکارم، شرح نقایہ، لمعات

(من ضرب الدف فی العرس کنایۃ عن الاعلان) گویا ضرب دف ایک محاورہ ہے جو تشہیر کے لئے مستعمل ہے۔ ایسا ہی فارسی زبان میں دف زدن مشہور کرنے کے معنی میں ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں:-

پس از ہوش مندی و فرزانگی ۔۔۔ بدف برزدندش بدیوانگی

اردو میں بھی محاورہ ہے "ڈنکے کی چوٹ کہا"

حدیث: ربیع بنت معوذ سے جو بخاری میں ہے ثابت ہوتا ہے کہ نابالغ لڑکیوں نے زفاف میں دف بجایا تھا۔ اس حدیث سے نابالغ بچیوں کا فعل ثابت ہوتا ہے عورتوں اور مردوں کا بجانا ثابت نہیں ہوتا یہ واقعہ اس لئے عہدِ مدینہ کا ہے اس کے علاوہ حضرت علی کی حدیث میں صاف الفاظ میں (نہٰی عن ضرب الدف) اور حضرت ابوبکر نے رسول کریم کے سامنے دف کو مزامیر الشیطان کہا تو حضور نے اس پر کچھ نہیں فرمایا۔

رد المحتار میں ہے دف وغیرہ کا بجانا بوقتِ نکاح وغیرہ اگر بقصدِ لہو ہے تو حرام ہے اگر بقصدِ لہو نہیں ہے تو جائز ہے اور اس صورت میں دف کیا کسی باجے کی خصوصیت بھی نہیں کی جا سکتی لیکن صاحبِ ردالمختار کا یہ قول ائمہ کے اقوال کے خلاف ہے نیز ائمہ مذہب شافعی کے قول کے بھی خلاف ہے زیادہ سے زیادہ اس کا جواز صرف اس قدر سمجھا جائے گا کہ قواعدِ تطریب کے خلاف نابالغ لڑکیاں بقصدِ اعلانِ نکاح چند منٹ کے لئے دف بجا سکتی ہیں مگر شبہ سے یہ بھی خالی نہیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شبہات سے پرہیز کرو۔ [۱]

"مزامیر سننے والوں کا عذر اور خواجگان کبار کی آئیں"

(۱) رسالہ قشیریہ میں ہے کہ خواجہ ابو علی احمد بن محمد الرودباری متوفی ۳۲۸ھ سے لوگوں نے کہا کہ کچھ لوگ راگ باجا سنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے حلال ہے کیونکہ ہم اس درجے کو پہنچ گئے کہ ہم پر اختلافِ احوال کا کوئی اثر نہیں پڑتا تو خواجہ صاحب نے فرمایا

"ہاں وہ پہنچ تو گئے ہیں لیکن جہنم میں"

[۱] مقالہ فردوسی

(۲) حسن علاء سجزی نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے سلطان المشائخ سے عرض کی کہ مزامیر سننے والوں سے میں نے دریافت کیا کہ تم نے مزامیر کیوں سنے تو انہوں نے کہا ہم سماع میں ایسے محو تھے کہ ہم کو خبر ہی نہ ہوئی کہ مزامیر ہیں بھی یا نہیں تو سلطان جی نے فرمایا۔

"یہ کوئی جواب نہیں ہے"

(۳) سید العارفین کے پاس ایک رند قلندر آکر بیٹھ گیا اس وقت میر نور اللہ ایک درویش کامل بھی بیٹھے تھے کہیں سے مزامیر کی آواز آئی قلندر نے کہا جہاں مزامیر ہیں وہاں جانا چاہیئے، میر نور اللہ نے کہا وہاں کیا ہے؟ قلندر نے کہا اللہ ہے میر صاحب کو غصہ آگیا اور قلندر کو پکڑ کر کہا چل خدا کو دکھا، اب قلندر صاحب بہت پٹا گئے آخر سلطان العارفین نے اس کو میر صاحب سے چھڑایا[عہ]

ہندوستان کے قدیم بزرگ بھی ناچ اور باجے کو جائز نہ سمجھتے تھے رامائن اجودھیا کانڈ میں رام چندر جی کا قول ہے۔ ناچ اور باجا سدا کا نشہ (ممنوع) ہے، صرف اتسو (جشن) میں بمشکل کچھ اجازت دی گئی ہے

سماعِ اولیائے کرام

صوفیائے عظام اور اولیائے کرام کے سماع کا طریق وہی تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ قرآن مجید سنا کرتے تھے اور اسی شوق میں اکثر بزرگوں نے بڑھاپے میں قرآن مجید حفظ کیا اور اکثر بزرگوار درس قرآن و حدیث و تفسیر و فقہ کا شغل رکھتے تھے، چنانچہ خواجہ اجمیری اور خواجہ بختیار کاکی نے آخر عمر میں قرآن مجید حفظ کیا[عہ]

شیخ احمد مجد صاحب سلسلہ خواجہ حمید الدین ناگوری عصر کی نماز کے بعد تفسیر مدارک کا درس دیا کرتے تھے[عہ]

خواجہ رکن الدین گنگوہی نے اپنے والد ماجد خواجہ عبد القدوس گنگوہی چشتی کے متعلق فرمایا ہے

"پدر بزرگ من اولیا را بود تلاوت قرآن وظیفہ داشتند و مسائل شرعی ہمیشہ مطالعہ کردند[عہ]"

عہ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام حصہ دوم صفحہ ۲۷۶ عہ ۲۷۷ عہ مناقب العارفین

سلطان المشائخ نے فرمایا "قرآن خواندن بر شعر گفتن غالب آید"

حضرت داتا گنج بخش نے کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ سماع کی بہتر صورت سماع کلام الٰہی ہے۔

بعض بزرگ کبھی کبھی حمد و نعت کی نظمیں بغیر مزامیر و قواعدِ موسیقی کسی معمر آدمی سے سنتے تھے اس سے زیادہ ان کا کوئی سماع نہ تھا مگر محتاط بزرگوں کو اس پر بھی اعتراض تھا لیکن اس قسم کے سماع سے بھی اولیائے کبار پرہیز کرتے تھے۔

خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ مجالسِ رقص و سرود میں شریک نہ ہوتے تھے[۱]

خواجہ جنید بغدادی جو تمام سلاسل کے امام ہیں سماع و وجد نہ کرتے تھے[۲]

سرحلقہ چشتیاں امام حسن بصری، خواجہ ابراہیم ادہم، خواجہ فضیل بن عیاض، سماع کے مخالف تھے اسی طرح خواجہ معروف کرخی، خواجہ سلیمان دارانی، خواجہ احمد بن ابی الحواری اس سے پرہیز کرتے تھے، نام نہاد صوفیا میں سماع و مزامیر کا رواج ہوگیا عوارف المعارف میں ہے۔

امام شافعی اس کو ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے اس کو زندیقوں نے وضع کیا ہے تاکہ قرآن مجید میں دل نہ لگے۔

پیر علی ہجویری داتا گنج بخش فرماتے ہیں۔[۳]

"دریں زماں گروہے گمشدگان بہ سماع فاسقاں حاضر شوند و گویند کہ سماع از حق می کنیم و فاسقاں از آنکہ ایشاں مر ایشاں را اندر آں موافقت کنند بہ سماع کردن بر فسق و فجور حریص تر شوند تا خود ایشاں ہلاک شوند"

خواجہ نظام الدین ۷۲۵ھ کے متعلق لکھا ہے

"از سماع پرہیز کردے و مریدان را بنز اذان و از تعلق تا ہر صورے می منع فرمودی"[۵]

حضرت مجدد الف ثانی صاحب فرماتے ہیں[۶]

"ایں قسم سماع و رقص کہ دریں وقت شائع شدہ است و ایں نوع اجتماع کہ دریں زماں متعارف گشتہ شک نیست کہ مضر محض است"

عوارف المعارف میں ہے، بعض صوفیہ کا قول ہے کہ تصوف صدق ہے اور کل جملہ اس میں کوئی چیز ہزل و سہو کی نہ ملاؤ پس یہ اشارہ سماع سے اجتناب

---

[۱] فوائد الفواد [۲] رسالہ سماع و رقص صفحہ ۲۸۷ [۳] سفینۃ الاولیاء [۴] کشف المحجوب صفحہ ۴۱ [۵] اخبار الاخیار

[۶] مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اول صفحہ ۴۷

اور پرہیز کرنے پر دلالت کرتا ہے

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ جس سماع[1] سے دل کی اصلاح ہو سکتی ہے وہ کتاب اللہ کا سماع ہے لیکن بعض فرقوں نے اس سماع کو بھلا کر قصائد سننا شروع کر دیئے تالیاں بجانے لگے اور الاپنا شروع کر دیا جو کفار کے سیٹی بجانے سے مشابہ ہے جس کی خدا نے برائی بیان کی ہے

سلطان المشائخ اور بعض بزرگوں سے سماع کے جواز کے جو شرائط منقول ہیں اول تو ان میں بھی تردد ہے کہ ان کے فرمودہ ہیں یا کسی محرف کی کارستانی ہے دوسرے وہ شرائط آج کل قطعًا معدوم ہیں

(۱) گانے والا امرد یا عورت نہ ہو (۲) مزامیر نہ ہوں تالی نہ بجائی جائے (۳) کلام رندانہ نہ ہو (۴) سننے والا عام لوگوں میں سے نہ ہو (۵) سننے والے میں خرابی نہ ہو یعنی شہوت کا غلبہ نہ ہو عین بہار جوانی کا زمانہ نہ ہو (۶) پڑھنے والا بھی سمجھدار معمر اور نیک ہو بعض بزرگوں نے مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ سماع کو مباح قرار دیا ہے، موجودہ زمانہ کی محافل سماع کو دیکھا جائے تو اس میں عورت اور امرد ہوتے ہیں، تالیاں بجاتے ہیں، مزامیر ہوتے ہیں رندانہ کلام ہوتا ہے عوام شریک ہوتے ہیں، اکثر نوجوان شریک ہوتے ہیں، اور گانے والے بے علم ہوتے ہیں

"گانے والوں کے علم و فہم کا پہلا لطیفہ"

میں ایک دفعہ کلیر گیا جمعرات کا دن تھا قوالی ہو رہی تھی قوال گا رہا تھا،

"فتنہ انگیز مشو کاکل مشکیں مکشا   تاب زنجیر ندارد دل دیوانۂ ما"

صوفیوں کو وجد و حال آ رہا تھا کلام کی شدید غلطی پر نہ گانے والے آگاہ تھے نہ سننے والے، یہ شعر اس غزل کا ہے جو حضرت غوث پاک کی طرف منسوب ہے مصرع اول اس طرح ہے "فتنہ انگیز مشو کاکل مشکیں بکشا"۔

دوسرا لطیفہ

بدایوں میں حضرت سلطان العارفین کا مزار زیارت گاہ خلائق ہے، مزار ہے وقفہ ندی کے پار ایک مختصر بن میں واقع ہے اس بن میں بندر کثرت سے ہیں زائرین ان کو سلطان جی کے مہمان سمجھ کر خوب کھلاتے پلاتے ہیں، عرس کا زمانہ تھا قوالی

[1] فتاوی ابن تیمیہ جلد اول ص۱۸۵

ہو رہی تھی ایک صوفی صاحب کو حال آ رہا تھا سر دُھند کھڑے ہوئے اضطراری حرکات کر رہے تھے، اس شعر پر وجد آ رہا تھا، قوال صحیح پڑھ رہا تھا،،

"صنما رہ قلندر سزاوار من نمائی — کہ دراز و دور دیدم رہ رسم پارسائی"

صوفی صاحب اچھل رہے تھے اور کود رہے تھے اور بار بار مصرعہ اولیٰ کی اسطرح تکرار کر رہے تھے۔

صنم آ رہے گا بندر

ہاں

صنم آ رہے گا بندر

ادھر ہو ادھر ہو

صنم آ رہے گا بندر

تیسرا لطیفہ

ایک رقاصہ غزل گا رہی تھی اس نے ایک شعر اس طرح پڑھا

باوا آدم کے وجود پہ پر و بال نہ تھا — وہاں پہونچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

یہ شعر خواجہ میر درد کی غزل کا ہے صحیح اسطرح ہے

با وجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے — وہاں پہونچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

یہ واقعہ نہ میرے سامنے ہوا نہیں نے بگوش خود سنا بلکہ یہ لطیفہ میں نے مختلف احباب سے مختلف مقامات پر دہلی، آگرہ، لکھنو اور حیدرآباد دکن میں سنا ہے۔

جو شرائط جواز لکھے گئے ہیں ان کے ساتھ بعض لوگوں نے راگ کو مباح قرار دیا ہے مگر اکثر علماء نے ان کا رد کیا ہے۔

اس کو مذہبی رنگ دینا غلط ہے مذہبی موسیقی تو کوئی چیز ہی نہیں پھر جو چیز مذہبی نہیں وہ غذائے روح یا روحانی ترقی یا تعلیم سلوک کا ذریعہ کیونکر بن سکتی ہے ایسی ہی موسیقی کے لئے امام ابن حزم ظاہری کا فتویٰ ہے کہ مذہبی موسیقی حرام ہے اور غیر مذہبی مباح ہے۔ لیکن اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

سماع حرام بھی ہے اور حلال بھی جس نے نفس کے منشا پر شہوت

اور ہوا سے شنا وہ حرام ہے اور جس نے اس کو مباح صفت پر لونڈی یا زوجہ سے شنا وہ مشتبہ ہے اس لئے کہ لہو میں داخل ہے اور جس نے ایسے ایسے شخص سے سنا جو ایسے معانی کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے تمام لوازمات حلال ہیں وہ مباح ہے (عوارف المعارف صفحہ ۲۲۳)

ابن جریج سے منقول ہے کہ وہ راگ سننے کی اجازت دیا کرتے تھے کسی نے پوچھا کہ قیامت کے روز راگ آپ کے حسنات میں داخل ہوگا یا منجملہ سیئات ہوگا فرمایا نہ حسنات میں شامل ہوگا نہ سیئات میں اس لئے کہ لغو کے مشابہ ہے" (احیاء العلوم باب ہشتم)

خواجہ جنید بغدادی سے شیطان نے کہا میں دو وقتوں میں صوفیوں پر غالب ہو جاتا ہوں ایک سماع کے وقت ایک کسی پر نظر کرنے کے وقت۔

رسالہ آستانہ دہلی جولائی [illegible] کی اشاعت میں رقم طراز ہے:-

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کون و مکان کی تمام معلومات کو آغوش میں لئے ہوئے تھا حضور کو قیامت تک کے اعمال کی خبر تھی وہ جانتے تھے کہ اس دل آویز نغمہ سرائی سے مسلم دنیا بھی اسی طرح ڈگمگا جائے گی جس طرح اور قومیں بہک گئیں چنانچہ فقہ اسلام نے نہایت سختی کے ساتھ رقص و سرود و تغنی و ترنم پر پابندیاں عائد کیں، متقدمین اولیائے کرام نے پورے حزم و احتیاط کے ساتھ سماع کو غذائے روحانی پاکر اس کے جواز کی راہیں تلاش کیں مگر جادۂ شریعت سے سرمو تجاوز کسی بزرگ نے نہ کیا، مخصوص اوقات پر خلوتِ خاص میں خوش گلو عابد و متقی افراد اولیائے کرام کو زاویۂ تنہائی میں کچھ سناتے تھے، ہندوستان میں سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں سماع کی ترویج خاندانِ عالیہ سہروردیہ کے بزرگ اعظم خواجہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے ذوقِ روحانی کی مرہونِ منت ہے۔

آگے لکھتے ہیں

کہ جب قاضی صاحب ایران سے دہلی آ رہے تھے تو راستہ میں ایک خوش الحان پرند کی آواز سن کر بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو حضرت خضر کو دیکھا انہوں نے

نے کہا حمید الدین آج تم نے سماع سنا دیگر اولیاء اللہ نے بھی سماع سنا ہے یہ الفاظ گویا سماع سننے کی اجازت پر محمول تھے"

یہ روایت بھی اسی قسم کی ہے جیسی اولیائے کرام تذکروں میں بہت سی بے سروپا حکایتیں ہیں اس روایت پر دو اعتراض بھی وارد ہوتے ہیں، قاضی حمید الدین خواجہ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے جو خواجہ اجمیری کے ہم عصر تھے ان سے پہلے خواجہ اجمیری تک ہندوستان میں اور چشتیوں میں سماع تھا یہاں گویا ساتویں صدی ہجری کے نصف کے قریب شروع ہوا چونکہ قرون ثلاثہ سے باہر ہے اس لئے صریح بدعت ہے دوسرے یہ کہ امت محمدی کے لئے خضر علیہ السلام کو جن کے وجود اور نبوت ہی میں اختلاف ہے فتوی دینے کا کیا حق ہے اور ان کی اجازت و فتوی کیونکر نافذ ہو سکتا ہے۔

"آخر میں مروجہ قوالی کے متعلق لکھتے ہیں. زمانہ موجودہ میں جو قوالی رائج ہے اور جس کو محض گرمی محفل کا سامان یا تفریح دماغ کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے اس میں اور اس میں (قدیم سماع میں) زمین و آسمان کا فرق ہے

دہلی میں ایک بزرگ صوفی صابر علی شاہ چشتی تھے وہ گانا سنا کرتے تھے جب ان کا وقت آخر ہوا تو حضرت شاہ اسحاق صاحب کو بلایا اور کہا سب کو معلوم ہے کہ میں گانا بغیر مزامیر کے سنتا تھا مگر یہ جائز نہیں اسلئے آپ میرا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر کے مجھے خانقاہ میں تشہیر کیجئے یہ امر میں نے اس لئے تجویز کیا ہے کہ مرید پیروں کے افعال کو سند پکڑتے ہیں ممکن ہے کہ میرے بعد میرے مرید گانا سنیں لہذا ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ جائز نہیں اور میں نے گناہ کیا ہے جس کی یہ سزا ہے

رسالہ الصدیق ملتان بابت ماہ فروری ۱۹۵۶ء رقم طراز ہے:۔

مروجہ قوالی کے متعلق صوفیوں کے بعض دلائل

" بعض صوفی رسول کریم کے اشعار سننے سے سماع پر استدلال کرتے ہیں لیکن اس میں اور قوالی میں زمین و آسمان کا فرق ہے معمولی طور پر شعر سننا اور بات ہے اور باقاعدہ موسیقی سننا اور چیز ہے، چنانچہ عوارف المعارف میں بھی خواجہ

صاحب نے بھی لکھا ہے۔

رسول کریم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو چند لڑکیاں گاتی ہوئی آئیں۔

طلع البدر علینا   من ثنیات الوداع

آپ نے ان سے کچھ نہیں فرمایا اس لئے گانے کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں لڑکیوں کا گانا باقاعدہ موسیقی گانا نہیں۔

یا حضور نے ایک شادی کے موقع پر عورتوں سے کہا گاؤ یہ واقعات ابتدائی عہد کے ہیں جب تک بعض ناجائز امور مثل سود وغیرہ کے رائج تھے بعد کو ان کی حرمت کا حکم ہوا اس لئے آخر زمانے کی احادیث واجب العمل ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میرے پاس چند لڑکیاں آئیں وہ گانے لگیں، حضور تشریف لائے، بیٹھ گئے اور اس طرف سے منہ پھیر لیا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے انہوں نے مجھے ڈانٹ کر کہا کہ شیطانی آلات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضور نے فرمایا ان کو چھوڑ دو۔ میں نے ان لڑکیوں کو اشارہ کیا وہ چلی گئیں۔

اس روایت سے بھی دلیل لائی جاتی ہے لیکن اس کا مغالطہ بھی بعینہ سابقہ کا سا ہے اور اس دلیل کے رد میں حضرت ابوبکر کا مزمور شیطان فرمانا نص قطعی ہے

السماع مباح لاهله یا اسی مضمون کے اور جملوں کو حدیث کہا جاتا ہے یہ حدیث نہیں ہے بلکہ یہ قول امام غزالی کی طرف منسوب ہے جو کسی تحریف کرنے والے کی کارگزاری معلوم ہوتی ہے اور اگر یہ قول صحیح طور پر امام غزالی کا ہی ثابت ہو جائے تو میں کہتا ہوں کہ امام صاحب کی مراد سماع کلام الٰہی ہے صرف صوفی طور پر بغیر مزامیر کے کسی عمدہ کلام کا سننا روا ہو سکتا ہے۔ مروجہ قوالی کا جواز اس سے ثابت نہیں ہوتا اس کے علاوہ امام غزالی شافعی المذہب تھے جب ان کے مذہب کے مجتہد مطلق یعنی امام شافعی کا فتویٰ ہی موسیقی مع المزامیر کے خلاف ہے تو امام غزالی کا قول قابل عمل و صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن زہیر کا قصیدہ سُنا اور ان کو چادر دی صوفی اس سے دلیل پکڑتے ہیں کہ گانا سُننا جائز ہے اور قوال کو کچھ دینا بھی ضروری ہے حالانکہ کعب بن زہیر قوال نہ تھے ان کا باقاعدہ موسیقی پڑھنا مذکور نہیں ہاں اس روایت سے شعر کا سُننا اور شاعر کو انعام دینا ثابت ہوتا ہے۔

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے تذکرۂ شعراء میں شعر گوئی کے جواز میں کئی روایتیں نقل کی ہیں حضور کا شعر سُننا اور صحابہ کا شعر کہنا ثابت ہے اس سے کسیکو انکار نہیں باقی اور روایات نہایت ضعیف ہیں، ایک روایت حضرت جابر سے ہے کہ حضور نے اشعار سُنے اور اشکبار ہوئے اس روایت کو بحوالہ دلائل بیہقی نقل کیا ہے، مگر میں دعویٰ کرتا ہوں کہ یہ روایت کتاب مذکور میں نہیں ہے امام قشیری کی کتاب میں بھی کسی تحریف کرنے والے نے یہ لکھ دیا ہے کہ امام مالک سے ثابت نہیں امام مالک کی روایت ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

صوفی کہتے ہیں کہ مسجدِ نبوی میں حبشی ناچے اور انہوں نے گانا گایا حضور نے یہ ناچ خود بھی ملاحظہ فرمایا اور ام المومنین عائشہؓ کو بھی دکھایا، یہ دلیل قصورِ فہم پر دلالت کرتی ہے حبشی ناچتے نہ تھے بلکہ وہ لکڑی کے کرتب دکھاتے اور پینترے بدلتے تھے یہ لوگ گاتے بھی نہ تھے بلکہ رجز پڑھتے تھے امام اوزاعی نے فرمایا جو لوگ رقص و سرود کے فریفتہ ہیں اور صوفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور جو لوگ ان کا اقتدا کرتے ہیں یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ حدیث جس میں حبشیوں کے مسجد میں ناچنے کا ذکر ہے وہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ مسجد میں ناچنا اور رچانا جائز ہے حالانکہ یہ فاش غلطی ہے[1]

اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ سماع مباح ہے تب بھی صوفی کو اس کا سُننا جائز نہیں کیونکہ خواجہ ابوحمزہ محمد ابراہیم ؁۲۸۹ھ نے صوفی کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ وہ مومن کامل ہوتا ہے اور مومن کی صفت قرآن مجید میں ہے کہ وہ لغو سے بچتا ہے اور شیخ جریج جو سماع کی اجازت دیتے تھے وہ خود اس کو لغو کہتے تھے لہٰذا صوفی کے لیے سماع سننا جائز نہیں ہو سکتا۔

ائمہ کا قول ہے جب کسی امر میں تردد ہو کہ یہ سنت ہے یا بدعت تو اس

[1] تو سط

کو ترک کر دینا چاہیے. حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں، ورع و تقویٰ کا مدنظر رکھنا اسلام کے اصلی مقاصد اور بڑی ضروریات سے ہے جس کا مدار محرمات سے بچنے پر ہے مگر یہ کامل طور پر اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ فضول مباحات سے پرہیز کیا جائے اور بقدرِ ضرورت مباحات پر کفایت کی جائے کیونکہ مباحات کے اختیار کرنے میں باگ کا ڈھیلا چھوڑنا مشتبہ امور تک پہونچا دیتا ہے اور مشتبہ حرام کے نزدیک ہے۔

خواجہ ابو عبداللہ نزدغندی ۳۸۰ھ فرماتے ہیں

صوفی زہد نفس سے ہوتا ہے

ایسا ہی خواجہ معروف کرخی اور خواجہ جامی نے فرمایا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زہد کس کو کہتے ہیں

خواجہ یوسف اسباط تابعی ۱۹۶ھ فرماتے ہیں،

شبہات سے بچنا اور نیک و بد میں تمیز کرنا زہد ہے

خواجہ بشر حافی ۲۲۷ھ فرماتے ہیں، زہد وہ ہے کہ شبہات سے بالکل پاک ہو، خواجہ ابوبکر کتانی ۳۲۲ھ کا یہ قول باب الکلمات، میں نقل کیا جا چکا ہے کہ زہد وہ ہے جس میں کسی امام کو اختلاف نہ ہو لہذا اسماع اگر مباح بھی ہو تب بھی صوفی کو اس سے بچنا چاہیے کیونکہ اس کے مشتبہ ہونے میں تو شک ہی نہیں اور اس کو کسی بھی امام نے جائز قرار نہیں دیا لہذا صوفی کو اس سے پرہیز لازم ہے رسالہ الی الدرح میں ہے "غنا سے پرہیز رکھو کہ یہ مختلف فیہ ہے، ایک فریق نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور دوسرے نے مباح، حرام کا ترک لازم ہے اور مباح کے ترک سے گناہ نہیں ہوتا لہذا ثواب احتیاط میں ہے۔"

حدیث شریف میں ہے الورع الذی یقف عند الشبھۃ پرہیزگار وہ ہے کہ مشتبہ سے بچے ناجائز امور میں مبتلا ہونے کے خوف سے جائز کو ترک کر دے[1]

روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے ان دونوں کے درمیان شبہ کی چیزیں ہیں جو شخص شبہ کی چیزوں

[1] طبرانی مت ترمذی

سے بچا اس نے اپنے دین اور آبرو کو بچا لیا مگر جو شبہات میں مبتلا ہو گا وہ حرام میں مبتلا ہو کر رہے گا (متفق علیہ)

ناچ

رنڈیوں اور کسبیوں کا رقص بھی عرس کے موقعہ پر مزارات پر ہوتا ہے اگرچہ سابقہ بیانات سے اس کی بھی کافی تردید ہو چکی ہے لیکن چند روایات اس کے متعلق اور لکھی جاتی ہیں۔

(۱) ناچنے والوں پر خدا لعنت کی ہے علہ

(۲) عورت پر نظر کرنے والے پر خدا کی لعنت ہے علہ

(۳) جس نے رنڈی کا گانا سنا اس کے کانوں میں پگھلی ہوئی قلعی قیامت کے دن ڈالی جائے گی علہ

(۴) مرد کو عورت کے اور عورت کو مرد کے گانے کی آواز سننا منع ہے علہ

عذر گناہ بدتر از گناہ

بعض صوفی کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے پیر کو قوالی سنتے دیکھا ہے اس لئے سنتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ہمارے پیر نے ہمیں حکم دیا ہے کہ قوالی سنا کرو۔

قرآن مجید میں چند جگہ ذکر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بت پرستوں سے بت پرستی چھوڑنے کیلئے کہا تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے بڑے بوڑھوں اور باپ دادوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے

پیر کی تقلید میں قوالی کو جائز قرار دینے والوں کی بھی ایسی ہی مثال ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف الفاظ میں فرمایا ہے کہ گناہ کرنے میں کسی کی اطاعت نہیں چاہیئے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ ولی سے خطا بھی سرزد ہوتی ہے نیز خواجہ چراغ دہلوی وغیرہ کے اقوال سے ثابت ہو چکا ہے کہ امر غیر مشروع میں پیر کی تقلید نہ چاہیئے عمل کتاب وسنت پر ہونا چاہیئے۔

سماع کا مناظرہ

میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ حضرت سلطان المشائخ عالم محدث اور اولیائے کبار

علہ بخاری علہ فردوس علہ بیہقی شعب الایمان علہ ابن عساکر علہ فردوس

میں سے تھے اور متبع شریعت تھے انہیں سماع کا شوق تھا مگر ان کا سماع کیا تھا کہ مرد معمر عارفانہ کلام گاتا تھا نہ تالی بجاتا تھا نہ مزامیر ہوتے تھے امرد اور عورت کا گانا اور مزامیر حضرت نے کبھی نہیں سنے۔ لیکن خواجہ حسن نظامی نے ایک کتاب چشتی اولیاء نامہ، المعروف بہ نظامی بنسری شائع کی ہے یہ ایک فارسی کتاب چہل روزہ کا ترجمہ ہے جو سلطان المشائخ کے ایک مرید احمد ایاز کی طرف منسوب ہے۔

اس میں صـ۲۸۳ پر سماع کے متعلق سلطان المشائخ، مفتیٔ اعظم اور شیخ زادہ فرجام کا مناظرہ درج ہے جو سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں ہوا تھا اس مناظرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ زادہ فرجام جو حکومت کی جانب سے مناظر تھا وہ ایسا جاہل تھا کہ اس سے سلطان جی نے سماع کے معنی دریافت کئے تو وہ نہ بتا سکا اور سلطان جی بھی کچھ صاحب علم نہ تھے کیونکہ جو دلائل انہوں نے پیش کئے وہ ایسے ہیں کہ حدیث و فقہ سے ناواقف آدمی ہی انہیں زبان پر لا سکتا ہے۔ مفتیٔ اعظم نے سلطان جی سے بہت اچھا سوال کیا تھا مگر سلطان جی اسے نباہ نہ سکے،

اب ہم دونوں کی گفتگو لکھتے ہیں

مفتی: سلطان جی سے، کیا آپ حنفی ہیں؟

سلطان جی: میں ابو حنیفہ کی تقلید کرتا ہوں اور حنفی ہوں

مفتی: آپ گانا سنتے ہیں؟

سلطان جی: ہاں سنتا ہوں

مفتی: کیا اس میں مزامیر ہوتے ہیں؟

سلطان جی: کبھی ہوتے ہیں کبھی نہیں ہوتے

مفتی: کوئی دلیل آپ کے پاس اس کے جواز کی ہے؟

سلطان جی: بخاری شریف میں حدیث ہے آنحضرت کے سامنے مدینہ کی لڑکیاں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں آنحضرت سنتے رہے عمر وہاں آ گئے انہوں نے لڑکیوں کو گانے سے روکا تو آنحضرت نے فرمایا ان لڑکیوں کو گانے بجانے سے نہ روکو آج ان کی عید کا دن ہے۔

مفتی: تم کو حدیث سے کیا کام تم حنفی ہو ابو حنیفہ کا قول پیش کرو۔

سلطان جی : میں رسول کا قول پیش کر رہا ہوں تم ابو حنیفہ امتی کا قول طلب کرتے ہو ابو حنیفہ کون تھے جن کا قول رسول کے مقابلہ میں پیش کروں

لڑکیوں کے گانے اور سماع میں زمین آسمان کا فرق ہے لڑکوں بچوں کا گانا تو گھر گھر ہوتا ہے سب سنتے ہیں سے سماع سے کیا نسبت ؟ علاوہ ازیں اگر سماع جائز ہوتا تو حضرت عمر نہ روکتے عمر کا حضور کے سامنے روکنا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ گانا جائز نہیں اگر جائز ہوتا تو حضور یہ فرماتے کہ عمر امر جائز کو کیوں منع کرتے ہو؟ اس سے صرف بچوں کے بے قاعدہ طور پر کسی خوشی کے دن گانے کی اجازت ثابت ہوتی ہے کیونکہ بچوں پر بھی احکام میں سختی نہیں ہے اور وہ بعض امور سے مستثنٰے ہیں یعنی عید وغیرہ کے موقع پر وہ گا سکتے ہیں مفتی نے جو امام ابو حنیفہ کا قول طلب کیا تھا وہ ایک اصولی بات تھی اور سلطان جی کا حدیث کو پیش کرنا صحیح نہ تھا اس لئے کہ لڑکیوں کا گانا جیسا کہ ہم نے لکھا ہے قابل سند و لائق تذکرہ نہیں اس کے علاوہ یہ واقعہ ابتدائے عہد رسالت کا ہے۔ ابتدائی عہد میں بعض ناجائز باتیں رائج تھیں، چنانچہ مدینہ میں حضور کے عہد میں شراب بھی پی گئی مگر بعد کو حرام قرار دی گئی اسی لئے مجتہدین نے یہ اصول قرار دیا ہے کہ آخر زمانے کی حدیثوں سے استنباطِ مسائل کیا جائے ائمہ نے احکام و عبادات کے متعلق کوئی حدیث نہیں چھوڑی اور سب کے اصولِ استنباط قرار دیئے اس لئے فقہائ کے قول کی ضرورت ہے بالخصوص اس شخص کے لئے جو کسی امام کا مقلد ہو افسوس ہے کہ سلطان جی کو اس قدر علم بھی نہ تھا کہ اس معمولی اصول سے بھی واقف ہوتے

اس مناظرہ میں سلطان جی نے اپنے آپ کو مقلد اور حنفی بتایا ہے لیکن اسی کتاب کے صفحہ ۲۸۷ پر لکھا ہے کہ سلطان جی امام کے پیچھے مقتدی ہونے کی حالت میں الحمد پڑھتے تھے امام ابو حنیفہ کے یہاں یہ جائز نہیں اس لئے یا تو سلطان جی نے یہ بات صحیح نہیں کی کہ وہ مقلد و حنفی ہیں یا وہ مذہب حنفی کے اس مسئلہ سے واقف نہ تھے بہرحال یہ مناظرہ سلطان جی کی علمیت و معلومات کے متعلق اچھا خیال قائم نہیں ہونے دیتا۔

حسن نظامی صـ۳۰۳ پر لکھتے ہیں کہ سیر الاولیاء اور فواد الفواد میں جو یہ مذکور ہے

کہ سلطان جی سے کسی نے کہا آپ کے فلاں مرید نے مجلسِ سماع منعقد کی اس میں مزامیر تھے تو سلطان جی نے فرمایا میں نے انہیں منع کیا تھا۔ اس واقعہ کو لکھ کر حسن نظامی لکھتے ہیں۔

" اس سے وہابی اور گانے کے منکر سند لیتے ہیں "

آگے لکھتے ہیں کہ سلطان جی کا یہ حکم سیاسی حالات ملکی وجہ سے تھا کیونکہ حکومت مخالف تھی آگے لکھتے ہیں۔

جب تک کسی حکومت نے حضرت کے سماع کے خلاف گانا روکنے کا شاہی حکم جاری نہیں کیا تھا تو اس وقت تک حضرت اپنے بزرگوں کے دستور اور رواج کے موافق گانا سنتے تھے اور اس گانے میں باجے بھی یقیناً ہوتے ہوں گے کیونکہ یہ چیز حضرت کے مرشد حضرت شیخ العالم بابا فرید گنج شکر اور حضرت کے دادا پیر حضرت خواجہ قطب صاحب اور حضرت کے پردادا کے یہاں تھی حضرت خواجہ صاحب اجمیری کے تذکروں سے ثابت ہے کہ وہ سب مزامیر یعنی باجوں کے ساتھ گانا سنتے تھے۔

غالباً درباری مناظرہ کے بعد حضرت نے اپنے مریدوں کو یہ حکم دیا ہو گا کہ وہ مزامیر کے ساتھ گانا نہ سنیں چنانچہ سیر الاولیاء میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہوا ہے وہاں یہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت نے عورتوں اور امردوں کا گانا سننے سے بھی منع فرمایا تھا پس ظاہر ہوا کہ یہ ممانعت ایک وقتی ضرورت اور وقتی مصلحت کے سبب سے تھی "

اس عبارت میں نظامی صاحب نے ہونگے اور ہو گا الفاظ لکھے ہیں مسائل و عقائد کا فیصلہ مشتبہ الفاظ نہیں ہوتا یقین کُلّی پر ہوتا ہے۔ علاوہ بریں سیر الاولیاء کی عبارت سے کہیں یہ مصلحت ظاہر نہیں ہوتی۔

حکومت کے کسی ایسے حکم کا نظامی صاحب نے حوالہ نہیں دیا جس سے ثابت ہو کہ سلطان جی مجلسِ سماع منعقد کریں اس کے علاوہ سلطان جی کا مزامیر کو منع کرنا اگر بربنائے مصلحت ہوتا تو سماع کو منع کرتے کیونکہ جھگڑا تو اسی پر تھا صرف مزامیر پر نہ تھا اس لئے صرف مزامیر سے منع کرنا ثابت کرتا ہے کہ حضرت مزامیر

کو جائز ہی نہ سمجھتے تھے۔ مصلحتِ وقت کا دخل اس لئے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ سلطان جی نے بڑی بہادری سے مقابلہ فرمایا اور اپنے مریدوں کو بھی بہادری پر آمادہ کیا۔

صفحہ ۱۹۵ پر لکھتے ہیں :-

میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اس دنیا کے جفا و فا کو برداشت کرنا اور اپنے بزرگوں کے مسلک پر مضبوطی سے ثابت قدم رہنا۔

ہم کو اپنے بزرگوں کی تقلید کافی ہے جو سب گانا سنتے تھے اور عام مجلس میں باجوں کے ساتھ سنتے تھے قرآن مجید میں کوئی مخالفت گانا سننے کی نہیں ہے۔

ایسی نصیحت اور ایسے بہادرانہ عزم کے مقابلہ میں کون اہل عقل نظامی صاحب کی مصلحتِ وقت کو تسلیم کرے گا۔ سلطان جی نے جو یہ فرمایا کہ قرآن میں گانا سننے کی مخالفت نہیں شاید حضرت (لہو الحدیث) کے معنی و تفسیر سے آگاہ نہ ہوں گے۔

خاندان بہ خاندان کے بزرگوں کو قوالی سے ایسی نفرت تھی کہ ایک روایت میں ہے خواجہ قطب الدین بیناوال ۶۳۳ھ کے مزار کے قریب ایک قوال کے لڑکے کو قاضی شہر نے دفن کرادیا۔

حضرت نے اپنی کرامت کے زور سے اس کی لاش قبر سے نکال کر دور پھینک دی اسی طرح کئی بار اس کو دفن کیا گیا مگر ہر بار اسے آپ نے پھینک دیا پھر قاضی صاحب پر یہ عتاب ہوا کہ وہ معزول ہو گئے وہ اپنی بحالی کی کوشش میں دہلی گئے اور وہاں ایک خانہ جنگی میں مارے گئے۔

شہزادہ احمد اختر چشتی لکھتے ہیں کہ صاحب سیر الاقطاب ذکر کرتے ہیں کہ ہندوستان میں قاضی حمید الدین ناگوری سہروردی ثم چشتی سے سماع کا مدرج ہے اور یہ سند لاتے ہیں کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی سماع سے باز رکھتے تھے ایک روز مریدوں نے عرض کی کہ مخدوم آپ کو اللہ نے ثروت و نصرت عطا کی ہے آپ سماع کیوں نہیں سنتے آپ نے فرمایا ہندوستان میں قاضی حمید الدین ناگوری علم شریعت و طریقت میں شمع ہو گا بنائے سماع اس سے ہو گی اگرچہ سہروردی ہو گا ان کے سلسلہ میں سماع منع ہے مگر وہ بنا کرے گا تا کہ چشتیوں

کی قدر معلوم ہو۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ عثمان سماع سننے سے منع کرتے تھے تو آپ کے مرید خواجہ اجمیری اپنے پیر کے خلاف کیوں کیا ہوگا اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب سے پہلے مشائخ میں سماع نہ تھا لہٰذا خواجہ اجمیری کے سماع سننے کے متعلق جو روایتیں ہیں وہ سب غلط ہیں اور خواجہ نظامی نے جو خواجگان کبار کے متعلق لکھا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ خواجہ اجمیری کے حالات ان کی وفات سے کئی صدیوں کے بعد لکھے گئے ہیں لیکن ان کے کسی قدیم تذکرے میں قوالی کا ذکر نہیں خواجہ بختیار کاکی کا قوالی میں انتقال ہونا بھی غلط ہے کیونکہ ہندوستان میں سماع کا رواج ان کے بعد ہوا اور ان سب کا سماع سننا پیران عظام کے سلسلے اور ارشاد کے خلاف ہے۔

شدید الزام

سماع غذائے روح ہے، سماع سے دل میں عشق الٰہی پیدا ہوتا ہے وہ اس قدر ضروری ہے کہ جب صوفی اس انتہا پر پہنچ جاتا ہے تو نماز روزہ وغیرہ تمام تکالیف شرعیہ سے آزاد ہو جاتا ہے مگر سماع کی عبادت اس کے لئے باقی رہ جاتی ہے سماع محبت الٰہی کی اعلیٰ علامت اور بہترین ذریعہ ہے۔

لیکن جب ہم قرآن مجید کو دیکھتے ہیں جو خدا کی کتاب ہے جس میں خداوند کریم نے اپنے تقرب کے حاصل کرنے کی تمام تدبیریں اور قواعد بتائے ہیں تو اس خاص الخاص عبادت کا جو روحانی ترقی اور تقرب الٰہی حاصل کرنے کا اعلیٰ ذریعہ ہے کچھ ذکر نہیں، اگر یہ ایسی ہی مفید چیز تھی تو اس کا بڑے زور و مد سے صاف صاف الفاظ و عبارت میں ذکر ہونا چاہیئے تھا اور تاکید کے ساتھ اس پر انسان کو متوجہ کرنے کی ضرورت تھی لیکن خداوند کریم نے اس اعلیٰ ہدایت و عبادت کے احکام سے انسان کو محروم رکھا۔ اس کو کیا کہنا چاہیئے۔

رسول کریم نے نماز اور روزہ اور معمولی باتوں کے متعلق مفصل صحابہ کو بتایا اور خدا نے ان کو حکم بھی تھا کہ تم تمام باتوں کو خوب کھول کر بیان کرو اور جیسی طرح بتاؤ مگر اس غذائے روح کے متعلق ایک دفعہ بھی ہدایت نہ فرمائی اور اس کی تعلیم

کو بجز ۵ خفا ہیں چھوڑا اس کو کیا کہنا چاہیے۔

معلوم نہیں کہ صحابہ کی کیا فطرت تھی اور ان کو اس غذائے روح سے کیوں عداوت تھی کہ معمولی معمولی باتوں کے لئے تو دس دس بیس بیس حدیثیں سنا گئے اور ان پر عمل کر گئے مگر اس تعلیم لطیف کے متعلق سکوت بھی نہ کیا اور الٹی مذمت کر گئے یہی ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ اور دیگر بزرگان خیر القرون نے کیا۔ اس کو کیا کہنا چاہیئے۔

ائمہ مجتہدین نے ہر قسم کی حدیثیں لیں، بال کی کھال نکالی اور رسول و تابعین و تبع تابعین کے کسی ادنیٰ قول و فعل کو بھی نہ چھوڑا مگر اس معراج ترقی کے زینہ کو توڑ گئے امت مرحومہ پر روحانی ترقی کا راستہ مسدود کر گئے، اس کو کیا کہنا چاہیئے۔

خواجہ فضیل بن عیاض سر حلقہ چشتیہ، خواجہ جنید بغدادی جو تمام سلاسل طریقت کے سر حلقہ ہیں اور بڑے بڑے اولیائے کرام کو کیا ہو گیا تھا جو اس امر خیر کی مذمت کر گئے اور لوگوں کو اس سے روک گئے۔ اس کو کیا کہنا چاہیئے

غور کرو اور سوچو کہ اس کو عبادت اور جائز قرار دینے میں کس کس پر الزامات عائد ہوتے ہیں اس سے تو اسلام کی تمام عمارت درہم برہم ہو جاتی ہے۔

سماع قبض کی دلیل ہے

سماع کے متعلق اکثر نے لکھا ہے کہ بعض اوقات بزرگوں کو قبض ہو جاتا ہے تو سماع سے انشراح ہو جاتا ہے اور بسط کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔

قبض اسی شخص کو زیادہ ہوتا ہے جس میں نقص زیادہ ہوتا ہے کاملین کو اس سے شاذ و نادر ہی سابقہ ہوتا ہے۔

ایک بہانہ

بعض صوفی کہتے ہیں کہ امرد اور عورت کو دیکھنا اور ان کا ناچ گانا سننا جائز ہے لیکن چونکہ ہم اس سے رجوع الی اللہ کا قصد رکھتے ہیں اس لئے اس میں کچھ حرج نہیں، یہ بہانہ بے علم ہی کر سکتا ہے اہل علم ایسی بات کو زبان پر نہیں لا سکتا، کیونکہ رسول کریم نے فرمایا ہے:

"جس کسی معصیت کے ذریعہ سے کسی امر خیر کا قصد کیا گیا تو اس کی توقع دور تر اور اس کا اندیشہ نزدیک تر ہے۔" (حلیہ عن انس)

وجد و حال

آج کل وجد و حال کی کیفیت یہ ہے کہ قوالی کی مجلس منعقد ہوتی ہے، جس میں گانے والے باقاعدہ موسیقی آواز ملا کر غزلیں گاتے ہیں جن میں اکثر شراب و کباب، حسن و عشق، پیر مغاں اور مغ بچہ کا ذکر ہوتا ہے گانے والوں میں امرد بھی ہوتے ہیں اور عورتیں بھی تالیاں بجاتے ہیں، مزامیر طبلہ، ڈھولک، سارنگی اور ہارمونیم وغیرہ ہوتے ہیں۔

سننے والے نعرے لگاتے ہیں، لوٹتے ہیں، روتے ہیں اور ناچتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ یہی صورت صوفیائے متقدمین کی تھی لیکن صوفیائے کرام میں مستند اقوال سے اس کا رواج ثابت نہیں ہوتا بلکہ انہوں نے اس کی مذمت کی ہے جن کتابوں اور روایتوں سے ان امور کے متعلق کچھ گنجائش پیدا ہوتی ہے ان کا حال ہم بیان کر چکے ہیں ان میں سے ایک بھی قابل توجہ نہیں اور ان میں ذرہ بھر بھی صحت کا شائبہ نہیں، ایک صحیح حدیث ہے جس سے وجد و حال پر استدلال کیا جاتا ہے لیکن حدیث کے بیان اور وجد و حال میں زمین و آسمان کا فرق ہے حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول کریم نے ارشاد فرمایا کہ کچھ قرآن سناؤ میں نے عرض کیا کہ آپ پر تو نازل ہوا ہے میں آپ کو کیا سناؤں، آپ نے فرمایا میں اس کے سننے کو دوست رکھتا ہوں میں نے قرآن پڑھا تو آپ کی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔

اس حدیث میں صرف سماع قرآن کا ذکر ہے کہ آپ کی آنکھیں پرنم ہو گئیں اور قرآن مجید سے بھی اسی قدر کیفیت کا ثبوت ملتا ہے

"جب سنتے ہیں جو کچھ رسول پر اترا ہے تو دیکھئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے [illegible] لکل پیر [illegible]

لہذا غزلوں، لوٹنے پیٹنے، چیخنے چلانے، اچھلنے کودنے، ناچنے اور مٹکنے کا کہیں ذکر اور پتہ نہیں، سماع کلام الٰہی اور اس سے اس قدر متاثر ہونے کو کوئی منع

ماہ سورہ مائدہ پارہ ہفتم

نہیں کرتا بلکہ یہ امر مستحسن ہے سماع کے بیان میں یہ بات لکھ چکے ہیں اس سے زیادہ کیفیت نہ صحابہ میں ہوتی نہ تابعین و تبع تابعین میں ہوتی۔

حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ جب سلف (صحابہ) میں قرآن پڑھا جاتا تھا تو نہ کوئی بے ہوش ہوتا نہ چیختا بلکہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر صحابی نے ایک عراقی کو دیکھا کہ وہ گرتا پڑتا اور روتا ہے آپ نے دریافت فرمایا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ جب قرآن یا ذکر خدا سنتا ہے تو گرتا پڑتا اور روتا ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ ہم قرآن پڑھتے اور سنتے ہیں ہم اللہ سے ڈرتے ہیں مگر گر نہیں پڑتے نہیں شیطان اس کے پیٹ میں گھس پیدا کرتا ہے[1]

امام حسن بصری امام سلسلۂ چشتیہ کا ایک مرید جب قرآن سنتا زمین پر گر پڑتا حضرت نے فرمایا یہ جو تو کرتا ہے اگر بلا قدرت ہے کہ ایسا نہ کر سکے تو تو جہنمی ہے اور اگر تجھ سے یہ نہیں ہو سکتا تو تو نے ہم کو دس منزل پیچھے چھوڑ دیا پھر فرمایا الصعقۃ من الشیطان " یعنی چیخ پکار کر نا پڑنا شیطان سے ہے[2]

امام عبدالوہاب شعرانی نے صوفیوں کی علامات میں لکھا ہے کہ وہ حرکات ظاہرہ جیسے خشوع و خضوع، نماز میں کاندھے کندھوں کو ہلانے اور سر نگوں ہونے وغیرہ سے پرہیز کرتے ہیں اور اندرونی حالت کو چھپاتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی جو تمام سلاسل طریقت کے سرحلقہ ہیں ان کے متعلق سفینۃ الاولیا میں لکھا ہے:

" حضرت شیخ سماع و وجد ہرگز نکردی و موحد زد ظاہر و باطن بشرع شریف آراستہ بودند نقل است کہ روزے سخن میگفتند مریدے نعرہ زد او را ازاں منع کردند و فرمودند اگر باد یگر نعرہ زنی ترا مہجور گردانم "

حضرت حافظ عبدالرحمٰن صاحب پنجابی مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک شخص نے نعرہ مارا اور گر پڑا راقم سطور اس وقت حاضر تھا حضرت کو بہت ناگوار ہوا اور ان سے فرمایا کہ براہ کرم میرے یہاں یہ حرکت نہ کیجئے۔

اس قسم کی حرکات کا سراغ گمراہ فرقوں میں ملتا ہے حضرت مجدد الف ثانی

[1] عوارف المعارف صفحہ ۱۶۳ [2] تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۲۲ انوار القدسیہ صفحہ ۶۱

فرماتے ہیں[1]

"حلولیہ فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا اجسام میں حلول کر جاتا ہے اسی لیے یہ لوگ خوبصورتوں کا دیکھنا جائز کیا عین عبادت سمجھتے ہیں اور کسی بھی آواز پر خواہ مخواہ وجد کرنے لگتے ہیں۔"

شیخ ابن جوزی محدث نے فرقہ جبریہ کے متعلق لکھا ہے[2]

"یہ لوگ پست ہمت اور گمراہ ہیں۔ زاہد عابد بنتے ہیں عشق ظاہر کرتے ہیں لڑکوں اور غیر عورتوں کا گانا سنتے ہیں، وجد کرتے ہیں بعض بے ہوش ہو جاتے ہیں اور بعض مر بھی جاتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ عشق الٰہی کا نتیجہ ہے"

حضرت خواجہ جنید بغدادی، خواجہ ذوالنون مصری، خواجہ سہیل تستری اور دیگر بزرگان مقدس کے حالات سے واضح ہوتا ہے کہ باوضو بحالت ذکر الٰہی ان کی طاہر روح نے قفس عنصری کو چھوڑ دیا لیکن ان بزرگان سے کسی ولی کی موت سماع میں واقع نہیں ہوئی اور حق یہ ہے کہ خاتمہ تو خدا ہی کے ذکر و نام پر بہتر ہے خواہ کوئی ہو۔ بزرگان سلسلہ چشتیہ میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خلیفہ حضرت خواجہ اجمیری کے متعلق مشہور ہے کہ بحالت سماع وفات پائی لیکن یہ روایت بھی اور روایات کے مانند خانہ ساز ہے اس کو مختلف تذکرہ نویسوں نے اس قدر اختلافات کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جس پر کوئی دانش مند یقین نہیں کر سکتا، حضرت کے واقعہ وفات کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔

"ایک دن شیخ علی سجزی کی خانقاہ میں، جو حضرت خواجہ کے مخصوص مخلصین میں تھے محفل سماع منعقد ہوئی، حضرت خواجہ بھی تشریف لے گئے، قوال نے جس وقت حضرت احمد جام کا یہ شعر پڑھا۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر است

تو حضرت خواجہ نے اس شعر کو اپنی زبان مبارک سے تکرار کی اور بے ہوش ہو گئے، لوگوں نے بے ہوشی کی حالت میں نزع محسوس کی، تو آپ کو خانقاہ میں سے آئے یہاں آکر پھر قوالی شروع ہوئی اور کامل چار روز اسی شعر کی تکرار رہی، نماز کے وقت آپ کو ہوش آجاتا تھا اور نماز سے فارغ ہوتے ہی سب کے محو دہی طاری

[1] مکتوبات جلد سوم صفحہ ۱۸۰ [2] تلبیس ابلیس صفحہ ۲۵۰

ہو جاتی تھی، تعجب یہ کہ جب پہلا مصرعہ پڑھا جاتا تو آپ بالکل بے حس و حرکت ہو جاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا گویا بے جان ہیں مگر دوسرا مصرعہ پڑھتے ہی آپ جنبش کرنے لگتے آخر لوگوں کی رائے سے دوسرے مصرعہ کو بند کر دیا گیا اور پہلے مصرعہ کے خنجر تسلیم نے دو چار ضرب میں آپ کا کام تمام کر دیا[1]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خانقاہ والوں کا یہ مقصد تھا کہ خواجہ کی موت واقع ہو جائے اور انہوں نے دانستہ یہ خون کیا ورنہ دوسرا شعر بھی پڑھواتے۔ اس کو کون عقلمند قبول کرے گا کہ ایک ولی کامل کے مرید اپنے مرشد کا اس طرح خون کریں۔

انوار العارفین میں شیخ علی سجزی کی خانقاہ کی محفل لکھا ہے مگر خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ در خانقاہ والا صاحب خواجہ محفل سماع گرم بود، تذکرہ میں لکھا ہے کہ لوگوں کی رائے سے دوسرے مصرعہ کی تکرار روک دی گئی جو باعث دفات ہوئی۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے "قوالاں را از خواندن مصرعہ ثانی باشارت منع فرمود[2]"

اس صورت میں خودکشی کا الزام عائد ہوتا ہے، صاحب انوار العارفین نے نہ لوگوں کے روکنے کا ذکر کیا ہے نہ خود ارشاد سے منع کرنے کی بابت کچھ لکھا ہے صرف اس قدر لکھا ہے کہ چہار شب و روز در حجرہ بود بریں بیت ذوق داشت پنجم رحلت کرد[3]

علاوہ بریں سماع میں مر جانا کوئی کمال نہیں دنیا میں ایسے واقعات بہت سے ہوئے ہیں کہ ناجائز لذت کی حالت میں فرط لذت سے روح پرواز کر گئی۔ اور جب کہ گمراہ فرقے والے بھی جن کا بیان ہو چکا ایسی موت مرے ہیں تو ایک ولی کی ایسی موت میں کیا عزت افزائی ہوئی؟

امام ابن عبد السلام اپنی کتاب قواعد میں لکھتے ہیں کہ آج کل کودنا تالیاں بجانا، ہلکا پن اور بے ہودگی ہے اس قسم کی حرکتوں کو بے ہودہ شخص یا ریاکار جاہل کے سوا کوئی نہیں کر سکتا ان حرکات کے مرتکب کی جہالت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ شریعت نے ان کی اجازت نہیں دی نہ قرآن میں اس کا ذکر ہے نہ حدیث میں ہے نہ انبیاء اور ان کے متبعین نے ایسا کیا اس کے مرتکب

[1] تذکرہ خواجہ قطب الدین صفحہ ۲۳ [2] صفحہ ۲۶۷ [3] صفحہ ۲۷

وہی نادان اور بے وقوف لوگ ہیں جن پر احکام شرعیہ کی حقیقت اس لیے واضح نہیں ہوتی کہ ان پر شیطانی وساوس مسلط ہو گئے ہیں۔

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں دمشق میں تھا میں نے خواب میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے میں نے شعر پڑھا اور اپنے سینے پر انگلیاں ماریں تو حضور نے فرمایا اس میں فائدے سے زیادہ نقصان ہے (کیمیائے سعادت)

لطیفہ میں شہر سجادرہ میں مقیم تھا وہاں ایک بازار میں ایک طرف شکستہ سی دکانیں ہیں جن میں غریب خوردہ فروش دکاندار بیٹھتے ہیں ان کے اوپر بالا خانہ ہے ان میں کسبیاں رہتی ہیں دوسری طرف عمدہ اور شائستہ دکانیں ہیں اسی لائن میں حلوائیوں کی دکانیں ہیں ایک دن ایک صاحب میرے پاس آئے اور اپنے مرشد کے متعلق کہنے لگے کہ حضرت بازار میں تشریف لا رہے تھے جب کسبیوں کے بالا خانے کے بالمقابل پہونچے تو اوپر سے گانے کی آواز آئی حضرت پر وجد طاری ہو گیا اور نعرہ مار کر سڑک پر گر پڑے یہاں تک کہ لوٹتے لوٹتے نالی میں جا پڑے سخت چوٹ آئی مگر ان کو کچھ خبر نہ ہوئی،

میں نے کہا بھائی اگر حضرت کا وجد و حال خدا کے لئے ہوتا اور مقبول ہوتا تو تمہارا نالی میں نہ گرتے بلکہ حلوائی کے کڑھاؤ میں گرتے تاکہ ان خدا کا مومنہ اللہ ذمت میں نہیں رکھا جاتا یہ سن کر ان کو غیض آ گیا اور مجھے صلواتیں سنانے لگے

نور اللہ محمدی نوری صہارنپوری لکھتے ہیں۔

"نام نہاد صوفیہ کا طبقہ خدا کے عشق کے زبانی دعوے میں مصروف تھا قوالی کی مجلس میں لوٹنا، حال میں آنا ان کے نزدیک خدا کے عشق کے رشتے کے ثبوت تھے

دمن آیات قرآنی احادیث صحیحہ صحابی اور اقوالِ اولیائے کرام سے قوالی مروجہ کی حرمت ثابت ہے

بزرگوں کا سماع دو طرح پر تا بعث ہے ایک تو سماع کلام اللہ سرزد ہے اس کیفیت کا اظہار اسی قدر ہے کہ گریہ سے خفیف طاری ہو یہ سماع مسنون ہے بعض اولیائے کرام نے اشعار بھی سننے میں ان کی نوعیت یہ تھی کہ کوئی مرد بالغ خوش

الحان، البتہ تالی بجاتے اور مزامیر کے حمد و نعت وغیرہ کے اشعار پڑھتا تھا۔ عورت امرد، مزامیر وغیرہ نہ ہوتے تھے نہ کوئی چلاتا تھا نہ لوٹتا تھا نہ کودتا تھا نہ ناچتا تھا یہ جو ہے اسی کے متعلق خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا "نہ این کار می کنم نہ انکار می کنم" یعنی ایسی کار تو اس لئے نہ کرتے تھے کہ حضرت پابند سنت تھے اور یہ امر سنت نہیں، انکار اس لئے نہ کرتے تھے کہ مباح ہے۔"

الباب الثامن فی التشتات

آثار

سالک راہ کو بزمانہ ریاضت و مجاہدات کچھ آثار پیش آتے ہیں بعض ان سے دھوکا کھا کر غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار   کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار

طالب کو چاہیئے کہ ذکر و عبادت سے رضائے الٰہی مقصود رکھے، انوار و تجلیات کا شائق نہ ہو اور ان کی طرف توجہ نہ کرے۔

انوار دو قسم کے ہوتے ہیں ایک محمود دوسرے مذموم جن انوار و تجلیات سے ذوق و شوق و عجز و زاری پیدا ہوں وہ محمود ہیں اور جن سے عجب و دل برداشتگی اور وحشت پیدا ہو وہ مذموم ہیں اور شیطانی ہیں لاحول پڑھے۔ باقی تمام انوار محمود ہیں۔ جو نور بائیں شانے کے متصل ہو خواہ کسی رنگ کا ہو شیطانی ہے اگر بائیں طرف یا پیچھے سے کوئی آواز ہو وہ بھی شیطانی ہے۔ اگر نور بلا جہت ہے وحشت پیدا کرتا ہے اور بعد زوال حضوریت باطن نہیں رہتی تو وہ بھی نور شیطان ہے، اگر نور سینہ یا ناف کے اوپر سے ظاہر ہو اور رنگ آگ یا دھوئیں کا سا ہو تو نور خناس ہے اعوذ پڑھے۔

اگر نور داہنے شانے کے متصل ہے تو نور ملائکہ ہے۔ اگر داہنے شانے کی طرف جسم کے قریب ہے تو نور مرشد ہے اگر آگے ہے نور محمدی ہے، اگر نور بلا جہت ہے اور بعد زوال نور لذت و حضوری ہوتی ہے تو نور مطلوب ہے

وارزقنا اللہ۔

سایۂ بر دل ریش افگن اے گنج مراد   کہ من این خانہ بسودائے تو ویران کردم

آیاتِ تصوف

قرآن مجید کی بعض آیات سے صوفیوں نے مسئلۂ وحدۃ الوجود کو ثابت کرنے کی اس طرح کوشش کی ہے کہ جس میں صاف صاف عینیت و اتحاد و حلول کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس امر سے کوئی صاحبِ عقلِ سلیم انکار نہیں کر سکتا کہ ہر مذہب کا بہتر اور صحیح زمانہ وہی ہوتا ہے جو صاحبِ مذہب کا بہتر زمانہ ہو یا اس سے قریب تر ہو اور جس قدر صاحبِ مذہب سے دوری ہوتی چلی جائے گی اسی قدر اس کے منشا کے خلاف باتیں داخل ہوتی چلی جائیں گی ہمارے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے چنانچہ فرمایا بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد کا پھر اس کے بعد کا، پھر جھوٹ پھیل جائے گا، مسلمان ان تینوں زمانوں کے بزرگوں کے اقوال و افعال کو سند گردانتے ہیں ان تینوں زمانوں کے بعد جو باتیں دین میں داخل ہوئیں اس کو بدعت کہتے ہیں جس کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ تمام بدعتیں گمراہی ہیں اور تمام گمراہیاں دوزخ میں جائیں گی۔ پس آیاتِ قرآنی کے وہی معنی و مطلب اور تفسیر صحیح ہو سکتی ہے جو یا تو ایک آیت کی کوئی دوسری آیت تفسیر کرے یا کوئی حدیث صحیح اس کے معنی ظاہر کرے یا ائمہ قرونِ ثلاثہ نے اس کی تفسیر کی ہو۔ ان تمام آیات پر مفصل بحث کرنا تو اس مختصر میں ممکن نہیں ہیں بعض خاص خاص آیات کے متعلق لکھتا ہوں۔

(۱) ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ یعنی ہم اس سے رگِ گلو سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ [۱] مراد شہ رگ ہے جو گردن میں ہے جس کے کٹنے سے انسان مر جاتا ہے۔

ائمہ متقدمین نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ ہم انسان کی روح اور نفس سے بھی نزدیک ہیں یعنی جتنا علم انسان کو اپنے احوال کا ہے ہمیں اس کا علم اس سے زیادہ ہے ہم اس کے ہر قول و فعل اور وساوس و خطرات سے آگاہ ہیں گویا یہ قربت باعتبارِ علم ہے۔

صوفی اس سے ایسا مطلب نکالتے ہیں جو اتحاد و حلول کے قریب ہے اگرچہ زبان سے اتحاد و حلول کا نام نہیں لیتے۔ مگر مفہوم وہی ہو جاتا ہے اس قسم کے

[۱] پ ۲۶ سورہ ق رکوع دوم

معنی و مطلب کسی مستند عالم یا کسی امام کے قول سے ثابت نہیں ہوتے

(۱) ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئ علیم عـه

وہی ہے سب سے پہلا اسب سے پچھلا، باہر، اندر اور وہ سب کو جانتا ہے۔

الاول: وہ سب سے اول ہے اس سے پہلے کوئی نہیں کیونکہ وہ ہر شی کا موجد ہے یعنی ازلی ہے۔

الآخر: سب سے بعد بھی رہی رہے گا یعنی ابدی ہے۔

الظاہر: وہ سب پر غالب اور بلند ہے سب سے برتر ہے تجلیات موجودات کے پردوں میں ایسا ظاہر کہ اس قدر کوئی چیز ظاہر نہیں جب مصنوع اپنی خوبیوں کا جلوہ دکھاتا ہے تو اس سے پہلے صانع کی عظمت اور اس کا وجود جلوہ گر ہوتا ہے لہذا وہ ظاہر ہے۔ اس سے زیادہ زبردست کوئی نہیں

الباطن: مخفی بھی ایسا ہے کہ کسی کو اس کی آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ اس کی حقیقت ذاتیہ اور اک ابصار و عقول سے محجوب ہے

امام مسلم اور امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں ان چاروں لفظوں کے یہی معنی بیان کئے گئے ہیں

صوفیا جو معانی و مطالب پہناتے ہیں وہ غیر معتبر، قیاسی اور اختراعی ہیں حدیث میں ہے وانت الظاھر فلیس فوقک شیئ وانت الباطن فلیس دونک شیئ یعنی تجھ سے برتر بھی کوئی نہیں اور تجھ سے زیادہ پوشیدہ بھی کچھ نہیں۔

(۲) وللہ ما فی السموات وما فی الارض وکان اللہ بکل شیئ محیطا عـه

اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور سب چیزیں اللہ ہی کے قابو میں ہیں۔

(۳) وان اللہ قد احاط بکل شیئ علما عـه

اللہ کے علم میں ہے سمائی ہر چیز کی۔

ان آیات سے صوفی احاطت ذات کا مطلب نکالتے ہیں، صوفیا کا مطلب قدما اور ائمہ کے خلاف ہے اور صوفیائے کرام کے بھی خلاف ہے، مولینا روم فرماتے ہیں:

عـه پ۲۷ سورہ حدید رکوع پہلا عـه پ۵ سورہ نساء عـه پ۲۸ سورہ طلاق

تو محیطی بر ہمہ اندر صفات   منزہ ہمہ پاکی و مستغنی بذات

(۵) ان الله بکل شیٔ محیط۔ اللہ تمام چیزوں پر محیط ہے اس آیت سے وحدۃ الوجود کو ثابت کیا جاتا ہے لیکن شاہ عبد العزیز نے لکھا ہے کہ اس سے اللہ اور اشیاء کی غیریت ثابت ہوتی ہے کیونکہ محیط اس چیز کا غیر ہوتا ہے جس کا احاطہ کیا جاتا ہے۔

(۶) الله نور السموات والارض مثل نوره کمشکوٰة فیها مصباح المصباح فی زجاجة، الزجاجة کانها کوکب دری یوقد من شجرة مبارکة زیتونة لا شرقیة ولا غربیة یکاد زیتها یضیٔ ولو لم تمسسه نار نور علی نور یهدی الله لنوره من یشاء ویضرب الله الامثال للناس والله بکل شیٔ علیم[1]۔ اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی اس کی روشنی کی مثال جیسے ایک طاق کہ اس میں ہو ایک چراغ وہ چراغ دھرا ہو ایک شیشہ میں وہ شیشہ ہے جیسے ایک تارہ چمکتا ہوا اس میں برکت والے زیتون کے درخت کا تیل جلتا ہے نہ شرق کی طرف ہے نہ غرب کی طرف، قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اس کو آگ بھی نہ چھوئی ہو روشنی پر روشنی ہے اللہ راہ دکھاتا ہے اپنی روشنی کی طرف جس کو چاہے اللہ بیان کرتا ہے لوگوں کے واسطے مثالیں اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

صوفیوں کی تمام بحثیں اور تاویلیں الله نور السموات والارض سے متعلق ہیں ان کے بیانات سے اتحاد و عینیت ثابت ہوتی ہے یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے عین خدا کے نور سے ہے اور سب اسی کا نور ہے۔

لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جو صحابہ میں سب سے بڑے مفسر قرآن تسلیم کئے گئے ہیں وہ نور السموات والارض کی تفسیر ہادی اہل السموات والارض فرماتے ہیں یعنی اہل آسمان و زمین کا ہدایت دینے والا اور بعض بزرگوں نے نور السموات والارض کی تفسیر منور السموات والارض کی ہے یعنی آسمانوں اور زمینوں کو روشن کرنے والا۔

(۷) فلما اتاها نودی من شاطئ الوادی الایمن فی البقعة المبارکة من الشجرة ان یموسیٰ انی انا الله رب العالمین[2]

آواز آئی میدان کے داہنے کنارے سے برکت والی زمین میں درخت سے اے موسیٰ! میں ہوں اللہ جہان کا رب۔

[1] پ۱۸ سورہ نور [2] سورہ قصص پ۲۰

جب حضرت موسیٰ اپنی زوجہ کے ہمراہ مدین سے مصر کی طرف چلے تو رات کے وقت راستہ بھول گئے سردی زیادہ تھی تاپنے کے لئے آگ کی ضرورت ہوئی دور ایک درخت پر آگ نظر آئی یہ آگ لینے کے لئے گئے دیکھا تو ایک درخت پر روشنی ہے۔ آواز آئی اے موسیٰ میں اللہ ہوں یہاں بھی صوفی وہی باتیں کرتے ہیں جن کا نتیجہ ثنویت ہے لیکن وہ تجلی، خداوند ذوالجلال نہ تھی کیونکہ حضرت موسیٰ صحابی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ پاک کے حجابوں میں سے ایک حجاب نار ہے پس اس کی تجلی تھی، آواز کہاں سے آئی، درخت یا روشنی میں سے نہیں آئی بلکہ من جانب اللہ آئی، موسیٰ علیہ السلام کو ایسا معلوم ہوا کہ درخت اور روشنی کے اندر سے آواز آرہی ہے اس سورۃ میں حضرت موسیٰ کے علم مشاہدہ کا بیان کیا گیا ہے جب کہ سورۃ کہف میں ذوالقرنین کے مشاہدے کا بیان کیا گیا ہے کہ ان کو ایک دلدل میں سورج ڈوبتا ہوا نظر آیا۔ علاوہ ازیں مِنَ الشَّجَرَةِ کی تفسیر میں مِن جَانِبِ الشَّجَرِ منقول ہے یعنی درخت کی طرف سے ایسا ہی امام احمد کی اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے جس کو حضرت وہب سے نقل کیا گیا ہے کہ موسیٰ نے جب یا موسیٰ سنا تو کئی بار لبیک کہا اور کہا میں تیری آواز سنتا ہوں آہٹ پاتا ہوں مگر یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے آواز آئی میں تیرے اوپر ہوں تیرے ساتھ ہوں تیرے سامنے ہوں تیرے پیچھے ہوں اور تیری جان سے زیادہ تجھ سے قریب ہوں امام سیوطی نے اِنِّيْ اَنَا اللّٰهُ کے متعلق لکھا ہے اس ندا کی کیفیت وحقیقت نہ کہیں منصوص ہے نہ قیاس وادراک سے معلوم کی جاسکتی ہے اس لئے تعیین بالتخمین رجم بالغیب ہے البتہ یہ امر یقینی ہے کہ موسیٰ کو یقین کے ساتھ یہ امر معلوم ہو گیا کہ ندا منجانب اللہ ہے خواہ یہ یقین علم ضروری سے حاصل ہوا ہو یا کسی علم استدلالی سے۔

(۶) فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ[۲]

سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ۔

صوفیوں نے اس آیت سے بھی وہی نتیجہ نکالا ہے جس کو ہمہ اوست کہا جاتا ہے، حالانکہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ کسی سفر میں سمت قبلہ مشتبہ ہو گئی تھی اس پر اطمینان دلانے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی تھی جس سے ائمہ نے یہی ظاہری

[۱] درِ منثور سورۂ قصص [۲] سورہ بقر رکوع ۱۳

مطلب نے کہ بعض مسائل کا استنباط کیا ہے

اگر آدمی کسی ایسی سواری پر سوار ہو جہاں ٹھہر کر صحیح سمت قبلہ پر نماز نہ پڑھ سکے یا سمت قبلہ مشتبہ ہو یا ایسا مریض ہو کہ سمت صحیح پر متوجہ نہ ہو سکتا ہو تو اس کو اجازت ہے کہ جس طرح اس کو سہولت ہو اور اس کا دل خود سے گواہی دے اسی سمت کو نماز ادا کر لے ائمہ اور قدماء میں سے سب نے یہی مطلب لیا ہے

احادیث تصوف

تصوف کے صحیح اعمال و اشغال و اذکار وغیرہ کی اصل جن صحیح حدیثوں میں ہے ان کو مولانا اشرف علی تھانوی چشتی مرحوم نے التشرف فی احادیث التصوف میں جمع کر دیا ہے یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔

باقی صوفیوں میں ایسی حدیثیں رائج ہیں جو موضوع اور بے اصل ہیں بعض کو لکھتا ہوں۔

(۱) من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہ۔ امام ابن تیمیہ نے اس کو موضوع کہا ہے اور امام سمعانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے

(۲) موتوا قبل ان تموتوا: امام عسقلانی نے اس کو بے اصل قرار دیا ہے یہ کسی بزرگ کا قول ہے۔

(۳) الفقر فخری: امام عسقلانی نے اس کو باطل قرار دیا ہے۔

(۴) کنت کنزاً: امام عسقلانیؒ نے اس کو مجہول کہا ہے۔

(۵) انا من نور اللہ: یہ روایت سند کے اعتبار سے ساقط الاعتبار ہے بعض محدثین نے اس کو کذب مختلق، اور بعض نے موضوع کہا ہے۔

(۶) حدیث ابی محذورہ۔ یعنی ابو محذورہ نے ایک مصرعہ پڑھا اس کو سن کر رسول کریم کو وجد آ گیا اس کے متعلق امام سیوطی نے اپنی کتاب الدرر المنتشرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ میں لکھا ہے کہ حضرت ابن سلمہ نے اس کو کذب کہا ہے۔

(۷) العلم حجاب اکبر: نہ حدیث ہے نہ کسی صحابی کا قول ہے البتہ ابن عربی کی طرف منسوب ہے۔

(۸) لولاک لما خلقت الافلاک: اس حدیث کے متعلق شاہ عبد العزیز

صاحب نے فتاویٰ عزیزیہ میں لکھا ہے "در ہیچ کتاب نظر نیامدہ"

(۹) اول ما خلق اللہ نوری: یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں ہے نہ ائمہ مسند کی شرائط پر ہے مگر بعض علماء نے اس کو تسلیم کیا ہے

(۱۰) اکثر اھل الجنۃ البلہ: ابن عدی نے اس کو منکر کہا ہے

(۱۱) من اراد ان یجلس مع اللہ فلیجلس مع اھل التصوف: یہ حدیث نہیں ہے کسی صوفی کا قول ہے۔

(۱۲) من سمع صوت اھل التصوف فلم یومن علیٰ دعائھم کتب عند اللہ من الغافلین: صحیح حدیثوں میں اس کا کچھ پتہ نہیں

(۱۳) ایک روایت میں حضرت علی کی طرف منسوب ہے کہ قرآن ایک حجاب ہے اور رسول ایک حجاب ہے اصل چیز صرف بندہ اور خدا ہے اسی لئے صوفی لوگ اعلم الحجاب الاکبر کہتے ہیں یہ روایت بالکل بے اصل ہے

(۱۴) حضرت ابو ہریرہ نے بیان کیا ہے کہ مجھے وہ باتیں معلوم ہیں کہ اگر میں ان کو ظاہر کر دوں تو لوگ مجھے قتل کر دیں، یہ حدیث نہیں ہے صحابی کا قول ہے صوفیوں کو یہاں مقصود والاخواب نظر آیا کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کا مقصد وحدۃ الوجود تھا لیکن قدمارے محدثین جو اس فن کے امام ہیں ان کے مقابلہ پر حدیث ذاقوال صحابہ کے متعلق کسی کا قول مقبول نہیں ہو سکتا وہ لوگ اس قول کی شرح میں فرماگئے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کی اس سے مراد خلفائے بنی امیہ کے متعلق پیشین گوئیاں ان کے حالات اور ان کا انجام ہے

(۱۵) عبد الرزاق نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے ایک حدیث روایت کی ہے یہ حدیث بہت طویل ہے اس کا مختصر ترجمہ یہ ہے۔

"حضرت جابر نے کہا میں نے رسول کریم سے سوال کیا کہ خدا نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا آپ نے فرمایا پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا پھر جب اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے ان سے مختلف اشیاء و مخلوقات کو پیدا کیا"

اس حدیث پر بھی ہمہ اوستہ کی بنیاد رکھی جاتی ہے علمائے کرام نے

اس حدیث کے یہ معنی کئے ہیں کہ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ نورِ الٰہی نورِ محمدی کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے اللہ پاک نے نورِ محمدی کو پیدا کیا اور نورِ محمدی سے روحِ محمدی عبارت ہے۔

پھر حقیقتِ روح سے ایک مادہ بنایا، اس کے چار حصے کئے۔ اس مادہ سے کسی چیز کا بننا اس طرح ممکن ہو کہ وہ مادہ اس کا جزو نہ ہو بلکہ کسی طریق سے محض اس کا سبب خارج عن الذات ہو۔

یہ سب اس خالق کی قدرت ہے جس نے تمام عالم کو نیست سے ہست کیا، جیسے ذہین نارسا تو اس خیال سے کہ نورِ محمدی نورِ الٰہی کا جزء تھا اور نورِ محمدی تمام مخلوقات کا جزو تھا یہ خلجان ہوتا ہے کہ مخلوق میں بُری اشیاء بھی ہیں اور انسانوں میں کثرت کفار و مشرکین کی ہے جو یقیناً معہ جہنم ہوں گے اس لئے بڑی توہین ہے نورِ الٰہی اور نورِ محمدی کی کہ اس کو اشیائے عالم کا جزو خیال کیا جائے (نعوذ باللہ۔ توبہ توبہ) اس کے علاوہ یہ حدیث شرائطِ شیخین پر بھی نہیں اترتی کہ اس کو بغیر چون و چرا کے تسلیم کر لیا جاتے۔ امام بیہقی نے کتاب المدخل میں ابن مہدی محدث کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہم محدثین احکام کی حدیثوں کی سختی سے جانچ کرتے ہیں باقی فضائل و ثواب و عقاب کی حدیثوں میں سہل انگاری کرتے ہیں یہ حدیث فضائل کی حدیثوں میں سے ہے اور ائمہ ستہ میں سے کسی کے شرائط پر نہیں ہے۔

(۲۷) الولایۃ افضل من النبوۃ۔ یعنی ولایت نبوت سے افضل ہے، یہ حدیث نہیں ہے کسی کا قول ہے، تحقیق نہیں ہو سکا کہ کس کا قول ہے، یہ صریحاً غلط اور باطل ہے۔ ایک صاحب کہتے تھے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ نبوت کا سلسلہ تو ختم ہو گیا اور ولایت کا سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا اس اعتبار سے ولایت کو نبوت سے افضل کہا گیا ہے لیکن یہ تاویل مضحکہ انگیز ہے ولایت، علوم دین اور دین یہ سب فیضانِ نبوت سے ہیں، گویا نبوت کے درخت کی بہت سی شاخیں ہیں اس لئے سلسلۂ نبوت کو معدوم سمجھنا غلطی ہے ہاں نبیوں کی آمد کا سلسلہ البتہ ختم ہو گیا۔ صاحب مقالع القلوب نے بھی اس کو غلط اور باطل لکھا ہے اگر اس کی کوئی اور عمدہ تاویل ہو بھی تب بھی یہ قباحت لازم آتی ہے کہ ایسا کلام ہی کیوں کیا جائے جس سے تو ہی شبہات

پیدا ہوں۔

رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر۔ صوفیہ اس حدیث کو بیان کرتے ہیں مگر یہ حدیث صحیح سند میں نہیں ہے امام عسقلانی نے تسدید القوس میں لکھا ہے کہ امام ترمذی نے فرمایا ہے یہ ابراہیم بن عبلہ کا قول ہے۔

ہم نے آیات و احادیث کا ترجمہ اور مفہوم وہی لکھا ہے جو شاہ عبد القادر وغیرہ اکابر نے لکھا ہے خود ترجمہ وغیرہ نہیں کیا۔

احسان

یہ تصوف کے متعلق یہ تحقیق ہو چکا ہے کہ تصوف زہد و اخلاقِ حسنہ کا نام ہے تصوف یہ ہے کہ آدمی ہر وقت خدا کے حاضر ناظر ہونے پر یقین کامل رکھے اس پر وثوق ہونے سے اس سے کسی گناہ کا سرزد ہونا مشکل ہے اصطلاحِ شرع شریف میں اسی کو احسان کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے[1]

ما الاحسان قال ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک"

یعنی احسان یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر یہ نہیں کر سکتے تو یہ ہو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے"

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں[2]

" بعد فقہ، اعظم علوم علم احسان (تصوف) است اعنی آنچہ امروز باسم علم سلوک مسمی شدہ و قوت القلوب و احیاء العلوم دران تصنیف شدہ است "

غرض تصوف وہ علم ہے جو انسان کو ایسی زندگی کی تعلیم کرتا ہے جس سے وہ دنیا میں زہد و تقویٰ اختیار کر کے ظاہری و باطنی ترقی کے راستہ پر گامزن رہے دنیا کی ظاہری و باطنی ترقی کا مدار حسن اخلاق ہی پر ہے۔

اخلاق

تصوف حسن اخلاق کا نام ہے اولیائے عظام نہایت خلیق اور پرہیزگار ہوتے ہیں حسنِ اخلاق یہ ہے کہ صوفی ہر طرح پابند شریعت و سنت ہو کیونکہ قرآن مجید میں رسولِ اکرم کے متعلق ارشاد ہے کہ آپ بزرگ اخلاق پر ہیں اور حضور نے خود بھی ارشاد فرمایا ہے کہ میں اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں اس لئے حسن اخلاق

[1] مسلم [2] ازالۃ الخفاء

یہ ہے کہ ظاہراً و باطناً حضورؐ کے طرزِ عمل کے مطابق عمل ہو۔ عوام حسنِ اخلاق کا صرف یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ صوفی صاحب کے پاس جو کوئی جاتا ہے تو وہ اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، چائے پانی سے تواضع کرتے ہیں اور ہنس ہنس کر باتیں کرتے ہیں، صرف اس قدر عمل کو اخلاقِ حسنہ سمجھنا غلطی ہے یہ تو دکان داری ہے یہ نہ ہو تو صوفی صاحب کی گرم بازاری کیونکر ہو۔ ظاہر سنت کے خلاف عمل کرنے والا اخلیق اور ولی نہیں ہو سکتا۔

اذکار و اشغال و مراقبات

ذکر و شغل و مراقبہ کی اصل فرمانِ رسول اور تعاملِ صحابہ سے ہے انہیں کی راہ مت سے تصفیۂ قلب ہوتا ہے۔ اخلاق درست ہوتے ہیں۔ ہر خاندان میں اذکار کے طریقے اور نام جدا جدا ہیں مقصود سب کا ایک ہی ہے

ہر نبی و ہر ولی را مسلکیست　　　　نیک تا حق می برد جملہ یکیست

اسی طرح اربعین و خلوت کی اصل بھی احادیث سے ہے اور ان کی شرائط وہی ہیں جن کی حدیث میں تاکید ہے (۱) وضو سے دوام (۲) کثرت صوم و صلوٰۃ، (۳) تلاوت و اذکار (۴) قلتِ طعام، (۵) قلتِ کلام اور (۶) قلتِ منام۔

کنجِ عزلت کہ طلسمات عجائب دارد　　　　فتح آں در نظرِ ہمتِ درویشاں است

اربعین و عزلت وغیرہ طالب سے اس حد تک کرائے جاتے ہیں کہ تصفیۂ قلب ہو جائے اس کے بعد اس کو حسبِ ضرورت اختلاطِ عوام سے نہیں روکا جاتا۔

استمداد

خدا کے سوا کسی پیر فقیر سے مدد طلب کرنا جائز نہیں، شرک فی الصفات یہ ہے کہ کسی مخلوق کو مطلب برلانے والا قرار دیا جائے اور اس سے مرادیں طلب کی جائیں۔

اہل بدعت کہتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے۔

اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور۔ یعنی جب تم کسی امر میں پریشان ہو تو اصحاب قبور سے مدد چاہو۔

— لیکن یہ حدیث نہیں ہے بلکہ کسی کا قول ہے جو قابلِ سند نہیں، شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں

در باب استعانت بارواح طیبہ در دین امت افراط بسیار بوقوع آمدہ آنچہ جاہل
اینہا میکنند والعیاذ باللہ ازایشان اگر در ہر عمل مستقل دانستند اند بلاشبہ شرک جلی است "
اسی طرح یا خواجہ یا غوث شیئاً للہ جائز نہیں۔

اسلامی عقائد و عبادات کی تاریخ

دنیا میں پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں جب اللہ پاک نے ان کو دنیا
پر اتارا اور یہ منظور ہوا کہ ان سے نسل چلے تو بنی آدم کی ہدایت کے لئے آدم کو نبی بنایا
اور ان پر صحیفے نازل فرمائے جس میں عقائد و عبادات و اخلاق وغیرہ کی تعلیم تھی تاکہ
ان پر عمل کر کے انسان ظاہری و باطنی ترقی کرے۔ عقائد میں توحید، رسالت، ملائکہ،
قیامت، مرنے کے بعد زندہ ہونے اور کتب سماوی پر ایمان لانے کا بیان تھا۔
عبادات میں نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج یہ چار چیزیں تھیں یہی عقیدے اور عبادتیں
ہمیشہ سے اب تک چلے آئے ہیں ان کے اصول میں کوئی تغیر و تبدل نہیں
ہوا، البتہ مقادیر و اوقات میں حسب مصلحت زمانہ ترمیم ہوئی، خداوند کریم نے
سورہ شوریٰ میں فرمایا ہے کہ تم کو وہی دین دیا گیا ہے جو پہلے نبیوں کو دیا گیا تھا
اور انبیائے سابقین کے حالات میں ہر جگہ یہی بیان ہے کہ انہوں نے اپنی امتوں
سے کہا خدا کو ایک مانو، ہم کو رسول جانو، نماز پڑھو، روزہ رکھو اور زکوٰۃ دو چنانچہ سورۃ
بقرہ سیپارہ اول میں ہے " ہم نے بنی اسرائیل سے نماز زکوٰۃ کا عہد لیا " اسی صورت میں
ہے " تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جس طرح اگلی امتوں پر فرض تھے۔
آسمانی کتابوں، حدیثوں اور انبیاء کی تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت آدم اور
حضرت موسیٰ وغیرہ انبیاء نے حج کیا حضرت آدم نے دنیا میں آکر عبادت کیلئے کعبہ
شریف کو تعمیر کیا جو طوفان نوح میں منہدم ہو گیا پھر حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل
نے اسے بنایا جہاں اس تعمیر کا ذکر ہے وہیں حج کا حکم بھی ہے اس لئے اسلام کے
عقائد و عبادات ہمیشہ سے ہیں ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے
کوئی نئی ایجاد سمجھنا غلطی ہے۔ حضرت عیسیٰ کے بعد دنیا میں ایسی گمراہی پھیل
گئی تھی کہ کہیں امر حق کا نام و نشان تک نہ رہا تھا آخر ہمارے حضور مبعوث برسالت
ہوئے چونکہ عام اصلاح آسان نہ تھی لہذا قرآن مجید اور احکام تھوڑے تھوڑے

تاکہ عمل آسان ہو اور گراں نہ گزرے اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور کے عہد سے ان
عقائد و عبادات کا کب سے اجرا ہوا حضور ۱۲ فروری بروز دوشنبہ سنہ ۶۱۰ء کو مبعوث
برسالت ہوئے جبریل نے آپ کو وضو کرا کے نماز پڑھائی اور احکام الٰہی پہنچائے
یہی تاریخ ابتدائے عقائد اور وضو نماز وغیرہ کی ہے شروع شروع میں دو نمازیں
فرض ہوئی تھیں ظہر اور عصر کے دو دو فرض تھے مارچ سنہ ۶۱۹ء میں مکہ معظمہ میں حضور
کو معراج ہوئی شب معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں صبح ظہر عصر مغرب اور عشاء
مغرب کے سوا سب کی دو دو رکعتیں تھیں سنہ ۶۲۲ء میں حضور نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت
کی مدینہ کے قریب موضع قبا میں قیام فرمایا وہاں سے جمعہ کے دن چل کر مدینہ پہنچے
اور بنی سالم کے محلے میں قیام فرمایا جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا آپ نے جمعہ پڑھایا یہ
سب سے پہلا جمعہ تھا اس میں سو صحابہ شریک ہوئے سنہ ۱ ہجری مطابق سنہ ۶۲۲ء
میں ظہر عصر اور عشاء کے فرضوں میں دو دو رکعتوں کا اضافہ ہوا یعنی دو کی جگہ
چار چار فرض ہو گئے سنہ ۲ ہجری آخر ماہ شعبان میں رمضان کے روزے فرض
ہوئے اور اسی رمضان میں مہینہ ختم ہونے سے پہلے صدقہ فطر اور نماز عیدین کا
حکم ہوا۔ نماز کے لئے اذان اور جماعت کے لئے تکبیر و اقامت مقرر ہوئی شوال سنہ ۲
ہجری میں زکوٰۃ فرض ہوئی روزوں اور زکوٰۃ کے متعلق یہ ظاہر کر دینا ضروری معلوم ہوتا
ہے کہ کتب حدیث میں مذکور ہے کہ جب مکہ میں کفار نے مسلمانوں پر بے حد ظلم و
ستم ڈھائے تو حضور نے صحابہ کو حکم دیا کہ دوسرے ملک کو ہجرت کر جائیں چنانچہ سنہ ۵ نبوی
میں بعض صحابہ ہجرت کر کے حبش پہنچ گئے۔ کفار قریش تحفہ تحائف لے کر شاہ
حبش کے دربار میں پہنچے اور عرض کی کہ ہمارے کچھ آدمی ہم سے باغی ہو کر آپ
کے یہاں آ گئے ہیں ان کو ہمارے حوالے کر دیجئے بادشاہ نے مہاجرین کو بلا کر
دریافت حال کیا تو حضرت جعفر نے رسول اکرم کی نبوت، اسلام کے عقائد و
عبادات اور کفار کے مظالم کا بیان کیا اسی تقریر میں حضرت جعفر نے یہ کہا کہ
ہمارا نبی نماز زکوٰۃ اور روزوں کا حکم دیتا ہے

لیکن ہم نے ابھی ابھی صحیح حدیثوں سے لکھا ہے کہ زکوٰۃ اور روزے
مدینے میں فرض ہوئے تو یہاں کس زکوٰۃ اور روزے کا ذکر ہے معلوم

ہونا چاہیئے کہ اسلام سے پہلے کفار قریش اور یہود دسویں محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے حضور بھی رکھتے تھے حضور نے سلسہ میں مدینہ پہنچ کر بھی اس روزے کی تاکید فرمائی اس کے علاوہ نفلی روزے بھی رکھتے تھے حضرت جعفر کے بیان میں انہی روزوں کا ذکر ہے رمضان کے روزوں کا بیان نہیں ہے، زکوٰۃ ایک قسم کا صدقہ اور خیرات ہے یہ ہر مذہب اور ہر ملک میں ہے سب لوگ اس کو اچھا سمجھتے ہیں، زکوٰۃ سے حضرت جعفر کا یہی مطلب تھا، جب مدینہ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورے کے روزے کو حضور نے اختیاری قرار دے دیا بعض چیزیں اور بھی ایسی ہیں کہ ان پر حضور پہلے سے عمل کرتے تھے مگر ان کی فرضیت بعد میں ہوئی حضور کو وضو حضرت جبریل نے پہلے ہی دن سکھا دی تھی حضور اور صحابہ وضو کر کے نماز پڑھتے تھے لیکن وضو کرنا فرض نہ تھا وضو کی فرضیت کا حکم بھی مدینہ میں ہوا۔ حج ۹ ھ ہجری میں فرض ہوا حضور نے اس پہلے حج کے ادا کرنے کے لئے ایک قافلہ روانہ کیا اور حضرت ابوبکر صدیق کو اس پر امیر مقرر کیا اس حج میں تین سو صحابہ شریک تھے یہ پہلا حج تھا سلہ ہجری میں حضور نے ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہ کے ساتھ حج کیا، چونکہ اس حج سے تین ماہ بعد حضور کی وفات ہو گئی تھی اس لئے اس حج کو حجۃ الوداع یعنی آخری حج کہتے ہیں گویا حضور کی حیات میں یہ آخری حج تھا

اسلام میں تفرقہ

یہودیوں کو اسلام سے بہ نسبت دوسرے کافروں کے زیادہ عداوت تھی کیونکہ اسلام سے اس مذہب کو بہت نقصان پہونچا یہودیوں نے حضور علیہ السلام کے عہد ہی سے اسلام کے مٹانے کے لئے ہر قسم کی جد و جہد شروع کر دی تھی لیکن ان کا ہر داؤ غلط ہوا اور انہیں پچھتانا پڑا مگر انہوں نے اپنی سعی کو برابر جاری رکھا حضرت عثمان کے آخر عہد خلافت میں انہوں نے وہی چال چلی جو مذہب عیسوی کے برباد کرنے کے لئے چلی تھی اور ان کو کامیابی ہوئی تھی یعنی چند یہودیوں نے بظاہر مسلمان بن کر مسلمانوں میں غلط خیالات کی اشاعت شروع کر دی اور خلیفہ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا ان کے اس جال میں اکثر جدید الاسلام لوگ پھنس گئے اس شرارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے اس دور سے مسلمانوں

میں اختلاف شروع ہو گیا ابتدا میں یہ اختلاف سیاسی تھا رفتہ رفتہ اس کو مذہبی رنگ دے دیا گیا مسلمانوں میں سب سے پہلا جو گمراہ فرقہ پیدا ہوا وہ خوارج کا تھا انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دے دیا اس کے بعد فرقہ سازی شروع ہو گئی چونکہ ہر فرقہ قرآن و رسول کا نام لیوا تھا اس لئے اس کی ضرورت پڑی کہ اپنے عقائد و خیالات کے موافق قرآن اور سنت سے کام لیا جائے قرآن پر کسی کا داؤ نہ چل سکا لہٰذا انہوں نے حدیثیں بنانی شروع کر دیں ہمارے ائمہ نے ان کی اس جد و جہد کو باطل کرنے کے لئے علم حدیث کی حفاظت اور جانچ کے لئے تقریباً سو علوم ایجاد کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دکھایا اب ان لوگوں کو اس کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا کہ انہوں نے زہاد و عباد کا طرز اختیار کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا شروع کر دیا انہوں نے مسلمان زہاد و عباد سے زیادہ سخت ریاضتیں کیں اور شعبدہ بازی سے عجائب پرست کم علم طبقے کو اپنا معتقد بنا لیا اس قسم کی کارروائیاں آخر قرن ثانی سے شروع ہوئیں، جو اہل حق ذکر، اشغال اور ریاضتوں سے تصفیہ قلب کی تعلیم دیتے تھے وہ زہاد و عباد کہلاتے تھے ان کے اس علم کا نام علم احسان تھا جب یہی لقب اور یہی نام ان گمراہ کرنے والوں نے بھی اختیار کر لیا تو بزرگان بغداد نے اپنے زہاد و عباد کا لقب صوفی اور اپنے فن کا نام تصوف قرار دے لیا لیکن گمراہ لوگ بہت جلد اسی طرف رجوع ہو گئے اور اس ذریعہ سے لوگوں میں غلط عقائد و اعمال کی اشاعت کرنے لگے یہ موضوع حدیثوں کو رواج دیتے، صحیح حدیثوں پر تنقید کرتے، ان کے معنے مفہوم کو بھی بدل دیتے تھے اور مشہور بزرگوں کے ناموں سے غلط مسائل و عقائد پھیلاتے تھے انہوں نے بزرگوں کی تصانیف میں تحریفیں کیں اور وہی القاب اختیار کئے جو بزرگان اہل حق کے تھے ان کے یہاں ابو حنیفہ، شافعی، جریر طبری، ترمذی اور حافظ غرض ہر نام و لقب کے لوگ ہیں۔ فریدالدین عطار اور محی الدین ابن عربی بھی ہیں[1]

ان فرقوں کے داعیوں نے بزرگوں کے نام سے کتابیں بھی تصنیف کر کے مشہور کیں تاریخوں اور مستند بزرگوں کی تصانیف میں تحریفیں کیں، مشہور بزرگوں کے دواوین وغیرہ میں بھی الحاق و تحریف کی اس قسم کے کام سب سے زیادہ اسماعیلیہ فرقے نے کئے، انہوں نے تعلیم تصوف کے لئے بہت

سے مدارس قائم کئے تھے جن کا کتب تواریخ میں ذکر ہے ڈاکٹر محمد مصطفےٰ المصری نے لکھا ہے[1] ہم ایک غیر جانب دار محقق کی رائے پیش کرتے ہیں پروفیسر ماسینیون نے لکھا ہے "کوفہ میں تصوف کا جو دارالتعلیم تھا وہ شیعہ شیوخ کی سربراہی میں کام کرتا تھا" اسی وجہ سے وہ چھٹی ساتویں صدی ہجری کے صوفیہ کے متعلق لکھتے ہیں "ان کے کلام میں اسماعیلی خیالات وعقائد کی آمیزش کافی حد تک نظر آتی ہے" آگے لکھتے ہیں "دور آخر کے صوفیہ کے یہاں ایک دوسری اصطلاح ملتی ہے جس کو وحدت مطلقہ کہتے ہیں یہ آخری عقیدہ حقیقتاً عقائد شیعہ واسماعیلیہ اور باطنیہ سے ماخوذ ہے۔ اسی کو ایک دوسرا فریق حلول واتحاد کے نام سے پکارتا ہے"

شیعوں کے ایک فرقہ کا عقیدہ حلول اللہ فی الامام ہے یہی بنیاد صوفیائے جہال کے عقیدے کی ہے جس سے حلول واتحاد ثابت ہوتا ہے

ذیل میں ہم چند ایک فرقوں کا ذکر کرتے ہیں تاکہ بات واضح ہو جائے:

قرامطہ عبداللہ بن میمون قداح اہوازی نے ایک فرقہ بنایا تھا جو میمونیہ مشہور ہوا ۲۵۵ھ میں محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادق کے غلام قرمط نے مذہب میمونیہ میں کچھ تغیر کرکے فرقہ اسماعیلیہ قائم کیا فرقہ اسماعیلیہ باطنیہ مبارکیہ اور قرمطیہ چار نام سے مشہور ہوا قرمطیہ کے متعلق مختلف اقوال ہیں بعض نے لکھا ہے کہ قرمط مبارک غلام کا لقب تھا بعض نے لکھا ہے حمدان بن قرمط ساکن موضع قرمط از اعمال کوفہ کی نسبت سے قرامطہ ہے۔

بعض نے لکھا ہے کہ واسط کے قریب قرمط نام ایک موضع تھا، میری رائے میں صحیح یہ ہے کہ قرمط واسط کے قریب ایک موضع تھا مبارکیہ غلام اور حمدان کا باپ دونوں اسی موضع کے باشندے تھے۔

باطنیہ کے مسائل میں سب سے پہلی کتاب بیان نام ایک شخص غیاث نے ۲۰۰ھ ہجری میں تصنیف کی اس فرقے کے لوگ صحابہ پر تبرا کرتے تھے۔

۲۸۶ھ میں باطنیہ میں ایک شخص ابو سعید بن حسن بن بہرام جنابی پیدا ہوا اس نے باطنیہ فرقے کی اشاعت میں بہت کوشش کی اور مسائل میں کچھ تغیر کرکے اپنے فرقے کا نام جنابیہ قرار دیا ۳۰۱ھ میں یہ مرا تو اس کا بیٹا ابو طاہر سلیمان جنابی ہوا اس نے بڑی قوت پیدا کی ۳۱۹ھ میں مکہ معظمہ پر حملہ کرکے حاجیوں کو قتل کیا اور حجر اسود

باطنیہ

---

[1] تاریخ تصوف اسلامی

کو اکھاڑ کر لے گیا بیس برس کے بعد اس فرقہ والوں سے ۳۳۹ھ میں خلیفہ مطیع باللہ بن
خلیفہ مقتدر باللہ نے تیس ہزار دینار دے کر حجر اسود کو واپس لے لیا۔ ابو طاہر کے
آخر عہد میں یہ فرقہ کمزور ہو گیا اس کے بعد اس فرقہ میں حمدان نام ایک شخص پیدا ہوا
اس نے یہ عقیدہ قرار دیا کہ محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادق امام ہیں وہ مرے نہیں
نہ مریں گے وہ مہدی بن کر ظاہر ہوں گے اس نے اپنے فرقہ کا نام قرامطہ رکھا۔

قرامطہ سندھ میں: معربان علافی قرمطی کرمان و خراسان کے درمیان رہتا تھا خلیفہ ولید
بن عبدالملک متوفی ۹۶ھ نے ایران کی طرف فوجیں بھیجیں تو علافی نے دھوکے سے
سالار لشکر عبدالرحمن بن اشعث کو شہید کر دیا اس کے بعد اس کو یہ خوف ہوا کہ خلیفہ لشکر
جرار میری سرکوبی کے لئے بھیجے گا لہذا یہ اپنی جماعت کو لے کر وہاں سے بھاگا اور سندھ
میں آکر راجہ داہر کے زیر حمایت ہو گیا جب محمد بن قاسم اور راجہ داہر سے جنگ ہوئی
(بعہد خلیفہ ولید) تو یہ اپنے پانسو آدمیوں کے ساتھ راجہ کی طرف سے لڑا۔

آخر اس جماعت نے ملتان میں ایک ریاست قائم کر لی۔

سلطان محمود غزنوی (متوفی ۴۲۱ھ) نے جب ہندوستان پر فتح پائی تو اس وقت
اس ریاست کا فرمانروا ابوالفتح تھا سلطان نے اس کا قلع قمع کیا۔

اس فرقہ کے لوگوں نے محدث، مفسر، فقیہہ، حکیم غرض ہر طرح کے القاب
سے مسلمانوں کو دھوکا دیا اور ان میں تفرقہ ڈالا احادیثیں اور اقوال بنائے کتابیں
تصنیف کر کے مشہور کیں، مشاہیر کی کتابوں میں تحریفیں کیں اور مشہور امراء ائمہ
علماء اور صوفیا کو دھوکے سے قتل کر دیا۔

خلیفہ راشد باللہ کو اسی فرقہ کے ایک آدمی نے شہید کیا۔ نظام الملک محقق
طوسی کو جو مشہور وزیر اعظم عالم تھا شہید کیا اور امام فخرالدین رازی کو شہید کیا کتب تواریخ
اس فرقے کے بہت سے واقعات مذکور ہیں۔

عبدالرحمن اسماعیلی ۴۳۱ھ میں کھمبایت میں آیا اس نے ہندو بوہروں کو
مسلمان کیا۔

بوہرے: اصل میں گجراتی لفظ دوہورو کا بگڑا ہوا ہے جس کے معنی سوداگر کے ہیں
بوہرے ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ مسلمان بوہروں کے تین گروہ ہیں ایک

داؤدیہ، دوسرے سلیمانیہ اور تیسرے جعفری جعفری وہ بوہرے کہلاتے ہیں جن کو احمد جعفر شیرازی نے شیعیت سے توبہ کرکے سنی بنایا، سید جعفر کا مزار احمدآباد (گجرات) میں ہے۔

جبریہ اس فرقے کا عقیدہ تھا کہ بندہ میں کسی کام کی استطاعت نہ اس سے پہلے ہے نہ اس کے بعد ہے نہ اس کے ساتھ ہے اور نہ اسے اپنے کاموں میں کسی قسم کا اختیار حاصل ہے نہ کاموں میں اس کے کسب کو دخل ہے وہ مجبور محض ہے یہ لوگ سخت ریاضت و عبادت کرتے تھے لڑکوں اور عورتوں کا گانا سنتے تھے، وجد کرتے تھے بعض بے ہوش ہو جاتے تھے اور بعض مر بھی جاتے تھے یہ لوگ خیال کرتے تھے کہ یہ عشق الہی کا نتیجہ ہے اس فرقہ کا دوسرا نام مجبرہ بھی تھا

جہمیہ جہم بن صفوان کوفی نے تیسری صدی ہجری کی ابتداء میں جبریہ فرقے کے عقائد میں توکل و تقدیر وغیرہ کا مفہوم بدل کر کچھ اضافہ کیا یہ فرقہ جہمیہ مشہور ہوا

اباحیہ تیسری صدی ہجری کے آخر میں علی بن فضل نام ایک شخص نے صفائے یمن میں ایک فرقہ کی بنیاد قائم کی اس کے یہ عقائد تھے

(۱) ریاضت سے انسان خاصان خدا سے ہو جاتا ہے اس کو شریعت کی پابندی کی ضرورت نہیں شریعت عوام کے لئے ہے۔

(۲) خدا رحیم و کریم ہے اسلئے ہم کو کوئی تکلیف و ریاضت و عبادت کی ضرورت نہیں وہ خود ہم پر رحم کرے گا۔

(۳) شقی و سعید یہ دونوں امر انسان کے لئے ازل سے طے ہو چکے ہیں اس لئے عبادت و ریاضت بے کار ہے۔

(۴) خدا کو ہمارے اعمال کی پرواہ نہیں اسلئے ہمارا عمل کرنا بے فائدہ ہے

(۵) حرام و حلال کی پابندی کی ضرورت نہیں۔

صاحب نور اللغات لکھتے ہیں "اباحیہ ایک فرقہ ہے اہلِ اسلام سے کہ وہ کہتے ہیں سب چیز مباح ہے کوئی حرام نہیں یہ لوگ باجماع اہلِ سنت کافر ہیں" ابو حامد امام غزالی اپنی کتاب التفرقۃ بین الاسلام والزندقہ میں لکھتے ہیں۔ فرقہ اباحیہ کی طرح وہ لوگ بھی ہیں جو تصوف کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ وہ ایسی حالت پر پہنچ

چکے ہیں کہ ان سے نماز ساقط ہو گئی ہے اور ان کے لئے منکرات کا استعمال جائز ہے یہ لوگ ان لوگوں میں سے ہیں جن کا قتل بلا شک و شبہ واجب ہے"

صاحب کواکبِ ظاہرہ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ مذہب غالی اہل ضلال کا ہے قاضی عیاض نے بھی نقل کیا ہے کہ ان کے کفر پر اجماع ہے"

خواجہ علی ہجویری لکھتے ہیں از ملاحدہ کہ قیام ہر یکے (شریعت و حقیقت) اندیں بے دگر بے روا دارند و گویند کہ چوں حالِ حقیقت کشف شود شریعت برخیزد و ایں سخن مشتبہ قرامطہ است"

حلولیہ۔ اس فرقہ کا عقیدہ تھا کہ خدا اجسامِ انسانی میں حلول کر جاتا ہے اس لئے یہ لوگ خوب صورتوں کا دیکھنا نہ صرف جائز سمجھتے تھے بلکہ عبادت سمجھتے تھے اور ہر ادا پر خواہ وہ کسی حیوان ہی کی کیوں نہ ہو وجد کرنے لگتے تھے۔ اسی فرقہ نے خدا کی شان میں عشق کا لفظ استعمال کیا ورنہ قرآن مجید میں محبت کا لفظ آیا ہے صرف دو حدیثیں ایسی بیان کی گئی ہیں جن میں عشق کا لفظ آیا ہے (من عشق فعف فمات فھو شھید) اور (من عشق وکتم الخ) ان دونوں کا راوی سعید بن سوید ہے اس کے متعلق ائمہ حدیث نے نہایت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں اور ان دونوں حدیثوں کو امام ابن جوزی نے موضوعات میں لکھا ہے۔ علمائے لغت و طب نے لکھا ہے کہ عشق ایک قسم کا جنون ہے جبکہ یہ ایک مرض ہے تو اس کو صفاتِ جمیلہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا اور خدا اور رسول کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جا سکتی محبت کا مرتبہ عشق سے بہت بلند ہے محبت روح کے میلانِ صحیحہ کا نام ہے عشق میں یہ شرط ضروری نہیں محبوب وہ ہے جو اپنے صفاتِ عالیہ کی وجہ سے شایانِ محبت ہو معشوق وہ ہے جس کا کوئی عاشق موجود ہو محبوب بہر حال محبوب ہے کوئی محب ہو یا نہ ہو بعض بزرگوں نے اپنے کلام میں عشق کا لفظ استعمال کیا ہے اشعار میں تو یہ لفظ عام ہے کیونکہ شاعری بغیر اس کے چل نہیں سکتی یہ صرف برائے شعر گفتن ہے قابلِ سند نہیں نثر وغیرہ کتب تصوف میں جو اس کا استعمال ہے وہ بھی ایک رسم تصنیف اور طرز انشاء ہے

بزرگوں کی مراد عشق سے محبت ہے نہ کہ اصلِ عشق کیونکہ اصل عشق تو مرض ہے دنیا میں یہی مرض سب سے پہلے پیدا ہوا اور اسی کی وجہ سے دنیا میں سب سے پہلا گناہ ہوا وعظیم

گناہ جسے قتل کہتے ہیں یعنی قابیل پسر آدم کو ہابیل کی منسوبہ سے عشق ہو گیا اور اس نے ابیل کو قتل کر دیا۔

یزیدی اس مذہب کے لوگ کرد قوم سے ہیں یہ اکثر جاہل ہیں بہت تھوڑے سے ان میں خواندہ بھی ہیں جو پڑھے لکھے ہیں وہ اپنی زبان کے سوا دوسری زبانوں کی تعلیم حاصل نہیں کرتے نہ علوم و فنون سیکھتے ہیں یہ لوگ اپنے قدیم طریقوں اور ریتوں پر قائم ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں یہ لفظ یزدان سے مشتق ہے یزیدی کے معنی ہیں وہ لوگ جو صرف عبادت کیلئے پیدا کئے گئے ہیں، یہ فرشتوں کی خاصیت ہے اور فرشتے خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں یزیدی کہتے ہیں کہ ہم متبع ملائکہ ہیں بعض ان کی اصل ایزدی کہتے ہیں ایک صاحب نے لکھا ہے کہ یہ وہ جماعت ہے جو یزید کی فوج میں شامل تھی اور جس نے کربلا میں امام حسین کو شہید کیا تھا لیکن یہ خیال صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

ایک شخص پانچویں صدی ہجری کے آخر میں موصل میں پیدا ہوا اس کا نام اور خاندان وغیرہ معلوم نہیں وہ شیعہ تھا چھٹی صدی کی ابتدا میں وہ فقیر بنا اور اپنا لقب شیخ عادی ظاہر کیا اور جاہل کردوں میں پہنچ کر ان کا پیر بن گیا چھٹی صدی کے نصف کے بعد اس کا انتقال ہوا اس کی قبر قضاء الشیخان کے قریب قصبہ باعدوی میں ہے۔

اس قوم کی زیادہ آبادی بلادِ عجم و عراق و سوریہ دلواح شام وغیرہ میں ہے لیکن اب موصل کے قریب قضا الشیخان اور کوہ سنجار میں جمع ہو گئے ہیں ان کی کل مردم شماری کم و بیش ستر ہزار ہے ان کی زبان کردی ہے اس زبان کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ خدا نے آدم کو یہی زبان سکھائی تھی اور حضرت موسیٰ کے صحیفے اسی زبان میں نازل ہوئے تھے لیکن جو یزیدی ایشیائے کوچک میں رہتے ہیں وہ ترکی اور عراق کے رہنے والے ہیں اور ترکی یا عربی زبان بولتے ہیں۔

ان کے یہاں ہر خاندان کا بزرگ حاکم ہوتا ہے اور سب سے اوپر دو حاکم ہوتے ہیں یہ باعدوی میں رہتا ہے دوسرا شیخ یہ روحانی حاکم اور مفتی مذہب ہوتا ہے

شیخ کے ماتحت چار عہدیدار ہوتے ہیں ایک میر ہے یہ روزوں اور افطار وغیرہ کا انتظام کرتا ہے عـ۲ فقیر یہ شیخ عادی کے قبر کے مجاور ہیں اور غربا کی اولاد کو تعلیم دیتے ہیں عـ۳ قوال یہ مزامیر بجا کر شیخ عادی اور ملائکہ کی مدح گاتے ہیں عـ۴ کوچک تجہیز و تکفین کا انتظام ان کے سپرد ہے صنعت و حرفت، زراعت، مزدوری اور مویشیوں کا پالنا یہ چار پیشے یہی لوگ کرتے ہیں ان میں بعض لوگ خانہ بدوش ہیں۔

یہ لوگ اپنے مذہب و عقائد کو چھپاتے ہیں یہی تقیہ کی تعلیم ہے ایک خدا کو مانتے ہیں، حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت موسیٰ اور حضرت اسحاق ان پانچ نبیوں کے متعلق تو مجھے تحقیق ہے کہ یہ لوگ ان کو مانتے ہیں، حضرت اسحاق کو ذبیح اللہ مانتے ہیں اور ان کی یادگار میں عید اور قربانی کرتے ہیں ان کے مذہب کی دو کتابیں ہیں ایک کا نام جلوہ ہے اور دوسری کا مصحف رش ہے کردی زبان میں اس کے معنی ہیں سیاہ کتاب، ان کتابوں میں لکھا ہے کہ خدا نے نور سے سات فرشتے پیدا کئے، عزرائیل[1]، دردائیل[2]، اسرافیل[3]، زردائیل[4]، شمسائیل[5] نورائیل[6] اور جبرائیل[7] ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷ کے نام صوفی عاملوں کے عمل میں رائج ہیں اور ان کو موکلات کہتے ہیں، دنیا کا ہر کام ان سات ملائکہ کے سپرد ہے ان میں سب سے بڑا مرتبہ عزرائیل کا ہے عزرائیل کا دوسرا نام الملک الطاؤس ہے یہ لوگ اس کی سونے کی تصویر نہایت حفاظت سے رکھتے ہیں سال میں ایک مرتبہ اس کی زیارت ہوتی ہے، خدا نے پہلے گھوڑے کو پیدا کیا اور اس پر سوار ہو کر سمندروں کی سیر کی سمندر ہوا میں دبا کر اس کو غصہ آیا لہٰذا ان کو توڑ پھوڑ دیا اس سے جو دھواں نکلا پہاڑ پیدا ہو گئے الملک الطاؤس نے ارض خام سے آدم کا پتلا بنایا اور اس کے دونوں کانوں میں پھونک ماری تو کھڑا ہو گیا اس کو جنت میں رکھا پھر اس کے داہنے بازو سے حوا کو پیدا کیا اور ان کو گیہوں کھانے کو دیا چالیس برس کے بعد الملک الطاؤس نے پھونک ماری تو یہ دونوں زمین پر آ پڑے ان کے اعضائے متناسلہ نہ تھے ملک الطاؤس نے ایک پرند قلانغ نام کو بھیجا اس نے ٹھونگے مار کر اعضائے متناسلہ بنائے آدم نے اپنا نطفہ ایک تھیلی میں بند کیا نو مہینے بعد اس سے ایک لڑکا شیث نام اور ایک لڑکی حور پیدا ہو پیدا ہوئی آدم دو برس تک ان کو دودھ پلاتے

رہے ان کی اولاد سے جو لوگ پیدا ہوئے وہ یزیدی ہیں حوا نے اپنا نطفہ ایک تھیلی میں بند کیا تو وہ سڑ گیا پھر آدم و حوا کے ملنے سے ایک لڑکا کابین اور ایک لڑکی ہلبونہ پیدا ہوئی ان سے تمام دنیا کی نسل چلی، نوح کے زمانے میں طوفان آیا چہار شنبہ کا دن مقدس ہے جمعہ کو بھی مقدس مانتے ہیں اس دن کوئی کام نہیں کرتے ماہ نیسان (اپریل) میں ان کی کئی عیدیں ہوتی ہیں خوب ناچتے، کودتے اور گانا بجانا کرتے ہیں سبز کپڑے پہنتے ہیں اس مہینے کی آخری عید آخری چہار شنبہ کو ہوتی ہے اس دن جنگل جاکر سبزے پر چلتے ہیں (ہمارے مومن صوفی بھی اس کی ہدایت کرتے ہیں)

سا ساتوں ملائکہ نے مل کر ایک جھنڈا بنایا اور حکیم سلیمان کو دے دیا اس کے بعد وہ جھنڈا یزیدیوں کے بادشاہ کے ہاتھ لگ گیا اس نے اس کی مانند کئی جھنڈے بنائے اس پر طاؤس کی شکل ہے ایک جھنڈا یزیدیوں کے شیخ کے پاس ہے جو شیخ مرتا ہے وہ سانپ اور بچھوؤں میں حلول کر جاتا ہے اس لئے یہ لوگ سانپ اور بچھوؤں کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کے آگے قوالی گاتے ہیں، سور، مچھلی، بھنڈی اور کدو یہ چیزیں ان کے یہاں حرام ہیں۔ پھوپھی، بھتیجی اور خالہ زاد بہن سے نکاح جائز نہیں جمع بین الاختین بھی جائز نہیں ایک آدمی ایک ہی نکاح کر سکتا ہے مگر اولاد نہ ہونے کی صورت میں چھ تک کر سکتا ہے، نکاح اٹھارہ برس کی عمر تک ہو سکتا ہے اس کے بعد شیخ کی اجازت پر منحصر ہے شادی میں ناچ گانا، باجا اور آتش بازی لازمی ہے۔ مُردے کے بدن پر شیخ عادی کی قبر کی مٹی ملتے ہیں اور اس کی مٹی میں بھی قبر کی مٹی دبتے ہیں ایصال ثواب کے لیے برادری کو کھانا کھلاتے ہیں۔ جنوری میں رمضان شروع ہوتا ہے۔ چالیس روزے رکھتے ہیں نماز چھپا کر پڑھتے ہیں۔ داڑھی رکھتے ہیں محنتی دیانتدار اور خوش خلق ہوتے ہیں

اب ان تاریخی حالات میں ہمارے صوفی اور عامل اور مراسم بدعت پر اصرار کرنے والے اپنے عقائد و اعمال کو دیکھیں۔

یہ وہ تحقیقات تھی جو مختلف کتب و رسائل سے مجھے حاصل ہوئی ہے اب اس فرقہ کے متعلق میں اپنی ذاتی معلومات جو مجھ کو اپنے ایک بغدادی دوست، عالم فاضل، شیخ عبدالعزیز سے حاصل ہوئی ہیں لکھتا ہوں چونکہ یزیدی اپنے عقائد، اپنے

اعمال اور اپنی کتابوں کو چھپاتے ہیں اس لیے ان کے متعلق جس قدر تحقیقات اور بہ نقل کی گئی ہے وہ اس قدر چسپاں نہیں ہوتی جس قدر شیخ عبدالعزیز کا بیان اسماء روانعات سے مطابقت رکھتا ہے

یہ تو مسلم ہے کہ یزیدی اپنی اولاد کو عام اور مروجہ زمانہ تعلیم نہ دلاتے تھے تاکہ ان کے عقائد وغیرہ کا افشا نہ ہونے پائے لیکن کچھ عرصہ سے ان میں سے بعض خاندانوں نے اس اصول کو ترک کر کے اپنے بچوں کو بغداد کے سرکاری مدارس میں تعلیم کے لیے داخل کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بعض عقائد و اعمال ظاہر ہو گئے۔ شیخ عبدالعزیز کو یہ حالات اپنے ایک ہم سبق یزیدی سے معلوم ہوئے۔

شیخ عادی جو یزیدیوں کا مرشد با[illegible] فرقہ کا موجد ہے اس کا نام علی بن عبید تھا اس کا خاندانی وطن یزد (عراق میں) تھا لیکن وہ خود موصل میں پیدا ہوا تھا اس کا دعویٰ تھا کہ میں ایک سو چھپن ہجری میں پیدا ہوا اور میں امام علی رضا کا خلیفہ ہوں۔

شیخ عادی چھٹی صدی ہجری کے نصف میں فوت ہوا اس لیے اس کی عمر کم و بیش چار سو برس ہوئی چونکہ اس کا خاندان یزد کا رہنے والا تھا اسلئے یزدی مشہور تھا اس فرقہ کو یزدی کہتے تھے جو رفتہ رفتہ یزیدی ہو گیا۔ عادی لقب اصل میں عودی[1] تھا کیونکہ یہ شخص ایسا کپڑا پہنتا تھا جس کا رنگ سیاہ مائل بسرخی ہوتا تھا اس لیے یہ شیخ عودی یزدی مشہور تھا۔

یزدی رسول کریم کو خاتم النبیین مانتے ہیں مگر ان کا عقیدہ ہے کہ قرآن کو رسول اکرم اور حضرت علی اور ائمہ اہل بیت کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا ان کے ذریعہ سے قرآن کی تعلیم و تفسیر شیخ عادی کو پہنچی اور شیخ عادی سے اس کے خلیفہ حسین بن ارشی[2] کو وہ تفسیر معلوم ہوئی اس نے قرآنی تفسیر اور مطالب لکھے۔ اس کتاب کو اسی وجہ سے مصحف ارشی کہتے ہیں جس کو مصحف ارش کہتے ہیں مصحف ارش ہے جو آئندہ شیوخ نے مسائل اخذ کر کے جمع کیے اس کتاب کا نام جلوہ ہے۔

چونکہ طاؤس کا جنت میں آدم کے پاس جانا مشہور ہے اس لیے اس کی ایک تصویر ان کے یہاں رہتی ہے چونکہ وہ دنیا کی آبادی اور یزیدی فرقے کے ظہور کا باعث ہوا۔ اس لیے اس کی تصویر قابل پرستش ہے۔ اس کی روح اس تصویر میں حلول کرتی ہے

---

[1] عودی ایک ریشمیں کپڑا ہوتا ہے جس کا رنگ سیاہ مائل بسرخی ہوتا ہے [2] ارش آذربائیجان کے نواح میں ایک قصبہ تھا

لہذا یہ اس کو سجدہ کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اصل سجدہ تو نماز کا سجدہ ہے یہ سجدہ تعظیم ہے نماز پڑھتے ہیں، روزے بہت رکھتے ہیں، مال کا دسواں حصہ زکوٰۃ دیتے ہیں جو شیخ کے پاس جمع رہتا ہے اور قومی و مذہبی کاموں میں صرف کیا جاتا ہے۔ حج تقیہ اور اخفاء کے ساتھ کرتے ہیں چونکہ یہ لوگ شیطان کی تصویر کو سجدہ کرتے ہیں اس لئے اہلِ عرب ان کو عبید الشیطان کہتے ہیں۔

اصطلاحات

ہر علم و فن کی کچھ اصطلاحیں ہوتی ہیں، اسی طرح صوفیا کی بھی مخصوص اصطلاحیں ہیں جب تک آدمی کسی علم و فن کی اصطلاحات کو نہ جانے اس وقت تک اس کو اس علم کی عبارات وغیرہ کے مفہوم و مطالب کے بیان کرنے یا اس کی عبارات پر اعتراض کرنے کا حق نہیں پہنچتا کسی زبان کے جاننے یا اس کے ادب میں دخل پیدا کر لینے سے اس زبان کے تمام علوم کی اصطلاحات پر عبور حاصل نہیں ہو جاتا لہذا ہر فن کے علماء سے اس کی اصطلاحوں کو معلوم کرنا چاہیئے

خواجہ زکریا ۳۰۹ھ سے کسی نے کہا کہ صوفیوں کو کیا ہوا ہے کہ ایسے الفاظ وضع کئے ہیں کہ وہ سننے میں عجیب و غریب معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ کوئی دوسرا ان کے سوا نہ جانے کیونکہ ان کے نزدیک یہ باتیں بہت عزیز ہیں۔ صوفیوں نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ عام مستعمل الفاظ کو استعمال کریں اس لئے انہوں نے اس قسم کے الفاظ وضع کئے ہیں کہ دوسرے نہ سمجھ سکیں۔

امام شعرانی نے انوار القدسیہ میں لکھا ہے

"صوفیہ پر اعتراض کرنا بغیر اس کے کہ ان کی اصطلاحات کو جانتا ہو جائز نہیں جب ہم ان کے کلام کو شریعت کے خلاف دیکھیں گے کہہ دیں گے"

اصطلاحات کی قدامت کے متعلق بعض علماء کے بیانات ملتے ہیں لیکن صحیح طور پر ثابت نہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ خواجہ ذوالنون مصری ۲۴۵ھ اور خواجہ جنید بغدادی ۲۹۷ھ نے اصطلاحات مقرر کیں۔ لیکن یہ بیان شبہات سے خالی نہیں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ امام قشیری ۴۶۵ھ کے زمانے سے قبل بعض اصطلاحات موجود تھیں جیسے حقیقت، طریقت، علم الیقین، حق الیقین، قبض، بسط اور تمکین۔ لیکن کچھ

کوئی قول ایسا نہیں ملا جس پر میں وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکوں کہ یہ اصطلاحات کس بزرگ کی ایجاد ہیں۔ امام غزالی نے ادب اور سالک وغیرہ اصطلاحات کا اضافہ کیا۔ خواجہ جنید بغدادی نے جسمِ انسانی میں پانچ لطیفے مقرر کیے، نفس، قلب، عقل، روح اور سر، جسمِ انسانی کے ہر ایک لطیفہ کے لئے مقام، اس کی خاصیت اور طریقۂ تہذیب مقرر کیا چنانچہ نفس و قلب و عقل کی تہذیب کا نام اصطلاحاً طریقت رکھا اور روح و سر کی تہذیب کا نام معرفت رکھا

خواجہ عبدالخالق غجدوانی ۵۷۵ھ نے یہ آٹھ اصطلاحات قائم کیں۔ ہوش در دم، نظر بر قدم، سفر در وطن، خلوت در انجمن، یاد کرد، بازگشت، نگہداشت اور یادداشت۔

خواجہ بہاؤالدین ۷۹۱ھ نے وقوفِ زمانی، وقوف قلبی، اور وقوفِ عددی کا اضافہ کیا۔

مجدد الف ثانی صاحب نے لطائف کی تعداد میں اضافہ کیا اور ہر لطیفہ کے مقام اور رنگ کا تعین اور ہر لطیفہ کا تعلق ایک معنی سے قرار دیا۔ اوّل لطیفۂ قلب، مقام دو انگشت زیرِ پستانِ چپ، نور زرد، زیرِ قدم حضرت آدم علیہ السلام۔ ۲۔ دوم لطیفۂ روح، مقام دو انگشت زیرِ پستانِ راست، نور سرخ زیرِ قدم حضرت نوح و ابراہیم علیہم السلام۔ ۳۔ لطیفہ سر، مقام دو انگشت پستانِ راست کے اوپر نور سفید، زیرِ قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام ۴۔ چوتھا لطیفۂ خفی مقام دو انگشت پستان چپ کے اوپر نور سیاہ زیرِ قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۵۔ پانچواں لطیفہ اخفیٰ مقام وسطِ سینہ، نور سبز، زیرِ قدم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۶۔ چھٹا لطیفہ نفس مقام پیشانی نور بے رنگ ۷۔ ساتواں لطیفۂ قالب مقام دو انگشت قلب کے نیچے نور بصورتِ آتش مگر بے رنگ۔

چھٹی صدی ہجری میں معانی ازلیہ، حقیقت الحقائق، وحدت کثرت، عقلِ اول اور عقلِ کلی یہ اصطلاحات قائم ہوئیں۔ شیخ محی الدین اکبر ابن عربی ۶۳۸ھ اسی عہد میں تھے ممکن ہے یہ سب یا ان میں سے بعض اصطلاحات شیخ نے مقرر کی ہوں۔ وحدتِ مطلقہ کی اصطلاح عبدالحق قطب الدین بن سبعین ۶۶۷ھ نے ایجاد کی علامہ ڈاکٹر محمد مصطفےٰ حلمی مصری نے لکھا ہے[1]

"جیسے جیسے مسلمان فلسفہ کے قریب آتے گئے ان کے تصوف میں فلسفہ کا رنگ

---

[1] تاریخ التصوف الاسلامی مطبوعہ قاہرہ

بڑھنے لگا یہاں تک کہ اپنے مشاہدۂ وجدان اور خیال کے اظہار و دانش کے لئے انہوں نے فلسفیانہ اصطلاحات لیں اور ایجاد بھی کیں۔ متأخرین صوفیہ مثلاً محی الدین ابن عربی وغیرہ کے یہاں اگرچہ فلسفیانہ اصطلاحیں ملتی ہیں لیکن ان کی دعوت کی بنیاد خالص اسلام ہی ہے وہی جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا اور اپنے عمل سے ثابت کیا۔"

بعض مصنفین نے لکھا ہے کہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند ۷۹۱ھ نے خلوت در انجمن کا اضافہ کیا۔ اکثر اصطلاحات کا مفہوم حدیثوں سے لیا گیا ہے لیکن آخر زمانے کے صوفیوں نے اصطلاحات کے صحیح مفہوم کو بگاڑ دیا ہے

امام قیم ۷۵۱ھ نے لکھا ہے۔

" صوفیائے متقدمین کے ہاں جو اصطلاحیں تھیں متاخرین نے ان کے معنے و مفہوم کو بدل دیا۔"

صوفیا کی بعض ضروری اصطلاحیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں

تجرید:۔ بندہ اغراض سے خالی ہو جائے اور ہر کام کو بطور انقیاد کے کرے دنیوی و اخروی اغراض کو ترک کر دے

جمع الجمع: مخلوقات کو آئینۂ صفاتِ حق سمجھنا۔

تجلی و استتار:۔ تجلی ظہور کو کہتے ہیں، استتار پوشیدہ ہونے کو کہتے ہیں۔ تجلی کی کئی قسمیں ہیں ایک تجلی ذاتی اگر سالک کے وجودِ عنصری کے صفات و آثار کچھ بھی باقی ہیں تو وہ بے ہوش ہو جاتا ہے اور اگر وجودِ عنصری کے آثار بالکل فنا ہو چکتے ہیں تو وہ مشاہدہ کر سکتا ہے یہ مرتبہ حیاتِ مادی میں صرف رسولِ کریمؐ کو حاصل ہوا۔ البتہ جنت میں تمام مومنین کو دیدار ہوگا۔ دوسرے تجلی صفاتی۔ اگر صفاتِ جلالی تجلی کریں تو سالک پر خشوع و خضوع کا غلبہ ہوگا اور اگر صفاتِ جمالی تجلی کریں تو سرور و انس کا غلبہ ہوگا تیسرے تجلیِ افعالی۔ سالک کی نظر کسی کی مدح و ذم نفع و ضرر اور رد و قبول پر نہ رہے۔ تجلیِ افعالی کو محاضرہ، تجلیِ صفاتی کو مکاشفہ اور تجلیِ ذاتی کو مشاہدہ کہتے ہیں، محاضرہ قلب سے ہوتا ہے مکاشفہ سر سے اور مشاہدہ روح سے۔

احوالِ رفیعہ:۔ سچا خواب دیکھنا، انبیاء اور فرشتوں کو خواب میں دیکھنا

کشف ہونا، فراستِ صادقہ کا پیدا ہونا، اجابتِ دعا کا ہونا اور کرامت کا سرزد ہونا۔

وصل:۔ اللہ کے ساتھ ایک ذوقی حضور و فیض ہو جانا اور غیر سے ذہول ہو جانا ۔
جب یہ نسبت متصل ہو جاتی ہے تو اسی کو وصل کہتے ہیں۔

اتصال:۔ ماسوائے اللہ سے منقطع ہونے کو اتصال کہتے ہیں۔ ذات کا اتصال ذات نہیں
ہوتا کیونکہ یہ جسم کا خاصہ ہے جس کا خدا کے بارے میں اعتقاد کرنا کفر ہے یہ اتصال
بے تکیف ہوتا ہے۔

اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس

بعض اس اتصال کی مثال قطرے اور سمندر کے اتصال سے دیتے ہیں مگر یہ
مثال غلط ہے کیونکہ قطرہ کا اتصال سمندر سے بے تکیف نہیں ہوتا

غیبت و حضور:۔ اگر کوئی وارد قوی قلب پر آیا خواہ صفاتِ خداوندی کا غلبہ ہو یا عذاب و
ثواب کا خیال ہو اور اس غلبہ سے حواس معطل ہو گئے تو غیبت کہتے ہیں اور جب
ہوش ہو گیا تو اس کو حضور کہتے ہیں یعنی حضور حق، کبھی حضور کی جگہ شہود کہتے ہیں۔

حال:۔ سالک کے دل پر جو کیفیت غیب سے نازل ہو جس میں اس کا کچھ اختیار نہ ہو اس
کو حال کہتے ہیں۔

مقام:۔ سلوک میں استقامت حاصل ہونا۔

حریت:۔ آزادی یعنی نفس کی اطاعت سے نکل جانا۔

خاطر:۔ قلب پر جو بھی خطاب وارد ہو وہ خاطر ہے خواہ منجانب حق ہو یا منجانب ملک
ہو یا منجانب نفس ہو یا منجانب ابلیس ہو

وارد:۔ وارد خاطر سے عام ہے جیسے حزن و سرور و قبض و بسط وغیرہ۔

شطح:۔ غلبۂ وارد سے منہ سے کوئی بات خلافِ شرع نکل جانا۔ یہ ایک نقص ہے کیونکہ
اس میں خاطر کی آخری اقسام کے دخل کا خطرہ ہے جس کا غلبہ موجب حرمان ہو سکتا ہے۔

ابن الوقت:۔ کسی ایسی حالت کا وارد ہو جانا کہ سالک اپنی حالت سے باہر ہو جائے
ایسے سالک کو صوفی ابن الوقت کہتے ہیں۔

استغراق:۔ محو و مستغرق ہو جانا، خواجہ عبداللہ احرار نے فرمایا ہے استغراق سے ترقی بند ہو
جاتی ہے کیونکہ ترقی کا مدار دوام عمل پر ہے اور استغراق سے عمل منقطع ہو جاتا ہے۔

حجاب و وقوف: جو سالک سلوک طے کرتا ہے وہ سالک ہے جو درمیان میں اٹک رہے جو واقف ہے اگر یہ جلد توبہ و استغفار کرکے مشغول نہ ہو تو راجع ہے یعنی واپس کردہ۔ وقوف حجاب ہے۔

لغزش: لغزش کی سات قسمیں ہیں۔ اعراض، حجاب، تفاصل، سلب مزید، سلب قدیم، تسلی اور عداوت۔ اول اعراض ہوتا ہے جو عبادات و ریاضات و عقائد و اعمال وغیرہ میں تکاہل و تکاسل اور دیگر نقائص سے واقع ہوتا ہے اگر استغفار کرکے رجوع نہ ہوا تو حجاب ہو جائے گا اگر پھر بھی باز نہ آیا تو عبادت کی لذت بہت کم ہو جائے گی اس کو سلب مزید کہتے ہیں اور اگر استغفار وغیرہ نہ کیا اور عبادت کی طرف رجوع نہ ہوا تو باقی لذات بھی جاتی رہیں گی اس کو سلب قدیم کہتے ہیں اگر اب بھی توبہ و استغفار نہ کیا اور عبادت پھر رجوع نہ ہوا تو جدائی ہو جائیگی اس کو تسلی کہتے ہیں یعنی بک، سو ہو گیا۔ اگر پھر بھی تائب نہ ہوا تو یہ عداوت ہے۔ خدا محفوظ رکھے۔

معشوق: جو سالک کبھی ہوش میں ہوا اور کبھی بے ہوش رہے۔

ہوش در دم: یعنی انفس پہ ہمیشہ آگاہ و ہوشیار رہے۔

نظر بر قدم: راہ رفت میں پشت پا پر نظر رکھے۔

سفر در وطن: صفات ذمیمہ سے صفات محمودہ کی طرف رجوع کرے۔

خلوت در انجمن: دل بیار و دست بکار رہے۔

یاد کرد: ذکر لسانی و قلبی میں مشغول ہونا۔

باز گشت: ذکر کے بعد ہر بار مناجات کرنا۔

نگاہ داشت: مراقبہ خواطر از خطرۂ ماسوی اللہ۔

یاد داشت: حق کی طرف متوجہ رہنا۔

وقوف زمانی: ہر وقت اپنے حال کی نگرانی رکھنا کہ مختلف نہ ہو۔

وقوف عددی: ذکر میں عدد طاق کا لحاظ رکھنا۔

وقوف قلبی: ہر وقت دل کو مشغول بحق رکھنا۔

تفرید: اپنے اوپر احسان الٰہی کو دیکھنا اور کسی چیز کو اپنی طرف منسوب نہ کرنا۔

عینیت: خدا کا وجود اصل ہے مخلوق کا وجود ظل ہے اصل و ظل میں تعلق ہوتا ہے اس

تعلق کا نام اصطلاح تصوف میں عینیت ہے یہی مطلب ہے لاموجود الا اللہ اور ہمہ اوست کا عینیت کے یہ معنے سمجھنا کہ دونوں ایک ہیں بالکل غلط ہے اور صریح کفر ہے۔

فکر روحی: توجہ قلب کو کہتے ہیں جو حق تعالیٰ کی ذات خاص کی طرف ہو۔

طریق عشق: بعض کو جذب وہبی یا کسی بزرگ کی توجہ و ہمت سے اول نسبت حاصل ہو جاتی ہے اس کے بعد مقامات کی تصحیح ہوتی ہے اس کو طریق کہتے ہیں۔ اس طریق میں عشق سے مراد وہ عشق نہیں جس کو عام طور پر عشق کہتے ہیں۔

وصول: نسبت کا پیدا ہو جانا۔

علوم حقائق و معارف: نسبت قرب حاصل ہونے اور صفائی قلب کی بنا پر کچھ علوم و اسرار کے حالات و آثار نازل ہونے لگتے ہیں ان کو علوم حقائق و معارف بولتے ہیں اور آثار کو احوال کہتے ہیں۔

مشارطہ: روزانہ صبح اٹھ کر تنہائی میں بیٹھ کر نفس کو فہمائش کرنا کہ دن میں یہ یہ نیک کام کرتے رہنا ہیں اور بری باتوں سے بچنا چاہیے۔

محاسبہ: سوتے وقت بستر پر بیٹھ کر نفس سے محاسبہ لینا کہ اس نے مشارطہ کے موافق عمل کیا ہے یا خلاف کیا ہے اگر خلاف کیا ہے تو اس کو زجر و توبیخ کرنا۔

قبض: آثار عظمت و استغنا کے وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہو جانا اس کو تجلی جلالی بھی کہتے ہیں۔

بسط: محبوب کے آثار لطف و فضل سے دل کا مسرور ہو جانا اس کو تجلی جمالی کہتے ہیں۔

وجد: اللہ کی طرف سے جو کیفیت قلب پر وارد ہوتی ہے اس سے سالک کی حالت بدل جاتی ہے اس کو وجد کہتے ہیں۔

وجد و تواجد: اگر صاحب وجد بے خود ہو جائے تو اسے وجد کہتے ہیں اگر سالک بہ تکلف وجد جیسی حالت میں تغیر پیدا کرنے کی کوشش کرے تو اس کو تواجد کہتے ہیں اگر بغرض ریا کرے تو یہ گناہ عظیم ہے۔

تلوین: اگر سالک کو کبھی قبض کبھی بسط کبھی سکر اور کبھی صحو ہو تو اس کو تلوین کہتے ہیں۔

تمکین: اگر بباعث وصول تام قلب کی حالت یکساں رہے تو اس کو تمکین کہتے ہیں۔

تصور شیخ: پیر کی صورت اور کمالات کا تصور کرنا اس سے پیر کی محبت اور اس کے

اتباع کی ترغیب ہوتی ہے یہ عمل مبتدی کے لئے مفید ہے مگر منتہی کے لئے مضر ہے۔ تصورِ شیخ سے یہ مطلب نکالنا کہ پیر حاضر ناظر ہے یا ہمارے حال سے آگاہ ہے غلط ہے اور کفر ہے اس کو برزخ، رابطہ اور واسطہ بھی کہتے ہیں۔

فنا:۔ سالک کے برے اخلاق و اعمال کا زائل ہو جانا۔ اگر فنا بدرجۂ کمال حاصل ہے تو اس کو فنائے حقیقی کہا جائے گا۔

بقا:۔ ان اشیاء سے فنا ہو جائے جو غیر کے واسطے ہیں اور ان اشیاء کے لئے باقی رہے جو اللہ کے واسطے ہیں۔

سکر و صحو:۔ انوارِ غیب کے غلبہ سے جو بے خودی طاری ہو سکر ہے پھر اختیاری حالت کے پیدا ہونے کو صحو کہتے ہیں۔ سکر ہمیشہ نہیں رہتا۔ حالتِ سکر کے افعال و اقوال کا اعتبار نہیں ہوتا۔

کتابت ذہنیہ:۔ ذاکر شاغل کسی چیز پر سونے سے اسمِ ذات لکھ کر اس کو دیکھا کرتا ہے تاکہ دل پر نقش ہو جائے۔ بہتر اور کارآمد یہ امر ہے کہ کبھی کسی آثار و احوال و اصطلاح اور لذت و رغبت سے غرض نہ رکھے ذکر و اشغال میں صحتِ عقائد اور پابندیٔ سنت کے ساتھ مشغول رہے اپنے آپ کو بندہ سمجھے اور تعمیلِ ارشاد میں مشغول رہے۔

اور بھی بہت سی اصطلاحات ہیں جن کا ذکر مختلف بیانوں میں آچکا ہے۔

اعتقاد

جو کچھ خدا کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے ہر کام کا ایک وقت معین ہے اپنے اپنے وقت پر سب کام ہو جاتے ہیں انسان کو چاہئے کہ خدا کی عبادت کرے اپنی حاجتوں کو اسی کے سامنے عرض کرے اگر خشوع و خضوع اور صدق و اخلاص شاملِ حال ہے تو محرومی نہیں ہو سکتی۔ آدمی حاجت کے وقت مضطرب ہو جاتا ہے اس حالتِ اضطراب میں اس سے اگر کوئی کہہ دیتا ہے کہ فلاں درگاہ میں جانے سے مطلب برآری ہو جائے گی تو وہ اہلِ غرض جنون ہر قسم کی باتوں پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام کے ایک فرمان کا مفہوم ہے کہ تمہاری حاجت پوری ہوگی خواہ پتھر پر عقیدہ رکھ کر مانگو اس لئے خدا کے سوا کسی دوسرے کی طرف رجوع نہیں ہونا چاہئے۔

اعراس

صوفی لوگ بزرگوں کے مزاروں پر عرس لگاتے ہیں وہاں بازار لگتا ہے ہر قسم کی اشیاء فروخت ہوتی ہیں طرح طرح کے کھیل تماشے ہوتے ہیں۔ عورتوں اور امردوں کا ناچ گانا ہوتا ہے اس رسم کا قرونِ ثلاثہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا یہ سلطان ناصر محمد بن قلاؤون (۷۲۵ھ) شاہِ مصر کی ایجاد ہے (دیکھو خانقاہ کا بیان) یہ سخت بدعت ہے (دیکھو مشابہت اور قبور کا بیان)۔ شیخ عبدالحق علیہ محدث دہلوی نے اپنے پیرو مرشد کی گفتگو تحریر کی ہے ایک دن اس حقیر نے عرس وغیرہ کے متعلق صحیح سند پوچھی آپ نے فرمایا یہ بات مشائخ اور درویشوں کی داخل عادت رہی ہے اور وہی کرتے رہے ہیں اگرچہ یہ طریقت کے ارکان سے نہیں ہے۔

صاحبِ مصباح القلوب نے عرس کرنے کی سب سے زبردست دلیل یہ دی ہے کہ رسولِ کریم صحابہ کے ساتھ قبروں کی زیارت کو تشریف لے جایا کرتے تھے، اس دلیل کی قوت، معقولیت کے کیا کہنا (برین عقل و دانش بباید گریست) زیارتِ قبور کیلئے چند ایک اشخاص کا کبھی جانا اور بات ہے اور ایک تاریخ معین پر قبر پر اجتماع کرنے، روشنی کرنے، کھانے پینے، گانے بجانے وغیرہ کا انتظام کرنا، بازار لگانا یہ اور بات ہے۔ (ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا) یہود و نصاریٰ کی عادت تھی کہ بزرگوں کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے۔ بوسہ دیتے تھے، غلاف چڑھاتے تھے روشنی کرتے تھے اور خوشبو (عطر) جلاتے تھے، اسی وجہ سے رسولِ اکرم نے فرمایا ہے کہ خدا لعنت کرے یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ کرنے کی جگہ بنا لیا ہے۔ یہی شاہ ولی اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے[۱]۔ رسولِ کریم نے نبیوں کی قبروں کے پاس نماز پڑھنے کو بھی منع فرمایا ہے۔

عرسوں میں لوگ مزارات کے قریب بیٹھ کر قبرستان میں کھاتے پیتے ہیں خواجہ نے فرمایا کہ میں نے امام ابوالخیر کی زندوسی کے روضہ میں لکھا دیکھا ہے کہ رسولِ کریم نے فرمایا ہے جس نے قبرستان میں کھایا پیا وہ ملعون منافق ہے[۲]۔

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ایک شخص قبرستان میں کھا رہا ہے تو فرمایا یہ منافق ہے۔ عرس یہود کی ایجاد ہے یہود نے اول اول حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے مزار پر ان کی تاریخ وفات پر کھانا پکانا شروع کیا۔ یہ مزار عراق میں موضع حلہ

[۱] مطالع الذنوب صفحہ ۵۵ [۲] بلاغ المبین [۳] سوانح عمری خواجہ غریب نواز

سے چند میل کے فاصلہ پر ہے) اسلام میں اس کی نقل دو بادشاہوں نے کی دونوں ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں تھے۔ ایک سلطان قلاؤن شاہ مصر، دوسرے سلطان ابو سعید ابن زین العابدین والی اربل۔ اس نے مولود شریف کا موجودہ طریقہ ایجاد کیا۔ امام سیوطی علامہ معز الدین، حسن خوارزمی، علامہ ابن خلکان، علامہ سبط ابن الجوزی نے بالاتفاق لکھا ہے کہ موجودہ محفل میلاد کا موجد یہی سلطان ہے اس سے پہلے اس قسم کی محفل میلاد نہیں ہوتی علامہ خوارزمی تحریر فرماتے ہیں۔

"اربل کا بادشاہ ابو سعید کوکری ایک شریف بادشاہ تھا یہ بادشاہ مولود نبی ربیع الاول میں مناتا تھا یہ پہلا شخص ہے جس نے محفل میلاد کو ایجاد کیا اور رواج دیا"

علامہ ابن خلکان تحریر فرماتے ہیں۔

"سلطان کی قائم کردہ محفل میلاد کو سن کر لوگ دور دور سے آتے تھے سلطان ان کے لئے لکڑی کے پانچ پانچ منزل کے مکانات بنواتا تھا، صفر کے پہلے ہفتے سے ان مکانات کی آرائش شروع ہو جاتی تھی ان مجلسوں میں گانا بجانا ہوتا تھا"

علامہ سبط ابن الجوزی تحریر فرماتے ہیں

"ان مکانوں میں سلطان ظہر سے عصر تک صوفیوں کے لئے سماع کراتا تھا ان کے ساتھ ناچتا" بعض عرس ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں گانا بجانا نہیں ہوتا نہ کانیں لگائی جاتی ہیں بلکہ صرف قرآن خوانی اور وعظ ہوتا ہے مساکین کو کھانا کھلایا جاتا ہے اگرچہ اس صورت میں بظاہر قباحت نہیں معلوم ہوتی لیکن تعیین یوم کے ساتھ مداومت سے یہی کا لفظ بدعت ہے، قرون ثلاثہ میں اس کا عمل جاری نہیں ہوا اگر کسی طرح اس کو مباح بھی قرار دیا جائے تو وہ فعل مباح جس کے اجراء سے فساد عقائد اور ناجائز امور کے اضافہ کا خطرہ ہو قابل ترک ہوتا ہے یہی صورت ترقی کر کے بعض جگہ قوالی شروع ہو جاتی ہے، چادریں آنے لگتی ہیں اور منتوں کا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے پھر دوسری تمام صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

الواث

محبت دنیا، حب جاہ، ریا، عجب، حسد، کینہ، غصہ، شہوت، دروغ، بخل، خود غرضی ترک اعمال صالحہ اور تمام امور خلاف شرع و سنت بہ مانع راہ سلوک ہیں

امر معصیت

انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی معصوم نہیں ظاہر ہے کہ گناہ بھی سرزد ہو سکتا ہے غلطیاں بھی ہوتی ہیں، اس لئے ہر قول و فعل کو حجت نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ ان کے اقوال و افعال کو کتاب و سنت کے معیار پر جانچ کر قبول کرنا چاہیئے۔

امام قشیری نے تحریر فرمایا ہے[1]

"طالب کو یہ نہ چاہیئے کہ مرشد کے معصوم ہونے کا عقیدہ رکھے"

خواجہ چراغ دہلوی کا قول ہے "مشائخ کا کوئی قول حجت نہیں" قرآن مجید میں ارشاد ہے

" اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء " اس پر چلو جو تمہارے خدا کی طرف سے اترا ہے اس کے سوا اور دوسرے رفیقوں کے پیچھے نہ چلو"

رسول کریم کا ارشاد ہے "لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق"[2] مخلوق کی اطاعت خدا کی نافرمانی میں نہیں ہے یعنی اگر حاکم یا ماں باپ یا پیر کسی گناہ کے کرنے کا حکم دیں تو نہ کرنا چاہیئے لہذا اگر مرشد کوئی حکم خلاف شرع دے تو اس پر عمل نہ کرنا چاہیئے۔

صوفی لوگ خواجہ حافظ شیرازی کا یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید ۔۔۔ کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

میرے نزدیک اس شعر کا تعلق صرف شاعری سے ہے شاعر نے پیر مغاں کی اطاعت کے لئے ایک نفیس مضمون پیدا کیا ہے شعراء پیر مغاں، مغ بچہ، ساقی کے لئے اور دیر میخانہ کو سجدہ کرتے چلے آئے ہیں وہ پیر مغاں کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرتے رہے ہیں دل، دین، جان و مال سب اس کے قدموں پر نثار کرتے آئے ہیں۔ غرض اس قسم کے مضامین کے ادا کرنے میں مذہب و ملت سے غرض نہیں ہوتی۔ پس ایسے اشعار کو اعمال و عقائد میں پیش کرنا دانشمند کا کام نہیں اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ خواجہ حافظ کا واقعی منشا سلوک و تصوف میں ہے تو میں کہوں گا یہ ان کی غلطی تھی خدا ان کی مغفرت کرے اور ان پر رحم فرمائے۔ اس قسم کے اقوال کو تاویلات بعیدہ کے ساتھ مذہب و مسلک سے قریب کرنا بڑی غلطی ہے۔ اسی غلطی کی وجہ سے آج بہت سی خرابیاں نظر آرہی ہیں ہمیں ایسے اشعار کو ان کے ظاہری معنی پر شاعری ہی میں رکھنا چاہیئے۔

خواجہ حافظ کے دیوان میں جس قدر تحریف ہوئی ہے ان پر نظر کرتے ہوئے بھی قطعی

[1] رسالہ قشیریہ [2] شرح السنۃ

طور پر یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ شعر واقعی خواجہ کا ہے یا کسی محرف کی طباعی ہے۔

انا الحق

ما فی الجبۃ الا اللہ، انا الحق، سبحانی ما اعظم شانی اور اسی قسم کے چند اقوال خواجہ بایزید بسطامی وغیرہ بزرگوں کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ بعض لوگوں نے ان کی یہ تاویل کی ہے کہ حالتِ سکر و بے خودی میں ان سے ایسے الفاظ سرزد ہوئے ہیں میں عرض کرتا ہوں یہ اول تو ان روایات کا ان حضرات تک صحت کے ساتھ پہونچنا مشکل ہے اور اگر کسی طرح یہ ثابت بھی ہو جائے کہ ان بزرگوں نے ایسا فرمایا ہے تو بے خودی اور سکر کی بات نہ قابلِ اعتبار ہے نہ لائقِ تقلید ہے، نہ قابلِ ذکر ہے اس کا بیان کرنا دوسروں کو خطرے میں ڈالنا ہے اور دوسروں کے لئے خطرہ پیدا کرنا گناہ ہے اس لئے اس قسم کی باتوں کا تذکرہ کسی طرح مناسب ہی نہیں۔ سکر و صحو کی شدت و کثرت علامتِ نقص ہے، اس لئے اس سے ان بزرگوں کے دامنِ کمال پر بھی دھبہ آتا ہے

اہلِ خدمت

یہ عام طور مشہور ہے کہ دنیا کا ظاہری و باطنی نظام اولیائے کرام سے متعلق ہے اور ہر جگہ اس نظام کو برقرار رکھنے والا اور اس کے مطابق امور کو سرانجام کرانے والا ایک بزرگ موجود ہوتا ہے اس کو صاحبِ خدمت کہتے ہیں۔

یہ خیال صحیح ہے لیکن یہ ضرور نہیں کہ ہر قریہ، ہر قصبہ اور ہر شہر میں صاحبِ خدمت موجود ہو بلکہ ان لوگوں پر مختلف علاقے تقسیم ہوتے ہیں، اس کی اتنی اصل حدیث میں ملتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے

"اہلِ شام ابدال کی وجہ سے بہت سی بلاؤں سے محفوظ ہیں اور ان کو فائدے پہونچتے ہیں"

بزرگوں کے وجود سے عوام کو ضرور فوائد حاصل ہوتے ہیں خواجہ سعدی شیرازی نے فرمایا ہے

"در اقبالِ نیکاں بداں ہم زیند   اگرچہ بداں اہلِ نیکی نیند"

نفحات الانس میں ہے

"آنانکہ اہلِ حل و عقد و سرہنگانِ درگاہ حق اند سی صد تن اند کہ ایشان را اخیار

درچہل مرگمر ایشاں را ابدال "

صاحب خدمت سالک ہوتے ہیں، مجذوب نہیں ہوتے کیونکہ انتظام و عمل صاحب عقل و فہم و فراست کا کام ہے حضرت غوث کبیر سید عبدالعزیز دباغ نے لکھا ہے[1]

" صاحب خدمت مجاذیب نہیں ہوتے البتہ قرب قیامت میں انتظام عالم ان ہی کے سپرد ہو گا لہذا نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا "

ایصال ثواب

مردوں کو مالی و بدنی دونوں قسم کی عبادتوں کا ثواب پہونچتا ہے یعنی تلاوت قرآن، حج اور صدقہ وغیرہ کا ثواب انہیں ملتا ہے اگر کسی بزرگ کو ثواب پہونچانا ہو تو ان کے ایصال ثواب کی نیت سے کچھ پڑھ کر بخش دے یا محتاجوں کو ان کی حاجت کی اشیا فراہم کر دے باقی کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا یا کوئی خاص دن مقرر کرنا یہ امور بدعت ہیں، جب چاہے جس بزرگ کو ایصال ثواب کر دے کھانا یا مٹھائی وغیرہ کی شرط نہیں بلکہ جس چیز کی مساکین کو ضرورت ہو دے دے مثلاً موسم سرما میں کپڑا، ایام قحط میں غلہ ایام وبا میں دوا اور کفن وغیرہ۔

ایصال ثواب کی چند حدیثیں درج ذیل ہیں

(۱) اگر مسلمان میت کی طرف سے کوئی صدقہ کیا جائے یا حج کیا جائے یا غلام آزاد کیا جائے تو اس کا ثواب میت کو اسی وقت پہنچ جائے گا[2]

(۲) جو کوئی قبرستان کی طرف گذرے تو گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھ کر بخش دے جس قدر مردے اس قبرستان میں دفن ہونگے پڑھنے والے کو اسی قدر اجر و ثواب ملے گا[3]

(۳) مرنے کے بعد حج بدل کر دینا، صلہ رحمی اور افضل اعمال سے ہے[4]

بدعت

دین میں ایسا امر داخل کرنا جو بزرگان قرون ثلاثہ کے قول و فعل سے ثابت نہ ہو بدعت کہلاتا ہے

بدعت کے متعلق مشکوٰۃ شریف کی دو حدیثیں قابل غور ہیں

(۱) من احدث فی امرنا ما لیس منہ فہو رد[5] - یعنی دین میں جو کوئی نئی بات ایسی ایجاد کی جائے جو اس میں نہ ہو وہ مردود ہے۔

---

[1] ابریز [2] ابن جریر [3] رافعی [4] بیہقی [5] ابن عساکر

(۴) من عمل ولیس علیہ امرنا فھو مردود" یعنی جو کوئی بغیر ہمارے حکم کے کوئی کام دین میں ثواب سمجھ کر کرے وہ مردود ہے۔

حضرت غوث پاک نے ایک حدیث نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے "جو کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے خدا اور فرشتوں کی اس پر لعنت ہوتی ہے اور اس کا کوئی عمل خدا کے یہاں مقبول نہیں ہوتا"[1]

ایک حدیث حضرت ابوامامہ نے روایت کی ہے کہ رسول کریم نے فرمایا بدعتی دوزخ کے کتے ہیں۔

ایک اور حدیث ہے "کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار" یعنی ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں جانے والی ہے بعض لوگ بدعت کو دو قسموں پر تقسیم کرتے ہیں۔ ایک بدعت حسنہ یعنی نیک کام ایک بدعت سیئہ یعنی کوئی بیہودہ کام لیکن رسول کریم کے ارشاد میں یہ تفصیل نہیں ہے۔ وہاں تو (کل) کا لفظ ہے۔

زیب رائے عزیزاں جہاں خورم کہ مرا حدیث سرورِ کونین برزباں باقی ست

حضرت مجدد صاحب نے مکتوبات جلد اول میں فرمایا ہے:

"بعض علماء نے لکھا ہے کہ بدعت دو قسم پر ہے حسنہ اور سیئہ۔ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرت اور خلفائے راشدین کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہو اور وہ سنت کو رفع نہ کرتا ہو مگر یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بھی بدعت میں حسن ولونانیت کا مشاہدہ نہیں کرتا"

حضرت غوث اعظم نے تحریر فرمایا ہے[2]

جو شخص بدعتی کو اللہ کا مبغوض جانے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا جو کوئی بدعتی کو خدا کا مبغوض جان کر جھڑکے گا خدائے تعالیٰ اس کو قیامت کے دن امن میں رکھے گا جو بدعتی کو حقیر جانے گا خدائے تعالیٰ اس کو جنت میں سو درجے عطا کرے گا، جب خدائے تعالیٰ کسی شخص کو بدعتی سے بغض رکھنے والا جانتا ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس کے گناہوں کو بخش دے گا اگرچہ اس کے نیک عمل تھوڑے ہوں جب کسی بدعتی کو راستے میں دیکھو تو دوسرا راستہ پکڑو رسول کریم نے فرمایا ہے جو شخص کسی بدعتی کا کٹھ کاتا ہے خدائے تعالیٰ اور فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں

[1] غنیۃ الطالبین [2] فتوح الغیب

ہیں۔ سنت کی پیروی کرتے رہو، بدعت نہ نکالو، خدا اور رسول کا کہا مانو، موحد بن جاؤ، اور مشرک نہ بنو۔

بڑا موحد

بعض صوفی کہتے ہیں کہ شیطان سب سے بڑا موحد ہے کیونکہ اس نے خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنا پسند نہ کیا اور آدم کے سجدے سے انکار کردیا یہ وہ قول ہے جس کو بعض کفار معترضین اسلام نے پیش کیا ہے۔

ان کو یہ معلوم نہیں کہ شیطان نے کس وجہ سے سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا اس نے کہا تھا کہ آدم کو میں اسلیے سجدہ نہیں کرتا کہ میں اس سے افضل ہوں کیونکہ اس کی پیدائش منشت خاک سے ہوئی ہے اور میری اصل آتش مشتعل ہے (خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ) اس نے خدا کے سوا کسی دوسرے کے سجدہ کرنے سے انکار نہیں کیا جس کا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی مجھ سے افضل اصل و نسل کا ہو تو میں اسے سجدہ کرسکتا ہوں، اگر موحد ہوتا تو یوں کہتا کہ میں تیرے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرسکتا قرآن نے اس قصے کو کئی جگہ تفصیل سے ذکر کیا ہے جس سے اس کے دو جرم ثابت ہوتے ہیں ایک عدول حکمی دوسرے غرور۔ ان لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ائمہ مفسرین کے اس کے متعلق کیا اقوال ہیں، مستند قول یہ ہے کہ آدم کی ذات کو سجدہ کا حکم نہیں تھا۔ سجدہ تو خدا کے لیے تھا آدم کو سمت قرار دیا گیا تھا جیسے کعبہ سمت قبلہ ہے کعبہ کو سجدہ نہیں کیا جاتا سجدہ خدا کے لیے ہے کعبہ سمت ہے بعض نے اس سجدہ کے معنی صرف سلام لیئے ہیں اس لیے اس سجدہ کی نوعیت ہی متعین کرنی دشوار ہے سجدہ نہایت وسیع المعنی لفظ ہے اصل یہ ہے کہ نہ وہ سجدہ تھا یہ سجدہ نہ یہ سجدہ ہے وہ سجدہ اس کے علاوہ خداوند ذوالجلال نے جو قرآن مجید میں بعض امور کو بیان کیا ہے اس کو ہمارے قریب فہم کرنے کے لیے ہمارے الفاظ و عبارات میں بیان کیا ہے ایک موقعہ پر خود قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ اللہ مثالیں لوگوں کو سمجھانے کے لیے بیان کرتا ہے دوسری جگہ جنت وغیرہ کے ذکر میں ارشاد ہے کہ جن نعمتوں کے نام لیئے گئے ہیں جیسے انار، شہد وغیرہ یہ صرف سمجھانے کے لیئے ہیں۔ "نعمائے جنت تو ایسی ہیں کہ جن کو تمہاری آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر گذریں۔

اس لیئے ہم اس سجدے کو اس سجدہ پر لعین کے ساتھ قیاس نہیں کر سکتے اور اگر وہ سجدہ بھی یہی سجدہ تھا تب بھی اس کو کفر و شرک نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جرم و بغاوت تو اس کا نام ہے جو خلاف فرمانِ سلطان ہو بادشاہ جس چیز کے لیئے امر فرمائے اس کو جرم نہیں کہا جا سکتا

"کہ بے حکم شرع، آب خوردن خطا است ۔ دگر خون بفتویٰ بریزی رواست"

بادشاہ کا حکم ہی قانون ہوتا ہے اور اطاعت اس کی تعمیل حکم ہی میں ہوتی ہے اس کی نظیر خود قرآن مجید میں موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، خضر علیہ السلام کے ساتھ چلے تو خضر نے ایک لڑکے کو بلا وجہ قتل کر دیا جب موسیٰ نے اس کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ کہیں یہ لڑکا ان پر کفر و سرکشی کا اثر نہ ڈالے اس لیئے ہم نے اس کو قتل کر دیا اور یہ بھی فرما دیا کہ میں نے یہ سب کچھ اپنی رائے سے نہیں کیا، گویا الہام و حکم الٰہی سے کیا تو کیا یہ کہا جائے کہ خضر کے ذمہ قتل عمد کا جرم ہے، قتل کی قرآن میں کثرت سے مخالفت و مذمت آئی ہے لیکن چونکہ خضر نے حکم الٰہی سے کیا اس لیئے یہ جرم نہیں اسی طرح اگر سجدہ آدم بھی معروف سجدہ تھا تو حکم الٰہی تھا اس کو کفر و شرک نہیں کہا جا سکتا اگر وہ کفر و شرک ہوتا اور شیطان کا مقصد سجدہ غیر اللہ کا انکار ہوتا تو صاف طور پر کہتا کہ یہ تو شرک ہے میں موحد ہوں تیرے سوا کسی کو سجدہ نہیں کر سکتا مگر یہ نہیں کہا بلکہ اس نے سجدہ نہ کرنے کی وجہ خود بیان کر دی کہ میں آدم سے افضل ہوں اس لیئے تکبر اور اور عدول حکمی کا مرتکب ہوا یہ شیطان کے طرفدار نہ قرآن کو دیکھتے ہیں نہ سمجھتے ہیں جو جی میں آیا بڑ ہانک دی ۔ خداوند ذوالجلال نے ابلیس کے جرائم کو خود بیان فرما دیا ہے اور اس کو سنا دیا کہ تو نے غرور کیا اور عدول حکمی کی ۔ ابلیس نے فرد قرار داد جرم کو سن کر کوئی عذر نہیں کیا، اگر وہ بخیال توحید غیر اللہ کو سجدہ کرنا پسند نہ کرتا تو ضرور کہتا کہ میں تیرے سوا کسی کو سجدہ نہیں کر سکتا۔

بزرگوں کے مراسم

قرآن و حدیث وغیرہ کے احکام کو سن کر اکثر لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے ہم نے تو اپنے باپ دادا یا استاد یا پیر کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔

یہ وہ جواب ہے جو کفار نبیوں کو دیتے رہے ہیں کہ یہ منّت اور کافرانہ رسمیں

تو قدیم سے جاری ہیں۔ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ کفار کا یہ قول نقل کیا گیا ہے اور اسی کی مذمت کی گئی ہے

✓ اگر کوئی شخص مسلمان ہے تو اس کے لئے قرآن و حدیث کے احکام کے سامنے کسی بزرگ، کسی عالم، کسی پیر کا عمل کوئی ہستی نہیں رکھتا اگر کسی بزرگ کا کوئی قول و فعل قرآن و حدیث کے خلاف تھا تو وہ ان کی غلطی تھی اس کی تقلید کر کے لوگ خود بھی گنہگار ہوتے ہیں اور اس بزرگ کے بوجھ کو بڑھاتے ہیں۔ بزرگ معصوم نہیں ہوتے ہم کو چاہیئے کہ بزرگوں کے خلاف شریعت، اقوال و افعال سے اجتناب کریں اور ان کے لیے دعائے مغفرت کریں۔

بیعت

بیعت کی اصل رسول کریم سے ثابت ہے اس لیے بیعت ہونا سنت ہے۔ اولیائے کرام سے بیعت کی تین قسمیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) بیعت طریقت:۔ یعنی تعلیم طریقت کے حاصل کرنے اور منازلِ سلوک کے طے کرنے کی غرض سے بیعت کی جائے۔

(۲) بیعتِ توبہ:۔ یعنی کسی شخص سے معاصی سے بچنے کے لیے توبہ کرائی جائے۔

(۳) بیعتِ تبرک:۔ کوئی شخص کسی خاص سلسلہ یا کسی شیخ سے برکت کے خیال سے بیعت کرے۔

بیعت کرنا سنت ہے اور مفید ہے لیکن خدا تک پہنچنے کے لئے کسی سے بیعت ہونا لازمی نہیں۔ اعمالِ صالحہ اور اتباعِ سنت سے یہ مرتبہ بغیر بیعت کے بھی حاصل ہو جاتا ہے مگر راہ دشوار گزار ہے اس لیے کسی واقفِ راہ سے ہدایات حاصل کرنا بہتر ہے

گر ہوائے این سفر داری دلا دامنِ رہبر بگیر و پس بیا

بیعت کرنے میں پیر اپنے ہاتھ میں مرید کا ہاتھ لیتا ہے۔ مگر عورت کا ہاتھ نہیں پکڑا جاتا بلکہ اس کے ہاتھ میں مرشد اپنی چادر وغیرہ دے دیتا ہے۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا صرف بیعت لیتے تھے جب وہ عہد کو لیتی تھی تو فرماتے تھے میں نے تجھے بیعت کر لیا حضرت چشتی اپنے خلیفہ خواجہ نظام الدین اولیاء اورنگ آبادی کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"وقتِ بیعت دامنے بر دست دارد کہ مسِ اجنبیہ حرام است"

خلافتِ راشدہ کے بعد سلاطین نے بیعت لینی شروع کی۔ مشائخ نے بخوفِ سلاطین اس کو ترک کر دیا اور صرف صحبت و تعلیم و تعلم پر ہی مدار کار کیا۔ خواجہ جنید بغدادی نے اس سنت کو زندہ کیا شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں ؏

"پس ارتباط صوفیہ صافیہ در زمنِ اول بصحبت و تعلیم و تادب بہ آداب و تہذیب نفس بودہ است نہ بخرقہ و بیعت و در زمنِ سید الطائفہ جنید بغدادی رسم خرقہ ظاہر شد و ازان رسم بیعت پیدا گشت"

بیعت ایسے شخص سے کرنی چاہیئے جو صحیح العقیدہ ہو جس کا ظاہر شریعت سے آراستہ ہو، مولانا روم فرماتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ۔۔۔ پس بہر دستے نباید داد دست

پانچوں پیر

ہندوستان میں دستور رہے کہ جب کوئی حاجت یا مشکل پیش آتی ہے تو پانچوں پیروں کو مناتے ہیں یعنی ان کی نذر نیاز کر کے ان سے مدد چاہتے ہیں

ایک گیت کے سلسلہ میں مجھ کو اس کی تلاش ہوئی کہ پانچوں پیر کون ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے تعین میں اختلاف ہے۔

اضلاعِ اودھ کے پانچ پیر:- سالار مسعود غازی[۱]۔ خواجہ اجمیری[۲]۔ خواجہ بدیع الدین[۳] شاہ مدار۔ بابا فرید الدین گنج شکر[۴]۔ خواجہ علاؤ الدین صابر[۵]

پنجاب کے پانچ پیر:- داتا گنج بخش۔ خواجہ اجمیری، شمس الدین تبریزی۔ خواجہ گنجِ شکر۔ سلطان نظام الدین اولیاء۔

دکن کے پانچ پیر:- بابا شرف الدین۔ یوسف شریف شاہ۔ خواجہ گیسو دراز۔ غوث پاک۔ خواجہ اجمیری۔

لاہور میں اورنٹیل کالج کی دیوار سے ملحق جو ایک سڑک ہے وہاں ایک مزار ہے اس پر لکھا ہوا ہے۔ "شیخ شہاب الدین بخاری پانچوں پیر" میں نے سجادہ نشین سے اس لقب کی وجہ دریافت کی تو وہ کچھ نہ بتا سکا کہنے لگا لاہور میں اور بھی چند مزارات کا یہ لقب ہے، میں نے بہت جستجو کی مگر مجھے کہیں بھی اس لقب کی کوئی وجہ نہ معلوم

؏ انتباہ فی سلاسل اولیاء

ہوسکی۔ صاحب جامع اللغات نے یہ پانچ پیر لکھے ہیں۔ حضرت علی۔ امام حسن، امام حسین۔ امام حسن بصری۔ خواجہ کمیل بن زیاد۔ اور چار پیر بھی لکھے ہیں۔ ان میں حضرت علی کے سوا باقی چاروں حضرات کے نام ہیں یورپین مؤرخین نے بھی پانچ پیر لکھے ہیں جو جامع اللغات میں ہیں

اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ گمراہ فرقے کے لوگوں نے صوفی بن کر لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا تھا لہذا خواجہ ابو عبداللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم کو پانچ پیروں کی اقتدا کرنی چاہیئے خواجہ حارث محاسبی۔ خواجہ بایزید بسطامی۔ خواجہ جنید بغدادی۔ خواجہ عمر بن عثمان مکی۔ اور خواجہ ابو العباس ابن عطار۔

خواجہ جنید بغدادی کی تو سب ہی نے تعریف کی ہے سب نے ان کو تسلیم کیا ہے اور ان کی تقلید پر فخر کیا ہے۔

تبذیر

کسی موقع پر یا کسی حاجت میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اس کا نام تبذیر اور اسراف ہے قرآن مجید میں فضول خرچ کرنے والوں کو شیطان کا بھائی فرمایا ہے رسول کریم اور اولیائے عظام نے بھی اسراف کی مذمت فرمائی ہے لہذا وہ امور جن میں تبذیر ہوتی ہے ناجائز ہیں عرسوں میں خصوصیت سے بڑی تبذیر ہوتی ہے۔

تخلیہ و تحلیہ

انسان میں دو قسم کے اوصاف ہیں ایک محمود دوسرے مذموم، محمود کو ترقی دینے اور مذموم کو ترک کرنے سے ولایت حاصل ہوتی ہے محمود کے ترقی دینے کو تحلیہ اور مذموم کے ترک کرنے کو تخلیہ اور تحلیہ کہتے ہیں۔ اس طریق تحصیل کو تصوف کہتے ہیں۔

تربیت مرید

ہر مرید کی تعلیم و تربیت اس کی استعداد و حالات کے موافق ہوتی ہے سب کی ایک ہی طرح نہیں کی جاتی جس طرح کہ چند مریض ہوں تو طبیب حاذق ہر ایک کی عمر و مزاج اور درجہ بخار وغیرہ کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ نسخہ تجویز کرتا ہے ایک ہی نسخہ ہر مریض، طفل و برنا و پیر اور مرد و زن کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مرشد، ہر مرید کے حسب حال ایسے اشغال و اعداد تعلیم کرتا ہے جو اس کی صفائی قلب کے لئے مفید ہوتے

ہیں۔

اطباء کی طرح اولیائے کرام کے اصولِ تشخیص و علاج میں بھی اختلاف ہے لیکن مقصد سب کا ایک ہی ہے البتہ طرزِ تعلیم جدا جدا ہے خواجہ علی ہجویری تحریر فرماتے ہیں[1]

"ہر چند کہ اندر معاملات و مجاہدات و ریاضات ایشاں مختلف اند اندر اصول و فروع شرع و توحید موافق اند"

مولانا روم فرماتے ہیں:۔

ہر نبی و ہر ولی را مسلکیست لیک تا حق می برد جملہ یکے است

کیسا ہی سعید الفطرت آدمی ہو کیسا ہی ذی علم و صاحبِ ہوش ہو کیسا ہی باہمت و جواں مرد ہو، اگر اس کے سامنے اصلاحات کثیرہ کو ایک دم پیش کر دیا جائے تو وہ ضرور گھبرا جائے گا اور اس کی ہمت ٹوٹ جائے گی، اس لئے پیر و مرشد تعلیم اصلاحات کا سلسلہ تھوڑا تھوڑا کر کے شروع کرتا ہے تاکہ ایک دم ناقابلِ برداشت بار نہ پڑ جائے

حضرتِ انسان کا یہ بھی خاصہ ہے کہ کتنی ہی مفید کتنی ہی اچھی، کیسی ہی سہل کوئی چیز ہو اگر ایک ہی چیز پر ہر وقت مشغول رہنے کی تاکید کی جاتی ہے تو وہ اس سے بہت جلد اکتا جاتا ہے، اسلئے بزرگوں نے ہر وقت خداوند کریم کی طرف مشغول رہنے کے لئے یہ تجویز کیا ہے کہ طالب کو کچھ ذکر، کچھ دعائیں کچھ نوافل اور کچھ تلاوت بتاتے ہیں، اس طرح دن رات کی خانہ پری کر دیتے ہیں کہ وہ ایک ہی چیز سے گھبرا نہ جائے۔ ان چیزوں کو کرتے کرتے جب وہ محنت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے اور ذکر وغیرہ سے اس کو انس ہو جاتا ہے، اور اس کے قلب کو ایک گونہ سکون و اطمینان حاصل ہو جاتا ہے تو پھر نماز روزہ، حج، زکوٰۃ اور تلاوتِ قرآن کے سوا کچھ نہیں رہتا بالآخر وہ بنی آدم کا خادم اور مصلح بن جاتا ہے جب تک اس میں کافی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی اس وقت تک اس کو مختلف اذکار و اشغال میں مصروف رکھا جاتا ہے اور عام صحبتوں سے بچایا جاتا ہے تاکہ کسی خلافِ شرع امر اور کسی بد اخلاقی کی طرف مائل نہ ہو جائے

ترکِ اعمالِ صالحہ

بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ جب سالک تمام منازلِ سلوک طے کر لیتا ہے تو وہ ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ پھر اسکو نیک اعمال کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اور وہ

[1] کشف المحجوب

اعمالِ صالحہ کو ترک کر دینا ہے یہ عقیدہ اباحیہ فرقہ کا ہے۔

ایک شخص نے حضرت جنید سے سوال کیا کہ کیا اہلِ معرفت ترکِ اعمالِ صالحہ کے مقام تک بھی پہونچ جاتے ہیں تو حضرت نے فرمایا[۱]

"میرے نزدیک چوری کرنا اور زنا کرنا اس سے بہتر ہے کہ ایسا قول اختیار کیا جائے"

بعض کہتے ہیں کہ ہم نے ریا کی وجہ سے اعمالِ صالحہ کو ترک کر دیا ہے لیکن خواجگان کبار نے فرمایا ہے کہ اگر ایسا خیال ہو تو اور زیادہ عبادت کرے غرض نیکیوں کو چھوڑنا کسی طرح مناسب نہیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت واثلہ بن اسقع صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کوئی شخص خدا کا تقرب بغیر نمازِ پنجگانہ کے حاصل نہیں کر سکتا[۲]

ترکِ دنیا

دنیوی تعلقات کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) محمود:۔ ان تعلقات کو اختیار کرنا اور احکامِ شریعت کے مطابق انجام دینا عبادت ہے اور باعثِ تقربِ الٰہی ہے

(۲) مباح:۔ ان کو قائم رکھنے میں کچھ نقصان نہیں کم کرنے میں فائدہ ہے۔

(۳) مذموم:۔ ان کا ترک کرنا لازم ہے بزرگوں نے جہاں کہیں ترکِ دنیا فرمایا ہے اس کا مطلب انہیں تعلقات کا ترک کرنا ہے۔

دنیوی تعلقات کو اس طرح ترک کرنا جو قانونِ قدرت اور انسانی فطرت کے خلاف ہو صوفیا کے اسلام کا شعار نہیں اسلام نے جس طرح تصفیہ نفس کی طرف توجہ دی ہے اسی طرح جسم کی بھی رعایت کی ہے اور انسان کو دنیوی حظوظ سے متمتع ہونے سے نہیں روکا بلکہ اپنی خواہشات پر قبضہ رکھتے ہوئے حظوظِ دنیاوی سے اعتدال کے ساتھ موافق احکامِ شرع شریف متمتع ہونے کا حکم دیا ہے بعض صحابہ نے صوم دوام اور ترکِ لذات کا ارادہ کیا تو حضور نے منع فرمایا۔ قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے[۳] "اس چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو جس کو خدا نے حلال قرار دیا ہے"۔ بغیر کسی عذرِ شرعی کے کسی امرِ حلال کا ترک جائز نہیں اور اصلی صوفی کبھی اس کو روا نہیں رکھتے۔

حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ رسولِ کریم نے فرمایا زہد یہ نہیں ہے کہ حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرے اور نہ یہ کہ مال کو اڑا دے[۴]

[۱] تلبیس ابلیس [۲] اربعین اعظم مصنفہ صارم [۳] سورہ تحریم پ ۲۸ ع ۱ [۴] تیسیر صفحہ ۱۸۹

یعنی ترکِ حلال اور اسراف یہ دونوں زہد کے خلاف ہیں۔ مصنف عبد الرزاق میں روایت ہے کہ حضور نے فرمایا ہے (من یتبتل فلیس منا) جس نے دنیا کو ترک کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے

کشمیر میں ایک ہندو درویش ہردے رشی نام تھے یہ مشرف باسلام ہوئے اور ریاضت شاقہ اختیار کی۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے، گوشت نہ کھاتے تھے، ہرچند سعی کرتے تھے۔ منزلِ مقصود کی راہ نہ پاتے تھے مجبور ہو کر شیخ حمزہ سہروردی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرضِ حال کیا۔ شیخ نے ان کو گوشت کھانے کی ہدایت کی انہوں نے شیخ کے حکم کی تعمیل کی اور تھوڑے سے ہی عرصہ میں مدارجِ اعلیٰ پر پہونچ گئے ستر برس کی عمر میں ۹۹۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

تسبیح

تسبیح کی اصل بعض روایات سے قوت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے لیکن بعض علماء نے اس کو بدعت کہا ہے

شیخ ابو عبد اللہ محمد الانباری نے تسبیح کے رواج کا ذکر بدعات میں کیا ہے ایک روایت ہے کہ رسولِ کریم نے نماز و دعا کی شمار کے لئے سنگریزوں کے استعمال کو منع فرمایا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر نے بھی سنگریزوں کے استعمال کو منع فرمایا ہے ایک حدیث میں ہے کہ رسولِ کریم نے اپنی ایک زوجہ کو تسبیح کے ذریعہ سے عملِ استخارہ کی تعلیم فرمائی تھی۔

حصن حصین میں ایک حدیث ہے کہ رسول کریم ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ان کے سامنے چار ہزار گٹھلیاں رکھی ہیں اور وہ ان پر گن گن کر سبحان اللہ پڑھ رہی ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری صحابی رضی اللہ عنہ کنکریوں پر گن کر پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ کے پوتے نے بیان کیا کہ دادا کے پاس ایک دھاگہ تھا اس میں دو ہزار گرہیں لگی ہوئی تھیں اس پر پڑھا کرتے تھے۔

ملا علی قاری محدث نے اس قسم کی احادیث سے تسبیح کا جواز ثابت کیا ان کے دلائل المدخل کے دلائل سے قوی ہیں

۱؎ المدخل

شمار کرکے پڑھنے کو تو حضور نے کئی مرتبہ ارشاد فرمایا ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سبحان اللہ، الحمد للہ، اور اللہ اکبر تینتیس تینتیس بار پڑھنا تعلیم فرمایا۔

خواجہ عمر مکی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرشد امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تو فرمایا ہم اس کو ابتدا کے حال میں استعمال کرتے تھے لہذا ہم نے اس کو انتہا میں بھی نہ چھوڑا۔

خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے اسباب سے تسبیح نکلی تھی۔

غرض تسبیح کا رواج عہد رسالت اور زمانہ صحابہ سے ہے مولانا عبد الحی مرحوم نے تسبیح کے متعلق ایک رسالہ نزہتہ الفکر لکھا ہے اس میں ذکر کیا ہے کہ امام حسن بصری سے لے کر مولانا تک ہر بزرگ نے اپنے ہر مرید کو تسبیح عطا فرمائی ہے۔

ایک عباسی خلیفہ نے بھی اپنی ماں سے کہا تھا کہ آپ اپنا وقت نماز اور استعمال تسبیح میں صرف کریں۔ اصطلاح الصوفیہ میں تسبیح کو ذکرہ، یعنی یاد دلانے والی کہتے ہیں۔

تسبیح کا استعمال چونکہ اعمال صالحہ سے ہے اس لئے ضرور ہے کہ کسی متقی کی ایجاد ہو گی مگر مجھ کو اس کے موجد اور عہد ایجاد کے متعلق کچھ تحقیق نہ ہو سکا۔

تسبیح کی ایک قسم سلیمانی کہلاتی ہے مشہور ہے کہ سلیمان علیہ السلام دست ۱۰۰۰ قبل مسیح کی تسبیح اس طرح کی تھی

اسرائیلیات میں روایت ہے کہ حضرت مریم نے پطرس حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تسبیح کے رواج دینے کی ہدایت کی تھی (غالباً یہ بحالت خواب کا واقعہ ہے) حضرت مسیح کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد عیسائیوں میں تسبیح کا رواج ہو گیا تھا۔ مگر یہ کہیں مذکور نہیں کہ ان تسبیحوں میں کتنے دانے تھے بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت مسیح کے قرن اول میں قبطی عیسائیوں نے تسبیح کا استعمال شروع کیا

تبت میں کثرت سے ایسے ڈورے دستیاب ہوتے ہیں جن میں صندل سیپ اور دیگر اقسام کے دانے پروئے ہوتے ہیں انہیں کو دیکھ کر لوگوں نے تسبیح کو بدھ مذہب والوں کی ایجاد کہا ہے گوتم بدھ حضرت سلیمان علیہ السلام سے چار سو برس اس کے بعد گزرا ہے۔ اس لئے یہ خیال صحیح نہیں۔

تشطیح

تشطیح کے معنی لغت میں بے حیائی کرنے کے ہیں اور قدیم صوفیائے کرام کی اصطلاح میں کلمات خلاف ظاہر شرع زبان پر لانے کو کہتے ہیں۔

متصوفین کہتے ہیں کہ جوش، جذب اور بے شعوری میں ایسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں۔ بہر صورت یہ کوئی کمال نہیں بلکہ دلیل نقص ہے اور قابل افسوس ہے

تقرب

یعنی جنگلوں پہاڑوں وغیرہ میں رہنا اس کو حضور نے منع فرمایا ہے حضرت عثمان مظعون رضی اللہ عنہ نے حضور سے عرض کی میرا جی چاہتا ہے کہ پہاڑوں میں جا کر عبادت کروں تو حضور نے منع فرما دیا۔

حضور ایک مرتبہ ایک جہاد کے سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے راستے میں ایک غار پڑا وہاں سبزہ زار تھا اور چشمے جاری تھے ایک صحابی نے عرض کی میرا جی چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر یہاں عبادت میں مشغول ہو جاؤں، حضور نے فرمایا میں یہودیت اور نصرانیت کے لئے مبعوث نہیں ہوا تمہارا جہاد میں شریک ہونا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے تمہارا جہاد میں کھڑا ہونا ایک سال کی نماز سے بہتر ہے امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ سے ایک روایت لکھی ہے[1] کہ انہوں نے سات گناہ کبیرہ بتائے ہیں ان میں ایک بادیہ نشینی بھی ہے

تعظیم تبرکات

اس زمانے میں بزرگوں کے آثار و تبرکات کی جس طرح تعظیم کی جاتی ہے وہ بھی معصیت ہے۔ تبرکات کا صحیح ثابت ہونا مشکل ہے حضرت آدم علیہ السلام سے سلسلہ بہ سلسلہ ایک لاٹھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر تک پہونچی تھی جو انہوں نے حضرت موسیٰ کو دی تھی، حضرت موسیٰ سے جب اللہ پاک نے دریافت کیا کہ تیرے ہاتھ میں یہ کیا ہے تو حضرت موسیٰ نے اس کی حقیقت صرف اس قدر بیان کی کہ یہ میری لاٹھی ہے اس سے سہارا لیتا ہوں، بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور کاموں میں بھی یہ کام آتی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس درخت کے نیچے بیٹھ کر بیعت الرضوان لی

[1] ادب المفرد

تھی جب لوگ اس کی زیارت کو جانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کٹوا دیا۔

اکثر تبرکات جو مشہور ہیں مصنوعی ہیں اگر تحقیقی طور پر کوئی تبرک اصلی ثابت ہو جائے تو دل میں اس کا ادب و احترام رکھے ایسی حرکت نہ کرے کہ جس سے عوام کسی شبہ میں مبتلا ہوں نہ کوئی ایسی حرکت کرے جس سے اس کی توہین ہو۔

تلاوتِ قرآن

قرآن مجید کی تلاوت موجبِ تقرب ہے حفظ پڑھنے سے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت اس وقت تک کچھ مفید نہیں جب تک آدمی اس کے معنی و مطلب کو نہ سمجھ سکے یہ خیال صحیح نہیں ہے قرآن مجید کی تلاوت بہر صورت مفید اور ضروری ہے عہدِ رسالت سے آج تک مسلمانوں کا یہی عمل رہا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے خداوند ذوالجلال کو خواب میں دیکھا، عرض کی، الٰہی تیرا قرب کیونکر حاصل ہو سکتا ہے ارشاد ہوا تلاوتِ قرآن سے، امام صاحب نے عرض کی کہ سمجھ کر یا بے سمجھے، ارشاد ہوا دونوں طرح

رسولِ کریم کے عہد میں تمام صحابہ تعلیم یافتہ نہ تھے مگر قرآن سب کو پڑھایا جاتا تھا اسی طرح عہدِ صحابہ میں بھی جبکہ ایران و افریقہ وغیرہ ممالک میں لوگ مشرف با سلام ہوئے تو وہ عربی سے واقف نہ تھے لیکن ان کے لئے درسِ قرآن کے مدارس قائم کئے گئے اب سے پچیس تیس برس پہلے تک تمام ہندوستان میں مسلمانوں کا یہ عمل تھا کہ بچوں کو اول قرآن پڑھاتے تھے۔ ناخواندہ مسلمان بس نماز کی ضرورت سے پارۂ عم کی چھوٹی چھوٹی سورتیں حفظ کر لیتے تھے۔

توجہ

پیر کی توجہ سے قلب سعادت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے توجہ سے ولایت نصیب نہیں ہوتی یہ امر باختیارِ خداوندِ ذوالجلال ہے جب ریاضت و مجاہدات اور پابندیٔ سنت سے انسان کا قلب صاف ہو جاتا ہے اس وقت مرشد کا ایک اشارہ کافی ہو جاتا ہے جس طرح اس طالب علم کا کام استاد کے معمولی اشارے سے چل جاتا ہے جو خود محنت سے سبق کا مطالعہ کر کے آتا ہے مگر بغیر عبادت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

کارکن کار بگذر از گفتار　　اندریں راہ کار باید کرد

توحید

صوفی لوگ توحید کا بڑا دعویٰ کرتے ہیں اور اس کو ایسے انداز سے بیان کرتے ہیں کہ صاحب علم کو بھی اس کے سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے کم علم کم فہم ان کی باتوں کو سن کر حلول و اتحاد کے گڑھے میں گر جاتے ہیں جس شخص کو ذرا بھی عقل ہو گی اور اس نے قرآن و حدیث اور اولیائے عظام و صوفیائے کرام کے اقوال کو دیکھا اور سمجھا ہو گا اس کو ثابت ہو گیا ہو گا کہ اسلام اور اسلام کا مسلک تصوف، خالص توحید کا مذہب ہے اور اس کی توحید نہایت صاف ہے جس میں کچھ اینچ پینچ نہیں۔ غیر مسلم محققین نے بھی اس کا اقرار کیا ہے کہ اسلام کی توحید نہایت سہل و صاف ہے۔

اسلام نے نہایت صفائی و شستگی سے بتایا ہے کہ خدا ایک ہے نہ خدا بندوں سے ہے نہ خدائی کی مخصوص صفات بندوں میں ہیں نہ خدا بندوں میں حلول کر سکتا ہے نہ بندہ خدا میں مل سکتا ہے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام نے جو توحید کے متعلق بیان فرمایا ہے ہم ان کے اقوال نقل کرتے ہیں اسی طرح معرفت وغیرہ کے متعلق بھی لکھا جائے گا۔

خواجہ اویس قرنی رحمتہ اللہ (۳۷ھ) فرماتے ہیں۔

"وحدت یہ ہے کہ غیر کا خیال نہ کرے۔"

خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمتہ اللہ علیہ (۲۵۸ھ) فرماتے ہیں

"توحید نور ہے۔"

شاہ شجاع رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "توحید خاص یہ ہے کہ دل میں یہ خیال رکھے کہ وہ کسی دربار میں ٹھہرا ہے۔"

خواجہ ابو محمد رویم رحمتہ اللہ علیہ (۳۰۳ھ) فرماتے ہیں "توحید حقیقی حق تعالیٰ کی دوستی و محبت میں فنا ہوتا ہے۔"

خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "توحید خدا کا جاننا ہے۔"

خواجہ عبداللہ جلا رحمتہ اللہ علیہ (۳۰۶ھ) فرماتے ہیں "توحید حقیقی خدا کی دوستی اور محبت میں فنا ہو جانا ہے۔"

خواجہ ابوالحسن شلبخی رحمتہ اللہ علیہ (۳۰۹ھ) فرماتے ہیں "توحید یہ ہے کہ تو جانے کہ اس کی مثل کوئی ذات نہیں"۔

خواجہ ابوالعباس سیاری رحمتہ اللہ علیہ (۳۴۲ھ) فرماتے ہیں "توحید یہ ہے کہ تیرے دل میں خدا کے سوا کوئی خیال نہ آئے"۔

خواجہ علی ہجویری داتا گنج بخش (۴۶۵ھ) رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "توحید جدا دانستن قدیم بود از حادث یعنی آنکہ قدیم را محل حادث ندانی و حادث را محل قدیم و بدانی کہ حق، قدیم است و تو محدث و از جنس تو ہیچ چیز بدو نہ پیوندد و از صفات او ہیچ چیز اندر تو بنیامیزد کہ قدیم را بہ محدث مجانست نباشد"۔

خواجہ عبد اللہ احرار رحمتہ اللہ علیہ (۸۹۵ھ) فرماتے ہیں

"توحید چیست بگو خلاصی دل از غیر حق سبحانہ"۔

بعض صوفیہ نے توحید کے چار درجے قرار دیئے ہیں ۱۔ توحید ایمانی:۔ زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرے کہ خدا ایک ہے اور صرف وہی معبود ہے ۲۔ توحیدِ علمی:۔ یہ یقین کرے کہ موجودِ حقیقی صرف ذاتِ باری ہے اور ہر ایک صفت و ذات اسی نور کا پرتو ہے ۳۔ توحید حالی:۔ خدا کی محبت میں ایسا محو ہو جائے کہ خدا کے سوا اس کو کچھ نظر نہ آئے یہاں تک کہ اپنی ہستی کا بھی خیال نہ رہے ۴۔ توحیدِ الٰہی:۔ یقین کرے کہ خدا ہمیشہ سے واحد ہے اور ہمیشہ واحد رہے گا۔ بعض نے توحید کی تین قسمیں کی ہیں ۱۔ توحیدِ ذاتی:۔ خدا کے سوا کوئی موجودِ حقیقی نہیں ہے۔ دنیا کی تمام موجودات ایک ہی ہیں صورت کا فرق ہے جیسے مٹی سے مختلف برتن بنائے جائیں تو حقیقت سب برتنوں کی ایک ہی ہوگی یعنی مٹی۔ ۲۔ توحیدِ صفاتی:۔ یہ یقین کرے کہ خدا کے سوا کوئی موصوف نہیں جتنے اوصاف ہیں سب اسی کے ہیں مثلاً عظمت، قدرت اور جلال وغیرہ۔

۳۔ توحید فعلی:۔ خدا کے سوا کوئی فاعل نہیں۔ توحیدِ الٰہی کی باعتبار مدارج تین قسمیں مقرر کی گئی ہیں ۱۔ وجودی: سالک پر توحیدِ حالی کی کیفیت طاری نہ ہوتی ہے اور وہ توحیدِ ذاتی کے قابل ہو جاتا ہے ۲۔ شہودی:۔ سالک پر توحید علمی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے آنکھوں سے حجابات دور ہو جاتے ہیں اور ہر جگہ خدا

ہی کا جلوہ نظر آتا ہے اس کا منشاء ہمہ ازوست ہے اور ہمہ اوست وحدۃ الوجود توحید ذاتی کا منشاء ہیں۔

اصل یہ ہے کہ سالک پر توحید کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ ایک وجدانی اور ذوقی چیز ہوتی ہے وہ اس کو ظاہر نہیں کر سکتا اور ظاہر کرنا بھی چاہے تو اس کو کسی زبان میں ایسے الفاظ میسر نہیں آ سکتے جن سے صحیح مفہوم ادا ہو سکے صوفیا اس درجہ کو فنا فی التوحید کہتے ہیں صاحب فوز المرام لکھتے ہیں "کہ عارفین کے لئے جو حالت توحید کی پیدا ہوتی ہے یہ ایک کیفیت وجدانی اور ذوقی ہے عبادت میں آنا اس کا دشوار ہے جب اس کیفیت کو بیان میں لایا جاتا ہے تو سوائے ایسے الفاظ کے نہیں ملتے جن سے وہم و گمان حلول و اتحاد کا ہو اور وہ لوگ بری اس بات سے ہیں کہ ان کی مراد ان الفاظ سے حلول و اتحاد ہے"۔

توسل

بنی اسرائیل میں جب قحط واقع ہوتا تو وہ اپنے نبی کے اہل بیت کے توسل سے دعا مانگا کرتے تھے۔

ابن عساکر نے لکھا ہے کہ رسول کریم کے بچپن میں ایک بار امساک باراں ہوا تو ابو طالب حضور کو کعبہ میں لے گئے اور آپ کے توسل سے دعا مانگی تو پانی برسا۔

حضرت انس بن مالک سے بخاری شریف پارہ ۴ کتاب الاستسقاء میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط پڑا کرتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ عم رسول اکرم کے وسیلے سے دعا کیا کرتے تھے۔

لیکن امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم اس طرف گئے ہیں کہ اموات و قبور کا توسل جائز نہیں لیکن بہت سے اکابر محدثین اور علماء نے ان کی مخالفت کی ہے اور یہی کہا ہے کہ ایک امر کا منقول نہ ہونا اس کے عدم جواز پر دلالت نہیں کرتا اصل وسیلہ کا جواز شرع سے ثابت ہے۔ ہمارے بزرگ علماء اولیاء اور صوفیا توسل کرتے چلے آئے ہیں، خواجہ سعدی فرماتے ہیں۔

خدایا بحق بنی فاطمہ	کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ
بہ تکبیر مردان شمشیر زن	کہ مردون مارا شمارند زن

بہ لبیک حجاج بیت الحرام | بہ مدفون یثرب علیہ السلام
بہ طاعات پیران آراستہ | بصدق جوانان نوناستہ

مشکواۃ شریف میں ہے کہ رسولِ اکرم بتوسلِ فقرائے مہاجرین جہاد میں فتح کے لئے دعا کیا کرتے تھے

توکل

توکل نام ہے کسی کام کو پورے اور پکے ارادے عزم و استقلال و تدبیر و سعی کے ساتھ سر انجام کرنے اور یہ یقین رکھنے کا اگر اس میں ہمارے لئے بہتری ہے تو خدا وند کریم ہم کو کامیابی عطا فرمائے، آیت و شاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین کا یہی مطلب ہے آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے

"کام میں ان سے مشورہ کرو پھر جب پکا ارادہ کرلو تو خدا پر بھروسہ رکھو اللہ بھروسہ رکھنے والوں کو محبوب رکھتا ہے"[1]

توکل کی تعلیم مسلمانوں کو اس لئے دی گئی ہے کہ ان میں کمزوری اور غرور پیدا نہ ہو یعنی باہم مشورہ کرکے اتفاق و ہمت و استقلال کے ساتھ کام شروع کریں اور خدا پر بھروسہ کریں کہ وہ ہماری محنت و ہمت و تدبیر کو راست لائے اگر وہ حسب منشا پورا ہو جائے تو قوت تدبیر پر مغرور نہ ہوں بلکہ اس کو فضلِ خداوندی سمجھیں اور اگر نتیجہ خلاف ہو تو ہمت نہ ہاریں بلکہ مصلحتِ خداوندی سمجھ کر صبر کریں

آج کل صوفیوں نے توکل کا نام رکھا ہے ترک تدبیر اور ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھنے کا اور لوگوں کے دستِ کرم پر بسر کرنے کا یہ خیال اور طریقہ بدھ وغیرہ مذاہب کے نقیروں اور راہبوں کا ہے اسلام میں اس قسم کے توکل کا نام و نشان نہیں بلکہ اس کو مذموم سمجھا گیا ہے۔ رسولِ کریم نے کسی پر بار ہونے کو منع فرمایا ہے۔

حضرت عمر نے فرمایا "اے فقیرو کام کرو اور مسلمانوں کے بھروسہ پر نہ رہو"

رسولِ کریم کے پاس ایک شخص کسی مقام سے ملنے آیا آپ نے اس سے دریافت کیا تمہاری اونٹنی کہاں ہے اس نے کہا توکل پر چھوڑ دی آپ نے فرمایا اس کو باندھ دو پھر توکل کرو[2] اسی واقعہ کے متعلق مولانا روم نے فرمایا ہے

گفت پیغمبر بہ آوازِ بلند | بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

---

[1] سورہ آلِ عمران [2] کنز العمال جلد دوم

حضرت ابن ابی الدنیا وغیرہ نے حضرت معاویہ بن قیرہ صحابی سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس کچھ لوگ آئے آپ نے فرمایا تم کون لوگ ہو انہوں نے کہا ہم متوکل ہیں حضرت عمرؓ نے کہا "تم غلط کہتے ہو متوکل وہ آدمی ہے جس نے خدا کے بھروسہ پر کھیت میں دانہ ڈالا ہے تم متاکل ہو" یعنی کھانے والے ہو۔

حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر وقت اسی کارسازِ حقیقی پر راضی رہ جو تیرا کام بناتا ہے اسی کا نام توکل ہے۔

خواجہ فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ، فرماتے ہیں متوکل وہ ہے جو خدا پر بھروسہ رکھے اور جو کچھ کرے اس کا نہ خدا پر اتہام لگائے اور نہ اس کی شکایت زبان پر لائے

امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ پر یقین واثق رکھنے کو توکل کہتے ہیں"

خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ توکل مانع کسب نہیں زیادہ کسب اس واسطے کرے کہ اگر بیمار ہو تو کام آئے مر جائے تو تجہیز و تکفین میں خرچ ہو"

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں"

گر توکل مے کنی در کار کن   کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

خواجہ اجمیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں متوکل وہ ہے جو خلق سے رنج اٹھائے نہ شکایت کرے نہ کسی سے کچھ کہے"

ایک احمق درویش ایک جنگل میں پہونچا دیکھا کہ ایک بے دست و پا لومڑی پڑی ہے حیران ہوا کہ یہ کس طرح زندہ ہے اور اس کو کس طرح رزق پہونچتا ہے ٹھہر گیا شام کے وقت ایک شیر آیا اس نے ہرن شکار کیا اور کھا پی کر چلتا بنا لومڑی گھسٹتی گھسٹتی آئی اور بچا ہوا گوشت کھا کر سیر ہو گئی، درویش نے سوچا کہ ہم کو بھی محنت کرنے کی ضرورت نہیں خدا خود رزق پہونچائے گا یہ خیال کر کے وہیں بیٹھ گیا کئی دن تک کھانے کو کچھ نہ ملا تو نڈھال ہو کر رونے لگا اتفاق سے ایک بزرگ آ گئے انہوں نے رونے کا سبب پوچھا اس نے تمام واقعہ بیان کیا بزرگ نے فرمایا کمبخت تجھ سے بے دست و پا لومڑی کی ریس کرتی آئی اس شیر کی ریس نہ کی گئی جس نے دوسروں کو بھی کھلایا۔

"شیری بن کے نکل صورتِ روباہ نہ ہو"

چار ضرب

چار ضرب کو ہمارے یہاں چار ابرو کا صفایا بھی کہتے ہیں ایران میں بدعو مذہب رائج تھا اس مذہب کے فقراء چار ابرو کا صفایا کراتے تھے اس لئے وہاں یہ اصطلاح قرار پائی، ہندو جوگیوں میں بھی اس کا رواج ہے یعنی داڑھی، مونچھ، سر، بھوں سب کو منڈا دیتے ہیں مسلمان گمراہ فرقوں میں یہ رسم بقول مقریزی سنہ ۶۱۰ھ سے دمشق سے شروع ہوئی ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کی بعض شاخوں میں اور سلسلۂ قلندریہ میں اس کا رواج ہے جو سراسر گناہ ہے اور فقر و درویشی و تصوف کے خلاف ہے۔

حصول مقامات

مقامات کے حاصل کرنے کے لئے جو ریاضت کی جاتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک ریاضت اجمالی یعنی قلتِ طعام، قلتِ مقام، قلتِ کلام، قلتِ اختلاط انام اور دوسری ریاضتِ تفصیلی یعنی کثرت اذکار و اشغال و مراقبات وغیرہ

حلول و اتحاد

حلول یعنی خدا کا کسی جسم میں آجانا جس کو ہندو اوتار کہتے ہیں، اتحاد یعنی خدا اور بندے کا ایک ہوجانا،

یہ دونوں صورتیں صریح اسلام کے خلاف ہیں اور اولیائے متقدمین نے ان کا رد کیا ہے خواجہ حارث محاسبی سنہ ۲۴۳ہجری نے فرمایا ہے "حق تعالیٰ منجز نہیں ہے کہ وہ کسی میں حلول کر جائے آمیزش اور اتحاد ذات قدیم کے لئے جائز نہیں"[1] صاحب فوز المرام لکھتے ہیں "تصریح کیا ہے سادات قوم اہلِ تصوف کفر کی اس شخص کے جو قائل ہے ساتھ حلول اور اتحاد کے یعنی خدا اپنے بعض بندوں میں حلول کرتا ہے اور بعض بندوں سے متحد ہوتا ہے قابل اتحاد و حلول کا ہونا جیسا کہ علماء ظاہر کے پاس کفر ہے ایسا ہی علمائے باطن کے پاس کفر ہے اس لئے کہ معنے حلول کے یہ ہیں کہ ایک چیز میں آنا اور معنی اتحاد کے یہ ہیں کہ ایک چیز دوسری چیز کے ساتھ ہوجانا"[2]

آئمتِ موسوی کے گمراہ فرقوں نے عینیت و اتحاد کو ایجاد کیا پھر وہ حلول پر آگئے مسلمانوں میں یہ خیال سنہ ۲۷۰ھ میں فرقہ رازمعیہ سے چلا کم علم صوفی مسئلہ وحدۃ الوجود کا منشاء یہی سمجھے اور انہوں نے بزرگوں کے بعض ان دلائل کو جو انہوں نے عینیت

---

[1] تذکرۃ الاولیاء [2] فوز المرام صفحہ ۱۲۱

وانحاد وحلول کے خلاف لکھ کر وحدۃ الوجود کو قائم کیا تھا اس طرح وسعت دی کہ بیان میں انکار تو عینیت وانحاد وحلول سے کرتے ہیں مگر دلائل کا رخ اسی طرف ہے اہل علم محتاطِ شعرائنے مضمون میں لذت پیدا کرنے کے لیئے اس مسئلہ کو لیا مگر نہایت احتیاط سے ادا کیا

آں یار عینِ ماست نہ از روئے اتحاد   ایں خانہ پر از وست ولیکن نہ از حلول

حضرت شاہ نیاز احمد صاحب فرماتے ہیں،

جس طرح پانی ہے قطرہ، خاک ہے ذرہ تمام + اس طرح سے سب ہی ہے اتحاد و بے حلول

لیکن یہ مثالیں بھی ناکامیاب ہیں ان سے مقصدِ بیان صاف نہیں ہوتا بہر حال یہ شاعری ہے اور یہاں شاعری سے بحث نہیں ہے

خداوند کریم بلا حلول اپنی ذات وصفات کے خلق میں اس طرح ظہور فرما ہے جس طرح کاتب کا ظہور مکتوب میں ہے متکلم کا ظہور کلام میں ہوتا ہے خلق مظہر اور خالق ظاہر ہے۔

اے بروں از حد قال وقیل من   خاک بر فرق من وتمثیل من

اس مسئلہ کو بیان کرنا اور اس پر بحث کرنا صحیح نہیں کیونکہ اصل مقصد کی کافی وضاحت کے لئے الفاظ وعبارت کا میسر آنا دشوار ہے اور اس کا سمجھنا ارکانِ تصوف میں سے بھی نہیں ہے نہ راہ سلوک میں اس سے کچھ مدد ملتی ہے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا حضرت آدم نے قابیل کو جلا وطنی کی سزا دی۔ انوش بن شیث بن آدم کے عہد میں بطور یادگار ہابیل شہید کا مجسمہ بنایا گیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ کعبہ میں جو بت ہبل نام لقب تھا وہ یہی مجسمہ تھا، قینان بن انوش کے زمانے میں اس مجسمہ کی پرستش شروع ہوئی اور یہ خیال قائم کیا گیا کہ اس میں خدا حلول کر گیا ہے اسی عہد میں اولادِ قابیل نے آتش پرستی شروع کی (شاید اس کی وجہ یہ نشانی بنی کہ آسمان سے ایک شعلہ ظاہر ہوتا تھا جو قربانی کو جلا دیتا تھا) یہ گروہ آگ میں انوار الٰہی کا قائل ہوا ان دونوں گمراہ فرقوں میں اتفاق پیدا کرنے کے لئے مہلائیل بن قینان کے عہد میں اتحاد کا مسئلہ ایجاد ہوا ان فرقوں کے ابطال واصلاح کے لئے اللہ پاک نے حضرت ادریس علیہ السلام بن یارد بن مہلائیل کو مبعوث فرمایا۔ مسلمانوں میں حلول کا عقیدہ ۱۳۲ھ ہجری سے اس طرح پیدا ہوا کہ ابو مسلم خراسانی جو بنی امیہ کا مخالف

تھا اور بنی عباس کا حامی تھا اس نے خراسان میں ایک گروہ اپنے سیاسی خیالات کی موافقت میں بنایا تھا جب بنی امیہ کی سلطنت برباد ہو گئی اور بنی عباس حکمران ہو گئے تو ابو مسلم اور اس کے خاص خاص ہم خیال آدمی سلطنت کی اہم سیاسی خدمات کے لئے مختلف اقطاع کو چلے گئے راوند (علاقۂ خراسان) میں کچھ جہلاء میں یہ خیال پیدا ہوا کہ خلیفہ منصور عباسی (جو ۱۳۷ھ میں تخت نشین ہوا) کے اندر خدا حلول کر گیا ہے خلیفہ منصور کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اس گروہ کے چھ سو آدمیوں کو قتل کرایا تو اس فرقہ کے لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ظاہر میں اپنے عقائد کو چھپانے لگے اور خفیہ طور پر لوگوں کو تلقین کرنے لگے کہ حق وہی ہے جو ہمارا عقیدہ ہے خلیفہ عام مسلمانوں کے خوف سے ہم پر سختی کرتا ہے ان کے اس عقیدے سے دو عقیدے پیدا ہوئے ایک کتمانِ حق کا عقیدہ دوسرے یہ کہ مذہب کا ظاہری علم اور ہے اور باطنی علم اور ہے یہ فرقہ راوندیہ مشہور ہوا چونکہ بنی امیہ، بنی عباس اور علویوں میں مخالفت و رقابت تھی لہذا ہر گروہ کے متبعین اپنے خیالات کی تائید کے لئے حدیثوں میں تلبیس و تدلیس کرنے لگے۔ نئی نئی حدیثیں وضع کرنے لگے اور اپنے مقصد کے مفید مسائل گھڑنے لگے۔ چنانچہ حلول و تقیہ و اتحاد اور ظاہر باطن کی تعلیم کے علیحدہ علیحدہ ہونے کے خیالات اس فرقے سے پیدا ہوئے

خانقاہ

اس لفظ کی اصل کے متعلق بعض نے لکھا ہے کہ یہ فارسی لفظ خان گاہ ہے یعنی سردار کے رہنے کی جگہ۔ اہلِ عرب نے اس کو معرب کر کے خانقاہ بنا لیا۔ دائرۃ المعارف بستانی میں لکھا ہے کہ یہ اصل میں خونقاہ تھا یعنی وہ کمرہ جس میں بادشاہ کھانا کھاتا ہے۔

بعض نے اس کی اصل لفظ (خنق) کو لکھا ہے جس کے معنے ہیں تنگ کرنا، چونکہ گوشہ نشینی سے نفس پر تنگی ہوتی ہے اس لئے گوشہ نشین فقراء کے مسکن کو خانقاہ کہنے لگے۔

یہودی عیسائی بدھ وغیرہ مذاہب کے فقراء آبادی سے علیحدہ عبادت خانہ بناتے تھے اس میں وہ اور ان کے چیلے ریاضت و مجاہدات کرتے تھے۔

عہد رسالت میں حضرت عثمان بن مظعون صحابی نے اپنے لئے عبادت خانہ علیحدہ

تعمیر کرایا رسولِ کریم کو خبر ہوئی تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا کہ میں رہبانیت کے لئے مبعوث نہیں ہوا۔

حضرت عثمانِ غنی کے عہد خلافت میں زید بن صبرہ نے ایک عبادت خانہ بنایا۔[۱]
امام ابن تیمیہ نے بحوالہ امام معمر بن زیاد لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی خانقاہ[۲] بصرے میں بنائی گئی اس سے مراد غالباً وہ مکان ہے جو خواجہ حبیب عجمی نے دریا کے کنارے اپنے رہنے اور عبادت کرنے کے لئے بنایا تھا۔

نفحات الانس میں صوفی ابو ہاشم کے ذکر میں لکھا ہے کہ رملہ (شام) کے ایک عیسائی امیر نے صوفیوں کے رہنے کے لئے جنگل میں ایک مکان بنایا تھا

حضرت رابعہ بصری (۱۸۵ھ) کا عبادت خانہ بھی علیحدہ تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ خانقاہ ۲۰۰ھ ہجری سے اس مکان کو کہنے لگے جہاں صوفی رہتے تھے اور ان کے پاس زائرین اور طالب آتے تھے مقریزی[۳] نے لکھا ہے کہ نظام خانقاہی ۴۰۰ھ سے قائم ہوا سلجوقیوں کے عہد حکومت میں بزمانہ وزارت نظام الملک[۴] (۴۵۶ھ) اس کا عام رواج ہو گیا۔ رباطات[۵] تعمیر کرا کر صوفیوں کے لئے وقف کی گئیں۔ قاہرہ (مصر) کا باب السعید بھی خانقاہ کے نام سے مشہور تھا۔ سلطنتِ فاطمیہ کے زمانہ میں اس کا نام دار سعید السعداء پڑا ۵۶۹ھ میں یہ صوفیوں کے لئے وقف کر دیا گیا اور اس کا نام دویرۃ الصوفیہ ہو گیا یہاں کے شیخ کو شیخ الشیوخ کہتے ہیں۔

محمد بن قلاؤن شاہ مصر شکار سے واپس آ رہا تھا راستے میں ایک جگہ گھوڑے سے گرا صحت یاب ہونے پر اس نے ایک عظیم الشان خانقاہ تعمیر کرائی جس کی تکمیل ۷۲۵ھ میں ہوئی اس عمارت میں امراء کے محلات کی طرح مکانات اور کمرے اور سامانِ آرائش تھا پھر یہاں اس نے ایک بازار خانقاہ کے متصل لگایا۔

پھر مصر میں امراء کو خانقاہیں تعمیر کرانے کا شوق ہو گیا رفتہ رفتہ یہ رواج تمام عالم اسلام میں پھیل گیا سلاطین نے خانقاہوں کے لئے جاگیریں وقف کیں جن سے مدارس قائم تھے طلباء اور مسافروں کے اخراجات چلتے تھے اسی میں سے شیخ خانقاہ بھی کچھ رقم اخراجات کے لئے لیتا تھا اب نہ مدارس ہیں نہ غرباء اور نہ صادر و وارد کی امداد ہے۔ سجادہ نشین رئیسانہ زندگی بسر کرتے ہیں قلندرانِ پیران چشتیہ کے یہاں خانقاہیں

---

۱ مقریزی جلد چہارم ۲ فتاوی ابن تیمیہ جلد دوم صفحہ ۵۹ ۳ جلد چہارم صفحہ ۲۷۱ تا ۲۷۲ ۴ بر صفحہ ۲۳۱ کتاب ہند ۵ فتاوی ابن تیمیہ جلد چہارم

نہ تھیں چنانچہ سلطان المشائخؒ نے بابا فرید کا قول نقل کیا ہے۔
"پیران ما را رسم خانقاہ نہ بود" [1]

حضرت زید بن صبرہ جن کے عبادت خانے کا ذکر ابھی گزر چکا ہے اس کے متعلق علماء نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے آبادی کے اختتام پر اپنے رہنے کے لئے مکان تعمیر کیا تھا اور اسی میں ایک کمرہ مسجد کے لئے بنایا گیا تھا جہاں انکے گھر کے آدمی اور مہمان وغیرہ نماز ادا کرتے تھے۔

یہی صورت حضرت رابعہ بصری کی خانقاہ کی تھی دیگر بزرگانِ متقدمین کی خانقاہوں کی بھی یہی صورت تھی کہ شیخ اہل و عیال کے ساتھ آبادی سے باہر ایک مکان میں رہتا تھا اسی میں مہمان خانہ، مسجد اور مدرسہ ہوتا تھا۔

خرقہ

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو عمامہ عطا فرمایا۔ خرقہ و دستار، خلافت و دستارِ فضیلت کی اصل یہاں سے ہے

دائرۃ المعارف میں بھی طبرانی سے عمامہ بندھوانے کی اصل مذکور ہے یہ جو مشہور رہا ہے کہ خرقہ کی ایجاد حضرت علی رضی اللہ سے ہے یہ صحیح نہیں علامہ ابن خلدون نے بھی مقدمۂ تاریخ میں یہی لکھا ہے، بلکہ اس کی ابتدا خواجہ جنید بغدادی سے ہے شاہ ولی اللہ نے انتباہ فی سلاسل الاولیاء میں لکھا ہے "خرقہ کی اصل عمامہ سے ہے کہ آنحضرت نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو عطا فرمایا بیعت کی اصل خود آنحضرت سے مستفیض، متواتر اور یقینی ہے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔ زمانہ اول میں علمائے کرام کا ارتباط احادیث کو سننے اور دل میں محفوظ کرلینے سے تھا اس کے بعد کتابیں تصنیف ہوئیں۔ قرأت، مناولہ، اجازت اور وجادت جاری ہوئی سلسلوں کا ارتباط ان سب امور میں صحیح ہے ان سب باتوں کی سنت سنیہ میں اصل ہے چنانچہ قرأت کی اصل عبد اللہ بن مسعود سے ہے اعرابی کا سوال اور مناولہ کی اصل آنحضرت کے فرمان لکھنے اور مناولہ صحیفہ، عبد اللہ بن جحش بطور اجازت و وجادت کے اصل ہیں۔

حاشیہ صفحہ ۳۱۸ ؎ سلجوقیوں کی حکومت پانچویں صدی ہجری میں قائم ہوئی اس کے دو دار السلطنت تھے ایک نیشاپور دوسرا مرو ۴۶۵ھ میں جلال الدین ملک شاہ بن الپ ارسلان سلجوقی تخت نشین ہوا اس کا وزیر نظام الملک تھا ؎[1] فوائد الفواد

جن کا بیان کتب حدیث میں ہے، غرض صوفیہ کی رسم قدیم ہے کہ اپنے دوست کو خرقہ پہناتے ہیں خواہ کلاہ خواہ عمامہ خواہ قمیص، خواہ قبا خواہ چادر، خواہ ازار جو کچھ میسر ہو۔ ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی میں بھی خلفاء کو مصلّی وغیرہ دینے کا ذکر ہے۔

غرض خرقہ کی ایجاد خواجہ جنید بغدادی سے ہے لیکن خرقہ علامت ولایت نہیں ہے خود خواجہ جنید ہی نے فرمایا ہے کہ (لا اعتبار للخرقۃ) یعنی خرقہ کا اعتبار نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ خرقہ کی کئی قسمیں ہیں ۱۔ خرقہ اجازت:۔ جب کسی مرید کو مجاز طریقت کرتے ہیں تو دیتے ہیں ۲۔ خرقہ عطا:۔ کسی بات پر خوش ہو کر کسی کو کوئی کپڑا وغیرہ عطا کرتے ہیں۔

۳۔ خرقہ محبت:۔ سلسلہ کی وجہ سے خرقہ دے دیتے ہیں۔

۴۔ خرقہ تبرک:۔ کسی کو تبرکاً دے دیتے ہیں

خرقہ طلب کرنے پر بھی بوجہ مروت دے دیا جاتا ہے اس میں مرید ہونے کی شرط نہیں غیر کو بھی دے دیتے ہیں۔ رسول کریم جانتے تھے کہ عبداللہ بن ابی منافق ہے لیکن طلب کرنے پر اس کے لئے اپنا ملبوس عطا فرما دیا حضور نے بعض اصحاب کو چادر وغیرہ بھی عطا فرمائی ہے۔ حضرت خالد کو حضور نے اپنے دست مبارک سے ایک کپڑا پہنایا تھا یہ امر محبت سے تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے خواجہ ابوالحسن خرقانی سے ان کا کرتا تبرکاً طلب کیا خواجہ نے عطا فرما دیا۔ امیر کبیر خواجہ علی ہمدانی نے سلطان قطب الدین بادشاہ کشمیر کو بغیر طلب کلاہ عطا فرمائی، خواجہ امیر خورد رحمتہ اللہ علیہ نے سیر الاولیاء میں عطائے خرقہ کی تین قسمیں لکھی ہیں

(۱) خرقہ ارادت:۔ جو اشارہ غیبی پر دیا جاتا ہے

(۲) خرقہ ہدایت:۔ پیر کسی مرید کو تکمیل تعلیم پر یا آثار رشد و ہدایت دیکھ کر اپنے اجتہاد سے خرقہ عطا فرماتا ہے

(۳) خرقہ تبرک:۔ اس میں کوئی خصوصیت نہیں ۲۔۳ کے متعلق خواجہ نے لکھا ہے "اس میں خطا بھی ممکن ہے" اسلئے ۲/۳ پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، خواجہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان المشائخ نے فرمایا: میں نے بہت سے لوگوں کو خرقہ دیا ہے ان میں چار شخص ایسے ہیں جن کو خرقہ ارادت دیا باقی تبرکاً ہیں ایسا ہی قول خواجہ بہاؤالدین

ملتانی کا نقل کیا ہے

سیر الاولیاء میں خرقہ کے بیان میں یہ بھی لکھا ہے کہ خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو خرقہ پہنا کر کہا ہمارے پیر جو ہمارے ساتھ بجالائے تھے وہی ہم تمہارے ساتھ بجالائے باقی کام اللہ کا ہے۔

غرض ولایت و کمالِ باطن کا معاملہ خرقہ پر نہیں بلکہ استقامتِ سنت اور محبتِ خدا و رسول کریم پر ہے

صوفی نہ ہمہ صافی و بے غش باشند　　　اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشند

(حافظ)

خطاب

بعض بزرگوں نے مرید کے ریاضات و عبادات سے خوش ہو کر ان کو خطاب دیا ہے جیسے سلطان المشائخ نے ایک مرید کو سلطان الذاکرین خطاب دیا۔ خطاب کا رواج اسلام میں ابتداء سے ہے تابعین میں حضرت ابو مسلم خولانی کو حکیم الامت اور حضرت اویس قرنی کو خیر التابعین خطاب دیا گیا حضور علیہ السلام نے حضرت خالد بن ولید کو سیف اللہ اور ابو عبیدہ بن الجراح کو امین الامت خطاب دیا، رسول کریم نے فرمایا ہے کہ اولاد کے اچھے نام رکھو مشکوٰۃ میں قیس بن ابی غرزہ سے روایت ہے کہ پہلے لوگ سوداگروں کو سمسار (دلال) کہا کرتے تھے رسول کریم نے اس کی جگہ تاجر لقب عطا فرمایا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی کا کوئی نام برا ہو یا خلافِ شرع ہو تو مرشد کو چاہیئے کہ اس کو بدل دے جیسے بدھو، جھا، پیر بخش، مدار بخش وغیرہ مرشد، مرید کے لئے اچھا خطاب تجویز کرے آجکل کے صوفیوں میں اس قسم کے خطاب مروج ہیں جن کو سن کر شرم آتی ہے جیسے گدڑ شاہ بھیڑ شاہ، گدھے شاہ وغیرہ ہندو فقیروں میں بھی خطاب ہوتے ہیں بعض اچھے معنوں کے حامل ہوتے ہیں جیسے سچے بابا، رام سوامی، دیانند وغیرہ بعض ایسے بھی ہیں جو برے ہیں جیسے سرپ گر، بینڈے بابا، بورے گسائیں، سانپ گرو پاگل سائیں وغیرہ

خلافت

نسبتِ قویہ کے حاصل ہونے پر خلافت و مشیخت کا ادنیٰ درجہ حاصل ہو جاتا ہے اکثر بزرگ یونہی خلافت عطا فرما دیتے ہیں لیکن زیادہ تر اس کا انحصار اشارۂ غیبی پر ہے حضرت سلطان المشائخ کے ایک مرید بہت زیادہ ذکر و شغل میں مشغول رہتے تھے۔

حضرت نے بہت چاہا کہ ان کو خلافت عطا کریں مگر اوپر سے ایماء نہ ہوا تو حضرت نے بظاہر ان کی دلداری اور ان کے مرتبہ کے بلند کرنے کے لئے ان کو سلطان الذاکرین خطاب عطا فرمایا۔

ایک بزرگ کی خدمت میں ایک مسافر حاضر ہوا، بیعت کی درخواست کی حضرت نے بیعت فرما کر ساتھ ہی خلافت عطا فرما دی اس پر ایک مرید نے بگڑ کر کہا کہ حضرت ہم کو سر مارتے برس گزر گئے اور کچھ نہیں ملا اور ایک راہ چلتا آیا مالا مال ہو کر گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ امر میرے اختیار میں نہیں ہے اتفاقاً وہاں اس وقت ایک بچہ کھیلتا ہوا آ گیا ایک طرف کو اینٹوں کا ڈھیر پڑا تھا حضرت نے بچہ سے فرمایا کہ ایک ایک اینٹ ان دونوں کے سامنے رکھ دے بچہ نے اسی طرح تعمیل کی کہ مسافر کے سامنے ثابت اینٹ رکھ دی اور ان صاحب کے سامنے آدھی لا کر رکھ دی حضرت نے ان سے فرمایا میری کیا خطا ہے میں نے تو اس سے یہ کہا تھا کہ ایک ایک اینٹ دونوں کے سامنے لا کر رکھ دے مگر اس نے آپ کے سامنے آدھی اینٹ لا کر رکھ دی تو میں کیا کروں۔

شیخ سلیمان کشمیری اور ان کے بیٹے شیخ احمد خوش خواں دونوں حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کے مرید تھے تعلیم حاصل کر رہے تھے اور ریاضت و مجاہدات میں مشغول تھے ایک دن حضرت نے بیٹے کو خلافت عطا فرما دی اور باپ سے کہا۔

"ریش سفید موجب خلافت نشود کا بعنایت حق است"

پھر بیٹے کو حکم دیا کہ باپ کی تربیت کرے۔

جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے اور عہد نبوت سے بعد ہوتا جاتا ہے اسی قدر ظلمت بڑھتی جاتی ہے اور قحط الرجال ہوتا جاتا ہے اسی لئے متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ جس مرید کو بھی دیکھا کہ کچھ صاحب علم ہے اور عقائد صحیح رکھتا ہے اذکار و اشغال کی مشق بہم پہنچا چکا ہے حسن ظن پر بشرط پابندی شریعت اجازت دے دیتے ہیں اگرچہ اس طرح پر سلسلہ کا تحفظ اور راہ خیر کا تکثر بھی ہوتا ہے لیکن انتخاب میں خطا کا بھی احتمال ہے ایسے لوگوں کا بزرگان سلف کے طریق سے منحرف ہو جانا ممکن ہے اور اس جانچ اس طرح کی جاتی ہے کہ اگر شخص مذکور پابند سنت ہے تو انتخاب صحیح ہے ورنہ غلط ہے ایسے منحرف ہونے والے لوگوں کو جو ابتدا میں کچھ ضیا نصیب ہو جاتی ہے

وہ مخالفتِ سنت سے زائل ہو جاتی ہے۔ قاضی محی الدین کاشانی ایک عالم پابندِ سنت تھے سلطان المشائخ نے ان کو خلیفہ مقرر کیا تو خلافت نامہ میں یہ بھی لکھ دیا "اگر تم نے شریعت کی پابندی کی تو اس صورت میں تم میرے خلیفہ ہو۔"

خواجہ

زمانہ قدیم میں یہ لقب امراء و وزراء کا ہوتا تھا پھر بوجہ عظمت بزرگانِ دین کے ناموں کے ساتھ بھی یہ لفظ مستعمل ہونے لگا اس زمانے میں اس لقب کی اس قدر کثرت ہے کہ خواجگان کا شمار مشکل ہے جس کا جی چاہتا ہے اپنے نام کے ساتھ یہ خطاب شامل کر لیتا ہے اکثر وہ لوگ جن کا نسلی تعلق کسی بزرگ سے ہے یا کسی درگاہ کی خدمت ان کے حصے میں آئی ہے اپنے نام کے ساتھ اس کو شامل کر لیتے ہیں اور عوام اس خطاب سے مرعوب ہو کر ان کو بزرگ سمجھنے لگتے ہیں۔

درجاتِ اولیاء

قرآن مجید میں اہل ایمان کے لئے مسلمین، مومنین، صالحین، ابرار، اخیار، اولیا، فقراء، شہداء اور اتقیا، یہ القاب آئے ہیں حدیث میں بزرگان ملت کے لئے محدث، متکلم، ابدال، اوتاد، قطب، غوث، مجدد اور نقبا وغیرہ القاب آئے ہیں نام یاد نہیں رہا ایک کتاب میں دیکھا تھا کہ قطب و ابدال وغیرہ یہ القاب بھی قدیم ہوں گے صاحب فوز المرام نے امام ابو حنیفہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ابدل و اقطاب و نجبا رتھے امام شافعی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ابدال تھے مگر وفات سے قبل قطب ہو گئے تھے۔

شریح بن عبید سے روایت ہے کہ رسول کریم نے فرمایا کہ شام میں ابدال رہتے ہیں جو تعداد میں چالیس ہوتے ہیں۔ مشکوٰۃ کی اس حدیث کی شرح میں صاحب مظاہر حق نے ایک روایت حضرت ابن عمر سے نقل کی ہے کہ اختیار امت پانسو مرد ہیں اور ابدال چالیس ہیں۔ اور ایک روایت اسی قسم کی ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے بطریق مرفوع نقل کی ہے۔ مشکوٰۃ میں امام مہدی کے حال میں ایک روایت ہے کہ ابدالِ شام و عصائب عراق (دس اولیاء) ان سے بیعت کریں گے، حاشیہ مشکوٰۃ پر بحوالہ مرقاۃ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ تین سو آدمی قلب آدم علیہ السلام پر چالیس قلب موسیٰ پر سات قلب ابراہیم پر پانچ قلب میکائیل پر اور ایک

عا مشکوٰۃ حاشیہ صفحہ ۵۸۳ باب ذکر یمن و شام فصل ثالث مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۵۱ھ

قلب اسرافیل پر ہے یہ حدیث مرفوع ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابدال کے علاوہ اور کئی سو صاحب درجات اولیاء ہیں خاندان نقشبندیہ میں جو لطائف ستہ کی تعلیم ہے اس میں ہر لطیفے کا تعلق کسی ایک ہستی سے ہے اس حدیث سے اس کی اصل نکلتی ہے۔

طبرانی میں حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ پانسو آدمی ہر زمانے میں اخیار امت ہوں گے اور ابدال چالیس ہوں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے حضرت علی سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو سات نجباء یا نقباء مرحمت فرمائے ہیں مگر مجھے چودہ نقباء دیئے گئے ہیں ہم نے عرض کیا وہ کون ہیں فرمایا۔ میں[۱] میرے[۲] دونوں بیٹے[۳،۴] جعفر[۵]، حمزہ[۶]، ابوبکر[۷]، عمر[۸]، مصعب بن عمیر[۹]، بلال[۱۰]، سلمان[۱۱]، عمار[۱۲]، مقداد[۱۳]، حذیفہ[۱۴]، عبداللہ بن مسعود[۱۵]

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ وہ قیامت کے دن نقیبان محمدی میں شمار کیا جائے گا[۲]

حضرت ابی الطفیل سے روایت ہے کہ ابدال شام میں اور نجباء کوفہ میں ہوں گے۔ حضرت علی سے روایت ہے کہ اوتاد کوفہ میں اور ابدال شام میں ہوں گے۔ ایسی ہی ایک روایت انس سے ہے۔ عبداللہ بن محمد سے اسی قسم کی روایت ہے اس میں نقباء، نجباء، ابدال، اخیار، عمد (اوتاد) اور غوث یہ درجات مذکور ہیں (کتاب عوارف القلوب والارواح[۳])

میں اس قسم کی بہت سی حدیثیں لکھی ہیں۔ تعجب ہے علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں لکھا ہے کہ بعض گمراہ فرقوں نے بجائے اماموں اور نقباء کے ابدال مقرر کئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ موصوف کو حدیث نہیں پہونچی۔ کتاب تاریخ تصوف اسلام میں ڈاکٹر محمد مصطفےٰ مصری نے ابن خلدون کے حوالہ سے یہی لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب بھی علم حدیث سے کچھ زیادہ بہرہ ور نہ تھے ہر صدی پر ایک مجدد ہوتا ہے

مجدد کا رتبہ بہت بلند ہے کیونکہ اس کے ذمہ اصلاح امت اور تصحیح اعمال وعقائد کی خدمت ہوتی ہے اس کی اس خدمت ذمہ داری خود حدیث سے ثابت

---

۱ ترمذی ۲ تاریخ طبری ۳ صفحہ تا ۴ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۰ھ ۵ صفوۃ الصفا جلد دوم تصنیف حضرت شاہ عبدالعزیز

ہے دیگر اولیاء کے متعلق ایسی صاف تصریح نہیں ہے۔ فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ یہ درجات بھی مشہور ہیں۔ فنا فی الشیخ سے یہ مطلب ہے کہ پیر سے زیادہ محبت رکھے اس کے اتباع سے رسول کی محبت پیدا ہوگی پھر فنا فی الرسول یعنی محبت رسول سے خداوند کریم کی محبت حاصل ہوگی اور اس محبت سے وہ محو و مستغرق ہو کر فنا فی اللہ ہو جائے گا۔

جب اسلامی تصوف ہندی قالب میں ڈھالا گیا تو یہ ضروری تھا کہ درجات میں بھی تبدیلی کی جاتی پہلے لوگوں کی نظر تو اس طرف نہیں گئی مگر ہمارے زمانہ میں بعض جدت پسند طبائع نے اس کام کو بھی سرانجام دے دیا، ایک پیر صاحب ہیں ان کا انگریزی میں ایک خاص لقب ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے (صوبہ یوپی کا روحانی گورنر) ایک صاحب (لقیب مہدی) لقب کرتے ہیں۔ ایک صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش کار کہلاتے ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ اب تک کوئی اللہ میاں کا سکرٹری پیدا نہیں ہوا

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے، افسوس صد افسوس۔

بعض بزرگوں نے درجات اولیاء کی تفصیل اس طرح کی ہے۔

قطب العالم:- یہ ایک ہوتا ہے اسی کو قطب اکبر، قطب الارشاد، قطب الاقطاب و قطب مدار کہتے ہیں۔

امامین:- قطب العالم کے دو وزیر ہوتے ہیں بعض نے لکھا ہے کہ یہ بزرگ غوث کے مرتبہ کے ہوتے ہیں۔

قطب ولایت:- بارہ ہوتے ہیں ان میں سے سات ساتوں اقالیم میں رہتے ہیں اور پانچ یمن میں رہتے ہیں یہ اقطاب مقرر ہیں باقی اور بھی اقطاب ہوتے ہیں جو مختلف شہروں اور قریوں میں رہتے ہیں۔

غوث:- ایک ہوتا ہے۔ اکثر اس کا مقام مکہ معظمہ میں رہتا ہے غوث ترقی کر کے فرد ہو جاتا ہے پھر اور ترقی کر کے قطب وقت ہو جاتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ کئی غوث ہوتے ہیں۔

اوتاد:- چار ہوتے ہیں یہ عالم کے چار افق میں رہتے ہیں

ابدال:- چالیس ہوتے ہیں ۲۲ شام میں اور ۱۸ عراق میں انہیں کو ابرار کہتے ہیں، اہلِ ایران قلندر کو ابدال اور اس کے مرید کو کوچک ابدال اور کو چک فقیر کہتے ہیں۔ یہ شاعرانہ اصطلاح ہے

اخیار:- سات سو ہوتے ہیں یہ پھرتے رہتے ہیں۔

نقباء۔ تین سو ہوتے ہیں یہ ملکِ مغرب میں رہتے ہیں۔ (نقباء کا ذکر قرآن مجید میں سورۂ مائدہ میں ہے)

نجباء:- ستر ہوتے ہیں یہ مصر میں رہتے ہیں۔

عمد:- چار ہوتے ہیں زمین کے چاروں گوشوں میں رہتے ہیں:

مکتوم:- کئی ہوتے ہیں۔

مفرد:- کئی ہوتے ہیں۔

بعض نے لکھا ہے کہ ابدال و غوث وغیرہ ان بزرگوں کے القاب باطن میں خاص خاص ہوتے ہیں عبد القادر، محمد، احمد اور علی وغیرہ۔ انہیں بزرگوں میں سے بعض مجددیت کی خدمت ادا کرتے ہیں بعض صدیوں میں مجدد کی خدمت کئی کئی ہم عصر بزرگوں سے بھی لی گئی ہے

دست بوسی

حضرت طاؤس یمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا ہے ہاتھ دو شخصوں کے چومے جا سکتے ہیں ایک بیوی کا اور ایک بچے کا جب ہاتھ چومنے کا یہ حکم ہے تو کسی پیر کا ہاتھ چومنا کس طرح جائز مانا جا سکتا ہے۔

دعا

خداوند ذوالجلال سے ہر حاجت ہر کام کے لئے دعا کرنا لازم ہے دعا کرنے کی عادت میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ رسولِ کریم، صحابہ اور بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ اپنی ہر حاجت کو خدا سے مانگو۔ "رسولِ کریم نے حضرت ابن عباس سے فرمایا، اگر سوال کرنے کی حاجت ہو تو خدا سے مدد مانگ"۔ حضرت غوث پاک نے فرمایا ہے "[1] اپنی حاجت سوائے اپنے پروردگار کے کسی سے طلب نہ کرے اور ہر امر میں مشکل کشائی کی توقع اسی کی ذات سے رکھے"

[1] اردو ترجمہ بلاغ المبین۔ صفحہ ۳۰ بحوالہ فتوح الغیب

دعا کا قبول ہونا ولایت کی علامت نہیں ہے، صحیح مسلم میں ہے رسول کریم نے فرمایا میں نے خداوند کریم سے تین دعائیں کیں دو منظور ہوئیں اور ایک نا منظور ہوئی۔

دین اور اصولِ دین آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ایک ہی ہیں صرف فروع میں حسبِ مصالح زمانہ تغیر ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے، شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ۔

تمہارے لئے وہی دین جاری کیا گیا ہے جس کی ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ کو وصیت کی گئی تھی۔ دین کو سیدھا رکھو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے (لا نفرق بین احد من رسلہ) ہم رسولوں میں کوئی فرق نہیں کرتے

اور ارشاد ہے (ان الدین عند اللہ الاسلام) خدا کی طرف سے دین اسلام ہے۔ خدا اس کے سوا اور کسی سے راضی نہیں

رازِ الٰہی

کہا جاتا ہے کہ خداوندِ ذوالجلال کا ایک راز ہے بے شک ہے اور ضرور ہے جب سالک کثرتِ عبادت و ریاضت سے مرتبہ قرب حاصل کر لیتا ہے تو اس کا قلب منور ہو جاتا ہے یہ وہ رازِ الٰہی ہے جس کو راز دان ہی جانتا ہے وہ اس کو بیان نہیں کر سکتا خواجہ شیخ مولانا صدر الدین قونوی معصر مولانا روم کا قول ہے

" الفقیر اذا عرف اللہ کل لسانہ" جب فقیر خدا کو پہچان لیتا ہے تو اس کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ حضرت شیخ اکبر نے فرمایا ہے[1] ہر عارف پر واجب ہے کہ اللہ میں کے قلب میں جو علوم اسرار واضح فرماتے ہیں[2] کسی انسان سے ممکن نہیں کہ ایسی چیز کی حقیقت کو عبارت میں کبھی بھی لا سکے جس کا طریق ذوقِ محض بلا کیفیت ہے۔ خواجہ نظامی فرماتے ہیں۔

سنائی زباں اندر فیان .... راز .... کہ تا راز سلطان نگویند باز

مولانا روم فرماتے ہیں

بر لبش قفل است و در دل رازہا .... لب خموش و دل پُر از آوازہا

---

[1] فتوحات مکیہ باب ۳۱۵ [2] ایضاً باب ۳۴۹

ایک معمولی آدمی کا راز بھی افشا ہونا مشکل ہے جب کسی امیر، کسی وزیر، کسی مصاحب کی مجال نہیں کہ بادشاہ کے راز کو زبان پر لاسکے۔ تو خداوند ذوالجلال کے راز کو کوئی بونگر زبان پر لا سکتا ہے وہ نہ کبھی افشا ہوا اور نہ افشا ہو سکے در حقیقت انسان کی زبان میں قدرت ہی نہیں جو اس کو بیان کر سکے صوفی کہتے ہیں کہ مسئلہ وحدۃ الوجود راز الٰہی ہے یہ کیسا راز ہے کہ افشائے عالم ہے جو چیز اس قدر عام ہو وہ راز نہیں ہو سکتی۔

رنگ

بعض صوفی سرخ رنگ کا کپڑا استعمال کرتے ہیں، بعض زعفرانی رنگ کا اور عموماً سوفیا مٹی کے ہلکے رنگ کا کپڑا استعمال کرتے ہیں۔ سرخ رنگ عورتوں کے لئے مخصوص ہے عورتوں کی مشابہت سے حضور نے منع فرمایا ہے اور زعفرانی رنگ کو بھی حضور نے منع فرمایا ہے، حدیث میں ہے کہ رسول کریم نے فرمایا تین آدمیوں کے پاس فرشتے نہیں آتے ایک مست آدمی کے پاس دوسرے زعفرانی رنگ کا کپڑا پہننے والے کے پاس اور تیسرے خبیث آدمی کے پاس بخاری شریف میں ہے رسول کریم اور صحابہ کے کمبلوں کا رنگ اکثر کتابوں سے سیاہ ثابت ہوتا ہے، مٹی کے ہلکے اور زرد رنگ کا رواج صوفیوں میں ابتداءً اسطرح پڑا کہ جس زمانے میں خواجہ شبلی نہاوند کے گورنر تھے تو سیاہ لباس پہنتے تھے کیونکہ یہ سلطنت بنی عباس کا خاص نشان تھا جب گورنری چھوڑ کر فقیری اختیار کی تو ہلکے زرد رنگ کا لباس پہننے لگے تاکہ کم میلا ہو اور کسی قسم کی نمائش نہ ہو۔

رنگ کے متعلق حضور نے فرمایا ہے "البسوا الثیاب البیض فانها اطهر واطیب" یعنی سفید کپڑے پہنو وہ بہت اچھے اور پاکیزہ ہوتے ہیں

عبد اللہ قوال کے پاس ایک جامہ سرخ تھا خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی نے فرمایا اسے پھینک دے یہ شیطانی لباس ہے۔

شمائل ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ زعفران کا رنگ ملے ہوئے تھا جب وہ چلا گیا تو حضور نے لوگوں سے فرمایا کاش تم اس کو منع کر دیتے کہ وہ اس رنگ کو چھوڑ دیتا

حضرت سوادہ بن عمر سے روایت ہے کہ میں ایک دن کسم کا رنگین کپڑا پہن

ترمذی شریف، کتاب اللباس عل بوستان، غوثیہ صفحہ ۳ عہ شفا مصنفہ قاضی عیاض

کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اتار دے اتار دے اور میرے پیٹ پر چھڑی سے کچو کا دیا" ایک اور حدیث میں ہے ایاکم والحمرۃ فانھا احب الزینۃ الی الشیطان" سرخ رنگ سے بچو کیونکہ اس کو زینت کے لئے شیطان بہت پسند کرتا ہے ایک اور روایت میں ہے، من لبس ثوبا من حریر البسہ اللہ ثوبا من النار" جس نے ریشم کا لباس پہنا خدا اس کو آگ کا لباس پہنائے گا"

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ایک مرتبہ کسی کی رنگی ہوئی چادر اوڑھے ہوئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور کو ناگوار ہوا حضرت عبداللہ نے گھر جا کر چادر جلا دی حضور نے سنا تو فرمایا عورتوں کو اوڑھا دیتے

حضرت رافع نے بیان کیا کہ ہم ایک سفر میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے ہم نے اونٹوں پر اپنی چادریں پھیلا دیں ان میں سرخ ڈورے تھے حضور نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ یہ سرخ ڈورے تم میں اثر کر رہے ہیں یہ سن کر ہم لوگ گھبرا گئے اور چادریں اتار لیں

ریا

ریا یعنی دکھاوٹ کے لئے عبادت کرنا تاکہ لوگ بزرگ سمجھ کر تعظیم و تکریم کریں اور شہرت ہو یہ گناہ عظیم ہے۔ لیکن ریا کے خوف سے ترکِ عبادت نہ کرے بلکہ اور زیادہ کرے کسی دن یہی دکھاوٹ، عبادت بن جائیگی اور عادت سے عبادت ہو جائے گی اور عبادت سے محبت بن جائیگی، بخیالِ ریا عبادت کا ترک کرنا بھی شیطانی وسوسہ ہے۔

زہد و زاہد

امام سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ (۱۶۸ھ) فرماتے ہیں "زہد یہ ہے کہ دنیا میں دل کو نہ الجھائے اور طولِ امل کو مختصر کرے۔ زاہد وہ ہے جو اپنے زہد پر عامل ہو اور جس کا زہد زبان تک محدود ہو اس کو زاہد کہنا درست نہیں۔

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں "طیبِ کسب اور قصرِ امل زہد ہے

امام عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ (۱۸۱ھ) فرماتے ہیں زہد کی اصل خدا

۱؎ فردوس دیلمی ۲؎ مسند امام حنبل ۳؎ ابو داؤد ۴؎ سنن بیہقی

سے راضی ہونا ہے جو وہ چاہے سو کرے، حق تعالیٰ تک پہونچنے کا ذریعہ زہد ہی ہے۔

خواجہ احمد بن عاصم انطاکی رحمتہ اللہ علیہ (ہمعصر خواجہ فضیل بن عیاض) نے فرمایا ہے زہد کے نشان چار ہیں، خدا پر بھروسہ کرنا، خلق سے بیزار ہونا، خدا کے لئے مخلص ہونا اور دین کے لئے ظلم و ستم برداشت کرنا۔

خواجہ منصور عمار رحمتہ اللہ علیہ (ہمعصر خلیفہ ہارون الرشید) فرماتے ہیں "زہد شرع پر عمل کرنا ہے"۔

خواجہ یوسف اسباط تابعی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں شبہات سے بچنا اور نیک و بد میں تمیز کرنا زہد ہے"۔

خواجہ ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ (۲۰۵ھ) فرماتے ہیں، آرزو کی کوتاہی زہد کو پکارتی ہے اور زہد حکمت کو بلاتا ہے"۔

خواجہ احمد مسروق رحمتہ اللہ علیہ (۲۰۹ھ) فرماتے ہیں زہد یہ ہے کہ زاہد پر سوائے خدا کے کوئی حاکم نہ ہو"۔

خواجہ بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ (۲۲۷ھ) فرماتے ہیں

زہد ایک ایسا فرشتہ ہے جو سوائے خالی دل کے اور کہیں نہیں ٹھہرتا۔ زہد ایک ایسا فرشتہ ہے جب وہ ایک جگہ ٹھہر جاتا ہے تو پھر اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی چیز اس کے ساتھ ٹھہرے۔ زہد یہ ہے کہ شبہات سے بالکل پاک ہو اور محاسبۂ نفس کو ہر ہر لحظے پیشِ نظر رکھے

امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ (۲۴۱ھ) فرماتے ہیں

زہد تین قسم کا ہے ایک حرام کو ترک کر دینا یہ عوام کا زہد ہے دوسرے حلال میں زیادتی کو ترک کر دینا یہ خواص کا زہد ہے تیسرے جو بات خدا سے غافل کرنے اس سے بچنا یہ عارفوں کا کام ہے۔

خواجہ سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ (۲۵۳ھ) فرماتے ہیں،

علامت زہد، نفس کا آرام پکڑنا ہے طلب و تلاش سے اور اس چیز پر قناعت کرنا ہے جو بھوک کو زائل کر دے اور ستر چھپانے والی چیزوں پر راضی ہونا اور نفس کا فضولیات سے نفرت کرنا عبادت کا سرمایہ زہد ہے۔

خواجہ یحیٰی معاذ رازی رحمتہ اللہ علیہ (۲۵۸ھ) نے فرمایا ہے
زہد کے تین حرف ہیں۔ ز، ہ، د، (ز) سے مراد ترکِ زینت۔ (ہ) سے مراد ترکِ ہوا (د) سے مراد ترکِ دنیا، خواہشات سے بچنا زہد ہے۔ بس حق تعالیٰ سے اس زہد سے پناہ مانگتا ہوں جو معدے کو رنگ برنگ کے کھانوں سے فاسد کرتا ہے۔
خواجہ ابو العثمان الحیری (۲۹۸ھ) رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
جو اپنی تقدیر کے موافق عزت، راحت اور ریاست کو چھوڑ کر زہد اختیار کرتا ہے خداوند کریم اس کو فراخ دلی عطا کرتا ہے۔ زہد دنیا کو ترک کر دیتا ہے۔
خواجہ ابو عبد اللہ محمد بن فضل (۳۱۹ھ) رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "زہد ترکِ دنیا ہے"
خواجہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ (۳۳۴ھ) فرماتے ہیں
زہد یہ ہے کہ ما سوا اللہ سے کنارہ کش ہو جائے۔ زہد یہ ہے کہ دل کو اشیاء سے خالقِ اشیاء کی طرف پھیر دے۔ زہد و ورع یہ ہے کہ ایک پل کے لئے دل خدا کی طرف سے نہ ہٹے۔
خواجہ سہل تستری رحمتہ اللہ علیہ (۲۸۳ھ) فرماتے ہیں
زہد کا اول درجہ ورع ہے اور زہد توکل کا درجہ اول ہے۔ زہد نساء و عورت شہوت نفسانی کا ترک اور بندے کا خدا کی طرف متوجہ ہونا ہے۔
خواجہ ابو عبد اللہ جلا رحمتہ اللہ علیہ (۳۰۶ھ) فرماتے ہیں۔
"زاہد وہ ہے جو دنیا کو زوال کی نظر سے دیکھے"
خواجہ ابوبکر کتانی رحمتہ اللہ علیہ (۳۲۲ھ) فرماتے ہیں
زاہد وہ ہے جو نہ کچھ حاصل کرے اور نہ حاصل کرنے کی خواہش کرے، اور پیہم سعی کئے جائے۔ جس چیز میں کوفی، مدنی، شامی اور عراقی اختلاف نہ کریں وہ زہد ہے۔

زیور

بعض صوفی چاندی وغیرہ کا زیور جیسے طوق، گلوبند، بازوبند اور کڑا وغیرہ پہنتے ہیں
چاندی سونے کا استعمال مرد کے لئے حرام ہے یہ عورتوں کے لئے مخصوص ہے

مردوں کو عورتوں کی سی وضع بنانے پر حضور نے لعنت فرمائی ہے، مرد کے لئے صرف تھوڑی سی چاندی کی انگوٹھی کی اجازت ہے باقی زیورات کا استعمال مرد کے لئے کیا لڑکے کو بھی جائز نہیں۔

ایک دن رسول کریمؐ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے گھر تشریف لے گئے دیکھا کہ دونوں صاحبزادے حضرات حسنین کھیل رہے ہیں اور چاندی کے طوق پہنے ہوئے ہیں حضور فوراً واپس ہو گئے اور کسی سے کلام نہ کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہ طوق بچوں کے گلے سے نکال کر توڑ تاڑ کر آپ کی خدمت میں بھیج دیئے

زیور ہندو فقیر پہنتے ہیں ان سے بھی مشابہت ہوتی ہے۔ سنن ابوداؤد میں حدیث ہے، نھی عن خاتم الذھب ولبس الدمقس والمشجرۃ الحمراء یعنی رسول کریمؐ نے منع فرمایا ہے سونے کی انگوٹھی اور ریشمی پوشاک اور ریشم کے گدے تکیہ سے"

سالک و مجذوب

جو صوفی درستی ظاہر و باطن کے ساتھ منازل سلوک طے کرے وہ سالک ہے۔ یہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ابن الوقت یعنی مغلوب الحال دوسرے ابوالوقت یعنی غالب الحال۔

کثرت اذکار و اشغال اور محبت الٰہی میں جن لوگوں پر جذب طاری ہو جاتا ہے اور ہوش و حواس صبر و قرار سب کچھ کھو بیٹھتے ہیں وہ مجذوب کہلاتے ہیں۔ آجکل لوگ ان پاگلوں اور دیوانوں کو بھی مجذوب سمجھتے ہیں جو غلیظ رہتے ہیں اور امتیاز حلال و حرام نہیں رکھتے بول و براز سے بھی نہیں بچتے خاصان خدا خواہ وہ کیسے بھی ہوں امتیاز حلال و حرام اور نجاست و غلاظت سے احتراز رکھتے ہیں میں نے ایسے چند مجذوب دیکھے ہیں میرے قصبہ میں ایک میاں عنایت حسین تھے ان کی وفات کے وقت میری عمر بارہ تیرہ سال کی تھی وہ کبھی کبھی ہم بچوں کے ساتھ کھیلا بھی کرتے تھے ایک بزرگ میاں کریم بخش صاحب قصبہ بھنپور میں تھے ان کی وفات کے وقت میری عمر بیس سال تھی میں بارہا ان کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ہر وقت بڑبڑاتے رہتے تھے۔ لباس شرعی پہنتے تھے کسی سے سوال نہ کرتے تھے تمام فرائض و واجبات و سنن کو ادا کرتے تھے اکثر راستوں میں سے آزار دہ چیزوں کو ہٹا دیتے تھے نوافل میں کبھی تین سجدے

کر جاتے تھے، کبھی پانچ، کبھی ایک، کبھی چھ چھ آٹھ آٹھ رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے۔

ہر مجذوب کا ستر پوش اور عبادت گزار ہونا ضروری نہیں، بعض ایسی حالت کو پہونچ جاتے ہیں کہ ان کو ان امور کا ہوش بھی نہیں رہتا لیکن چونکہ ان کو ایک تعلق اللہ سے ہوتا ہے اس لیے وہ شراب اور بھنگ وغیرہ نہیں پیتے، بول و براز نہیں کھاتے اور غلاظت میں لت پت نہیں رہتے

مجاذیب کی خدمت اور اعانت ضرور کرنی چاہیے باقی ان سے فیض کی توقع قطعی طور پر نہیں کی جا سکتی صاحب فوز المرام لکھتے ہیں

"جس کو محض جذب ہو وہ مرد کامل نہیں ہے"

شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں "مجذوب محض کہ در تجلی، مسلوب عقل شدند آنہا مثلِ عقیم اند"

عقیم یعنی بانجھ عورت، جس طرح عقیم عورت کی صحبت سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا اسی طرح ان کی صحبت بھی بے سود ہے

"سالک مجذوب و مجذوب سالک"

جب انوار و تجلیات سالک کے دل میں قرار پکڑ جاتے ہیں تو اس کی نظر صنع سے صانع کی طرف جاتی ہے جب اس میں کمال ہو جاتا ہے "سالک مجذوب" کہلاتا ہے اور جب اسکی نظر معرفتِ صانع سے صنع کی طرف آنے لگے اس وقت مجذوب سالک کہلائے گا، پہلا مقام قربِ نوافل کا ہے اور دوسرا قربِ فرائض کا۔

سالک مجذوب اور مجذوب سالک صاحبِ ہوش اور متشرع ہوتے ہیں۔ مراد و محبوب کو مجذوب سالک اور مرید و محب کو سالک مجذوب کہتے ہیں۔

سجادہ نشینی

رسولِ کریم کی وفات کے بعد خلافت کا انتخاب ہوتا رہا خلافتِ راشدہ کے بعد حکومت وراثت قرار پا گئی۔

صحابہ اور تابعین نے درس گاہیں قائم کر لی تھیں استاد کے بعد یا استاد کی زندگی میں جو سب سے زیادہ فاضل شاگرد ہوتا تھا وہ درس دیتا تھا یہ دستور نہ تھا

کہ استاد کا کم علم نااہل بیٹا وراثت کے طور پر جانشین ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہی طریقہ صوفیہ میں رائج تھا لیکن مجھ کو خواجہ جنید بغدادی کے زمانہ سے قبل کسی کی جانشینی کا ذکر نہیں ملا۔ خواجہ جنید کے بعد اُن کے مرید ابو محمد حریری جانشین مشہور ہوئے۔

جانشینی کے لئے اہلیت شرط ہے اس میں وراثت نہیں چلتی لیکن ہندوستان میں جب سے سلاطین نے خانقاہوں کے نام جاگیریں وقف کیں لالچ میں وراثت کا رواج ہو گیا اپنے حق کو قائم کرنے کے لئے یہ لوگ کہتے ہیں کہ بس پیر کی ایک نظر سے آدمی ولی کامل ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بیٹا کتنا ہی کم علم و بد اعمال ہو مرنے سے پہلے باپ نے ایک نظر ڈالی اور اکدم تمام منازلِ سلوک طے کرا دئے کہتے ہیں کہ خرقہ پہنتے ہی سینہ روشن ہو جاتا ہے، اگر ایسا ہوتا تو خواجہ جنید یہ نہ فرماتے ''خرقہ کا اعتبار نہیں'' جو لوگ اپنے آپ کو کسی بزرگ کی طرف سے مجازِ طریقت ظاہر کر کے بیعت کرتے ہیں ان کی سجادہ نشینی کی کئی صورتیں ہیں جو سب کی سب غیر معتبر ہیں۔

(۱) انتخاب: پیر نے کسی کو مجاز نہیں کیا اور انتقال ہو گیا لہٰذا مریدوں نے اپنی جماعت میں سے کسی کی دستار بندی کرا دی یہ انتخاب اگر صحیح بھی ہو اور منتخب شدہ شخص اہل بھی ہو تو سلسلہ منقطع ہی سمجھا جائے گا کیونکہ شیخ نے خود مجاز نہیں کیا نہ شیخ کی زندگی میں اس قسم کے علامات پائے گئے۔

(۲) وراثت: باپ مرا اور بیٹا جانشین ہو گیا گویا ولایت ایک جن ہے جو باپ کے مرتے ہی بیٹے کے سر پر سوار ہو جاتی ہے۔

حکیم خسرو شاہ چشتی نظامی لکھتے ہیں[1]

''تمام ہندوستان میں یہ حد درجہ قابلِ اصلاح طریقہ مروج ہو چکا ہے کہ جن درگاہوں کے متعلق معقول جائیدادیں ہیں وہاں پیری مریدی قطعی میراث پدری ہو کر رہ گئی ہے حالانکہ طریق تصوف میں اجازتِ بیعت و خلافت ہرگز ہرگز نہ کبھی تھی نہ ہو سکتی ہے، جو شخص منزل سلوک طے کر لیتا ہے اس کو اجازت و خلافت مرحمت ہوا کرتی ہے سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں دیکھیے حضرت خواجہ خواجگان سلطان الہند غریب نواز داتا عطائے رسول، معین الدین چشتی حسن سجزی اجمیری رضی اللہ عنہ کے حالانکہ متعدد صلبی اولاد تھی مگر اجازت و خلافت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا ہوئی

[1] دید شنید صفحہ ۹

اسی طرح حضرت قطب صاحب کے اولاد موجود ہوتے ہوئے خلافت حضرت بابا فریدالدین گنج شکر قدس سرہ کو مرحمت ہوئی حضرت بابا صاحب کے اولاد موجود ہوتے ہوئے خلافت حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہی کو ملی۔ بہر حال سلسلہ رشد و ہدایت اور منصب خلافت ہرگز ہرگز بغیر سلوک و اجازت و حصول بیعت میراث پدری نہیں ہو سکتی"

بے شک منصب خلافت و ولایت میراث پدر نہیں لیکن یہ تحقیق غلط ہے کہ بابا فریدالدین گنج شکر نے اپنے بیٹے کو خلیفہ نہیں بنایا اور سلطان المشائخ کو بنایا۔ بابا صاحب کے بہت سے خلفاء تھے بابا صاحب نے اپنا جانشین اپنے فرزند شیخ بدرالدین کو بنایا تھا صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں (حضرت گنج شکر نیز فرمودند خود بدرالدین را قائم بمقام خود فرمود) خواجہ سلیم چشتی کے سلسلہ طریقت کے شجرہ میں بابا صاحب کے نام کے بعد بدرالدین کا نام آتا ہے اگر ان کو بابا صاحب کا جانشین نہ تسلیم کیا جائے تو یہ سلسلہ سلیمیہ چشتیہ ہی غلط ہو جاتا ہے اسی طرح خواجہ سلیم چشتی کے بھی بہت سے خلفاء تھے جیسے شیخ محمود شامی شیخ رجب علی منولی روضہ مدینہ طیبہ۔ خواجہ سلیم چشتی نے بھی اپنے فرزند کو جن کا نام بدرالدین تھا اپنا جانشین مقرر کیا آگے صفحہ ۱ پر لکھتے ہیں ایک بادشاہ نے حیدرآباد دکن کے ایک پیر سے جو بڑے بھاری پیر و مرشد ہیں دریافت کیا کہ حضرت کو بیعت لینے کی اجازت کس کی طرف سے ہے ارشاد ہوا کہ میرے والد ماجد مرحوم نے جو میری کم سنی میں فوت ہو گئے تھے مجھے خواب میں ادبیہ طریق پر بیعت لینے کی اجازت دی ہے، سبحان اللہ سلف سے خلف تک کہیں کسی شیخ نے خواب کی اجازت پر سلسلہ جاری نہ کیا ہوگا۔

(۳) کسی بزرگ نے مرد صالح، صاحب علم دیکھ کر حسن ظن کی بنا پر بیعت توبہ کا مجاز کیا ان کے بعد یہ بیعت طریقت کے مدعی ہو گئے۔

(۴) کسی بزرگ کے مرید ہوئے اور ان کی وفات کے بعد اجازت کے مدعی ہو گئے۔

(۵) ابتداء میں مرید، عبادت و کثرت اذکار و اشغال کی برکت سے کسی نسبت تک پہونچ گیا مرشد نے آثار خیر دیکھ کر مجاز کر دیا مرشد جب مجاز کرتے تھے تو اتباع سنت

۱؎ مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۷۴ سنہ ۱۲۸۳ ہجری

کی شرط لگا دیتے تھے، مگر اس نے اتباع سنت کو ترک کر دیا لہٰذا وہ نسبت بھی سلب ہو گئی پھر بھی اس کا دعوائے خلافت بدستور رہا۔ اس امر کے غلط و صحیح معلوم ہونے کا صرف یہ ذریعہ ہے کہ اگر مرید صحیح العقیدہ صالح الاعمال ہے بدعات وغیرہ سے مجتنب ہے تو اس کی جانشینی صحیح ہے اور اگر اس کے خلاف ہے تو غلط ہے اولیائے کرام جب کسی کو اجازت دیتے تھے اتباع سنت کی شرط قائم فرما دیتے تھے شاہ کلیم اللہ مکتوبات میں اپنے خلیفہ شاہ نظام الدین کو لکھتے ہیں "ہر کرا از یاران خود اذن دہند مبایعت بر احیائے سنت و اقامت بدعت خواہد بود"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ولایت نسل پر منحصر نہیں کوئی کہیں ہو جو متقی ہے وہ ولی ہے"

سجدۂ تعظیمی

بعض جاہ طلب پیروں اور صوفیوں نے اپنی عظمت قائم کرنے اور شان جتانے کیلئے یہ مسئلہ گھڑا ہے کہ مرشد کو بطور تعظیم سجدہ کرنا جائز ہے اس کے ثابت کرنے کے لئے وہ ایسی ہیچ اور پوچ دلیلیں پیش کرتے ہیں جن کو اہل علم و صاحبانِ عقل کسی طرح قبول نہیں کر سکتے غالباً کوئی بائیس تئیس برس ہوئے کہ ایک شخص کے اس قسم کے سوال پر حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب چشتی نقشبندی (مفتی دار العلوم دیوبند) رحمتہ اللہ علیہ نے مدلل فتویٰ دیا تھا کہ شریعت اسلام میں سجدۂ تعظیمی جائز نہیں اس پر اوگھٹ شاہ نے ایک تردیدی رسالہ لکھا تھا اس مسئلہ کے متعلق ایک رسالہ "مرشد کو سجدۂ تعظیم" خواجہ حسن نظامی دہلوی نے لکھا اور برنٹنگ ورکس دہلی سے ۱۳۴۲ھ ہجری میں یہ رسالہ شائع کرایا۔

رسالہ مذکور کے دیباچہ میں اول تو خواجہ صاحب نے علمائے بریلی، بدایوں، فرنگی محل اور دیوبند کو منانے کی کوشش کی ہے یعنی ان کی مدح سرائی کر کے ان کو اپنے خیال کے موافق سچا اور پکا چشتی معتقد صوفیاء بتایا ہے علمائے دیوبند کے متعلق صفحہ ۵ پر لکھا ہے "علمائے دیوبند چشتیہ سلسلہ کے صادق الاعتقاد اور مستحکم پیرو ہیں"۔

یہ سب کوشش اس لئے کی گئی ہے کہ علماء کی طرف سے کوئی صاحب جواب لکھنے پر متوجہ نہ ہوں لیکن خواجہ صاحب کو شاید یہ معلوم نہ تھا کہ ان کے اس رسالہ

ؔ الحاکم

کی تصنیف سے کم و بیش پندرہ سال قبل مفتی دارالعلوم دیوبند سجدۂ تعظیمی کے ناجائز ہونے پر فتوا ی دے چکے ہیں، خواجہ صاحب کے قوی دلائل کا خلاصہ یہ ہے

(۱) سجدہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک سجدۂ عبادت دوسرا سجدۂ تعظیم۔ سجدۂ عبادت خدا کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں کیونکہ ابتدا ہی سے کثرت کے ساتھ قرآن مجید میں اس کی تاکید ہوتی رہی ہے۔ سجدۂ تعظیمی جائز ہے کیونکہ حضرت آدم کو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا اور اسلام میں یہ اصول رہا ہے کہ اگر کسی امر پر کوئی حکم خدا اور رسول کا نہیں ہے تو شرائع انبیائے سابقین پر عمل ہوگا۔

میں عرض کرتا ہوں کہ آدم علیہ السلام کے سجدے کی نوعیت ہی میں اختلاف ہے جس کا خود خواجہ صاحب نے بھی ذکر کیا ہے کہ وہ کس طرح کا تھا فتنا و اسے عزیزیہ کے حوالے سے صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے "بعض نے کہا ہے کہ سجدہ خدا کو تھا آدم کو فقط قبلہ بنانا مقصود تھا" صفحہ ۱۵ پر بحوالہ حاشیہ شہاب لکھا ہے "اس میں اختلاف ہے کہ سجدہ کس طرح سے ہوا تھا" اور صفحہ ۱۶ پر بحوالہ کشاف لکھا ہے

" ابی قتاد سے روایت ہے کہ سجدۂ تحیت مثل سلام کے ہے" یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے سجدۂ آدم کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "اور سلام کرو آدم کو"[1]

مطالعۂ تفاسیر سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے اس سجدے کی اصلی حیثیت متعین نہیں کی جا سکتی اس سجدے کے متعلق مولانا عبداللہ رشید عرب نے خوب فرمایا ہے "نہ وہ سجدہ تھا یہ سجدہ نہ ہر سجدہ ہے وہ سجدہ"

اب رہا یوسف کا سجدہ وہاں بھی بعض مفسرین اسلام ہی ترجمہ کرنے ہیں غرض ان دونوں سجدوں کو اس سجدے کا مماثل یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا اور مشتبہ امور دلیل میں قبول نہیں کئے جاتے۔ اس کے علاوہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سجدۂ آدم اور اور سجدۂ یوسف بھی سجدہ تھا پھر بھی ہمارے لئے اس کا جواز اس دلیل سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ شرائع سابقہ میں بہت سے امور ایسے تھے جو اس دور میں جائز تھے مگر اب ناجائز ہیں اور اب جائز ہیں مگر جب ناجائز تھے۔ مسائل شرائع سابقہ کا ہمارے لئے حجت ہونا دو صورتوں میں تھا ایک تو یہ کہ اصول زیادہ تر اس وقت مروج تھا جب کہ قرآن مجید مکمل نازل نہیں ہوا تھا اور بعض امر کے متعلق

---

[1] تفسیر ثنائی جلد اول

حضور علیہ السلام نے بھی کچھ ارشاد نہیں فرمایا تھا جب ہمارا دین مکمل ہو گیا، ہماری شریعت مدون ہو گئی، ہمارے فقہاء نے تمام قسم کے مسائل کا استنباط کر کے انبار لگا دیا اور ایسے اصول بتا دیئے کہ جن سے آئندہ قرآن و حدیث ہی سے حلِ مشکلات ہوتا رہے، لہٰذا ہم کو شرائع سابقہ کی حاجت نہیں رہی علاوہ بریں شرائعِ سابقہ ہیں کہاں، ان میں تو ایسی تحریف ہو گئی ہے کہ اب کسی خالص حکم کا ملنا ممکن ہی نہیں اس لئے اب ان کا ذکر ہی بے ضرورت ہے دوسرے یہ کہ موجودہ بائیبل کے احکام بھی ہمارے لئے ایسے موقع پر حجت ہیں جہاں خدا اور رسول کا کوئی حکم ان کے خلاف نہ ہو

سجدۂ تعظیمی کے عدم جواز پر حضورؐ کا حکم موجود ہے جو صریح و صحیح حدیث ہے جس کا حوالہ دے کر خواجہ صاحب نے نتیجہ غلط نکالا ہے

بعض صحابہ نے رسولِ کریم سے عرض کی کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں تو آپؐ نے فرمایا اللہ کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کا اکرام کرو۔

خواجہ صاحب اکرام سے جوازِ سجدۂ تحیت نکالتے ہیں حالانکہ حدیث سے صاف ظاہر ہے خواجہ صاحب کو یہ تو مسلم ہے کہ قرآن میں ابتدا ہی سے غیر کے لئے سجدۂ عبادت کی ممانعت ہے اور بار بار اس پر تاکید ہے تو صحابہ اس سے خوب واقف ہوں گے اس لئے سائل کا مقصد سجدہ سے سجدۂ عبادت نہیں ہو سکتا سجدۂ تحیت ہی تھا سیاقِ کلام بھی یہی بتاتا ہے کیونکہ انہوں نے کہا تھا ہم ایرانیوں کو دیکھتے ہیں کہ بادشاہ اور حاکم کو سجدہ کرتے ہیں یہاں مراد سجدۂ تحیت ہو سکتا ہے اگر سجدۂ عبادت مراد ہوتا تو یوں کہتے کہ ایرانی آگ کو سجدہ کرتے ہیں اور عرب بتوں کو سجدہ کرتے ہیں، اس لئے آپ نے فرمایا کہ سجدۂ عبادت اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے خدا کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کا اعزاز و احترام کرو، پھر حضورؐ نے فرمایا اگر میری امت کو خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ شوہروں کو سجدہ کریں۔

اس حدیث سے سجدۂ تعظیمی کی بالکل ہی جڑ کٹ گئی تمام کتب حدیث و فقہ میں بالاتفاق مذکور ہے کہ حضور نے فرمایا جو شخص کسی کو سلام کے لئے اس قدر جھکے کہ رکوع کے قریب ہو جائے تو سلام کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں گنہ گار ہیں جب رکوع کے قریب تک جھکنے کی ممانعت ہے تو سجدہ تو بڑی چیز ہے

خواجہ صاحب نے حضرت سلطان المشائخ اور چند بزرگوں کے مسجود ہونے کا ذکر کیا ہے، میں عرض کرتا ہوں کہ اس کتاب کے باب کلمات کو دیکھئے اولیائے متقدمین کے اقوال میں چند امور ملیں گے ولی سے گناہ ممکن ہے۔ ۲۔ اولیاء نے غلطیاں کی ہیں ۳۔ ولی معصوم نہیں ہوتا۔ ۴۔ مشائخ کا فعل حجت نہیں ۵۔ دلیل قرآن و حدیث سے لانی چاہئے۔

باب الکتب میں دیکھئے تذکروں اور ملفوظات کی تمام کتابیں مخدوش ہیں اس لئے اگر سجدۂ تعظیمی کو سلطان المشائخ یا ان سے بھی کسی بڑے ولی نے جائز رکھا ہو تو وہ ہرگز جائز نہیں ہو سکتا کرنے والا اور اس پر راضی رہنے والا دونو گنہگار ہوں گے مذہب میں مشائخ کا قول نہیں پوچھا جاتا اُن کا فعل حجت قرار دیا جاتا ہے یہاں تو ائمہ اربعہ کا سکہ چلتا ہے سو سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر تمام ائمہ متفق ہیں چشتیہ سلسلہ کے بڑے شیخ شاہ سلیمان تونسوی کا مقولہ کس قدر صحیح ہے[۱] وہم حدیث بغیر مجتہد کسے را نیست مارا عمل بر قول مجتہد است نہ بر حدیث" احادیث نبوی[۴] اقوال صحابہ و ائمہ و اولیاء سے ثابت ہے کہ اسلام میں سجدۂ تعظیمی کوئی چیز نہیں بلکہ شرائع انبیاء میں بھی صحت کے ساتھ اس کا وجود ثابت نہیں ہوتا اور اگر ہو تو رسول کریمؐ اور صحابہ اور آئمہ سب نے بالاتفاق اس کو ناجائز قرار دیا ہے اس لئے منسوخ ہے

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب یمن سے آئے تو رسول کریمؐ کو سجدہ کیا آپ نے فرمایا یہ کیا، انھوں نے کہا میں نے یہود و نصاریٰ کو دیکھا ہے کہ اپنے سرداروں اور عالموں کو سجدہ کرتے ہیں میں نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ یہ انبیاء کے آداب سے ہے۔

حضور نے فرمایا "کذبوا علیٰ انبیائهم" انھوں نے اپنے نبیوں پر جھوٹ بولا[۲] اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حضورؐ نے سجدہ تعظیم کو روا نہیں رکھا دوسرے آپکے قول کذبوا علی انبیائهم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے سابقین کی شریعت میں بھی یہ سجدہ جائز نہ تھا اور سجدۂ آدم و یوسف کی یہ توعیت نہ تھی بلکہ وہ اظہار اطاعت و نیازمندی کا کوئی خاص انداز تھا جس کو سجدہ سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے مغل سلاطین میں ایک انداز سلام کو سلام اربعہ کہتے تھے۔

---

[۱] نافع السالکین [۲] تفسیر کبیر سورہ بقر

جاثلیق حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا اور سجدہ کرنے کا قصد کیا آپ نے فرمایا خدا کو سجدہ کر مجھے نہ کر میں نے رسول کریم سے سنا ہے کہ اگر میں کسی کو بغیر اللہ کے سجدہ کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ خاوندوں کو سجدہ کریں ؎

عالم گیری میں ہے کہ غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی کرنے والوں کی تکفیر نہیں کی جائے گی لیکن گنہ گار ٹھہرایا جائے گا اسلئے کہ کبیرہ گنہ کا ارتکاب کیا ہے۔ سلاطین اسلام میں سجدۂ تعظیمی نہ تھا، اکبر کے زمانے سے ملا عبدالنبی اور تاج العارفین جیسے علماء نے جنہوں نے بادشاہ کی خوشنودی پر داڑھی کو قربان کر دیا تھا اکبر کے لئے سجدہ تجویز کیا لیکن وہ جانتے تھے کہ سجدہ کے نام سے کوئی اس کو قبول نہیں کرے گا اس لئے اس کو سجدۂ تعظیمی کی بجائے زمین بوسی کہا گیا، اکبر کے زمانے کے مفسر مؤرخ ملا عبدالقادر نے لکھا ہے (سجدہ برائے او تجویز کردہ آنرا زمین بوسی نامیدند) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کو کبھی بھی جائز نہیں سمجھا گیا، جہانگیر کے عہد میں یہ رسم جاری رہی، شاہ جہان نے تخت نشین ہوتے ہی اس کو منع کر دیا اور طریق زمیں بوسی کو جاری کیا مگر ۱۰۴۶ھ میں اس کو منسوخ کر دیا کہ سجدہ سے مشابہت ہے

اس زمانے میں بعض غلطیاں قدیم اصطلاحات علم الانشاء کے نہ سمجھنے سے بھی واقع ہو رہی ہیں مثلاً قدمبوسی کی جگہ (سر بر زمین نہادن) لکھتے تھے غالباً اسی کو سجدۂ تعظیمی سمجھا گیا بعض دفعہ "سعادت پائے بوسی بدست آمد" لکھتے تھے قدم چومنے میں بھی جھکنا پڑتا ہے کسی نے اس کو سجدہ سمجھا۔

حامیان سجدہ کا مقصد یہ ہے کہ سجدہ کا ذکر چونکہ قصص میں ہے اس لئے منسوخ نہیں ہو سکتا، میں عرض کرتا ہوں کہ درحقیقت قصص تو منسوخ ہو ہی نہیں سکتے۔ لیکن جو احکام ان سے مستنبط ہوں ان کے منسوخ نہ ہونے کی کیا دلیل ہے اسی طرح حضرت یوسف کے قصہ سے خواجہ صاحب کی اس دلیل کی تردید ہوتی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائی کے اسباب میں سے بادشاہ کا پیمانہ نکلا اور ان کو چور قرار دیا گیا تو عزیز مصر نے دریافت کیا کہ چور کی کیا سزا ہے انہوں نے کہا چور ہی اس کا بدلہ ہے ہم چور کو یہی سزا دیتے ہیں، حضرت یعقوب کی شریعت میں چور کی یہ سزا تھی کہ وہ ایک سال صاحب مال کی غلامی میں رہتا تھا اسی سزا کا ذکر یہاں آیا ہے اگر قصص

؎ تفسیر کبیر سورہ بقر

کے مذکورہ احکام منسوخ نہیں ہوتے تو یہی سزا اسلام میں رائج رہنی چاہیئے تھی لیکن اس کے خلاف اسلام میں چور کی سزا قطع ید ہے جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سزا کو منسوخ کیا ہے اور قطع ید کا حکم دیا ہے اسی طرح سجدہ تحیت کو سمجھنا چاہیئے لوگ، حضرت مریم کے پاس حضرت عیسیٰ کی ولادت پر دوڑے ہوئے گئے تو انہوں نے اشارہ سے کہا کہ میں نے روزے کی نیت کی ہے اسلئے بول نہیں سکتی، اس زمانے کی شریعت میں ایسا ہی روزہ ہوتا تھا ہماری شریعت میں ایسا روزہ نہیں ہے۔ سجدۂ تعظیمی کو اول نمرود نے جاری کیا، پھر فراعنہ مصر نے اس کے بعد سلاطین کفار ترک نے، اکبر اعظم نے ہندوستان میں پھر شیعہ سلاطین ایران نے اسے رائج کیا شاہ جہاں نے اس کو منسوخ کیا اگر سجدۂ تعظیمی جائز ہوتا تو شاہجہاں کیوں منسوخ کرتا۔ شاہ جہاں نے رسم زمین بوسی کو جاری کیا جس کی صورت یہ تھی کہ دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر پشت دست کو بوسہ دیتے تھے کچھ عرصہ کے بعد اس کو بھی بند کر دیا کہ سجدہ سے مشابہت ہے اور رسم چہار تسلیم جس کو تسلیم اربعہ بھی کہتے ہیں جاری کی، رسم زمین بوسی ایک ایرانی نے عہد تیمور میں ہندوستان میں جاری کی تھی اہل عرب نے اس میں یہ تغیر کیا کہ بادشاہ کے ہاتھ یا دامن عبا کو چومتے تھے۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ سجدۂ تعظیمی کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے یہ حضرت سلطان المشائخ اور دیگر بزرگان طریقت کی مجلس میں کبھی نہیں ہوا ان کے ذکر کے بیان میں اس قسم کی باتیں تحریف کرنے والوں کی کارستانی ہے۔

اب آخر میں خواجہ صاحب کو سلطان المشائخ رحمتہ اللہ علیہ کا حکم بھی سنا دوں۔

(۱) خواجہ میر خورد رحمتہ اللہ علیہ نے سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ سلطان المشائخ سجدۂ تعظیمی کو منع فرماتے تھے۔"

(۲) خواجہ صاحب نے چند مفسرین کے اقوال نقل کئے ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ احکام منسوخ ہوتے ہیں قصص منسوخ نہیں ہوتے اس سے یہ مطلب نکالا ہے کہ سجدہ تعظیمی چونکہ قصص میں ہے اسلئے منسوخ نہیں ہوگا۔

میں عرض کرتا ہوں کہ یہ تو بالکل ظاہر امر ہے قصص کیونکر منسوخ ہو سکتے ہیں۔ منسوخ احکام ہی ہوتے ہیں لیکن سجدہ تو احکامات میں سے ہے اسلئے منسوخ ہو سکتا ہے اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے گا۔

تو بہت سے منسوخ شدہ امر غیر منسوخ ہو جائیں گے۔ بہر حال خواہ کوئی بھی دلیل ہو، کسی بھی مفسر نے لکھا ہو اور کسی بھی بڑے سے بڑے ولی نے کہا ہو اعمال واعتقادات میں تو ائمہ فقہا کی سند ہے اور کسی کی سند نہیں چل سکتی۔ اہل حق اور اہل عقل کے نزدیک یہ بھی مسلم ہے کہ علم قرآن و حدیث اور درجات ولایت میں بھی ائمہ مجتہدین، سلطان المشائخ وغیرہ سے بہت بڑھے ہوئے تھے لہذا انہیں کا قول صحیح اور واجب العمل ہے۔

باب سلاسل طریقت اور عنوان درجات اولیاء میں ہم نے لکھا ہے کہ ائمہ مجتہدین، امام ابو حنیفہ، امام شافعی وغیرہ ابدال، اوتاد، قطب تھے اور یہ امر مسلم ہے کہ ائمہ مجتہدین بڑے زاہد محدث اور مفسر تھے انہوں نے صحابہ و تابعین و تبع تابعین کی شاگردی کی اور ان سے فیض پایا ان کو قرب زمانہ رسالت کا بھی شرف حاصل تھا غرض باعتبار شریعت و طریقت ان کا مرتبہ سلطان المشائخ سے بہت بلند تھا اس لئے صاحب عقل سلیم، ائمہ مجتہدین کے حکم کے مقابلہ میں سلطان المشائخ کے قول و فعل کو قابل عمل قرار نہیں دے سکتا۔

اس کے علاوہ فوائد الفواد سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سلطان المشائخ سجدۂ تعظیمی کے قائل تھے اور سیر الاولیاء[۱] سے معلوم ہوتا ہے کہ منع فرماتے تھے اب ایک قول ان کا ائمہ مجتہدین کے موافق ہے اور ایک ظاہر شریعت اور ائمہ مجتہدین کے خلاف ہے لہذا سلیم العقل صاحب علم مسلمان یہ فیصلہ کرے گا کہ سجدۂ تعظیمی کے جواز کا حکم ان پر اتہام ہے کتاب مصباح القلوب جو مصنفہ فخر الدین مرید مولانا فخر الدین چشتی دہلوی کی تصنیف ہے اس کے ترجمے مفاتح الذنوب میں ہے[۲]

"میرے پیر و مرشد حضرت مولانا محمد فخر الدین قدس سرہٗ اپنے آگے کسی شخص کو جھکانے بھی نہیں دیتے تھے جو شخص اپنا سر ان کی پاپوش کی طرف دراز کرتا تو آپ اسے ایسا کرنے سے روکتے بلکہ ایسے کاموں سے آپ سخت آزردہ ہوتے تھے"

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں[۳]

"قوم نوح میں سجدۂ تعظیمی ہی سے بت پرستی کا آغاز ہوا"

غرض تعظیم کے لئے سجدہ کرنا اور مسجود کو معبود نہ سمجھنا حرام ہے ایسا شخص دائرۂ

۱۔ صفحہ ۲۳۳ ۔ ۲۔ صفحہ ۲ مطبوعہ حمایت اسلام لاہور ۱۹۳۴ء ۳۔ مصباح المومنین اردو ترجمہ بلاغ المبین صفحہ ۲۲ مطبوعہ جید پریس دہلی

اسلام سے خارج نہ ہوگا اور اگر معبود سمجھ کر سجدہ کیا تو مشرک غیر مغفور ہے اور ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہے لیکن جو شخص سجدہ کرتا ہے وہ قبل از سجدہ اس کا اعلان نہیں کرتا کہ اس کی کیا نیت ہے۔ عوام اس کو سمجھ نہیں سکتے لہذا اس سے سخت مغالطہ پیدا ہوتا ہے اور یہ فعلِ شنیع شرک کا باعث بنتا ہے اسلئے اس کو کسی نیت سے بھی کرنا صحیح اور درست نہیں یہی حکم طواف، قبور وغیرہ کا ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے ایک کتاب چشتی اولیانامہ المعروف بہ نظامی بنسری شائع کی ہےعلٰہ اس میں سجدہ تعظیمی کی بحث میں سلطان المشائخ کا قول نقل کیا ہے۔

"جب کوئی چیز پہلی امتوں کے زمانے میں فرض ہوا اور اس امت کو فرض کے خلاف یا موافق کوئی حکم نہ دیا گیا ہو تو وہ چیز مباح ہے۔"

اس صفحہ پر خواجہ صاحب نے وہی شیطان کے سجدے اور حضرت یعقوب کے سجدے کے ذکر کے بعد یہ لکھا ہے "گویا سلطان المشائخ نے یہ دلائل سجدۂ تعظیمی کے جواز میں پیش کیے" ان کے متعلق ہم لکھ چکے ہیں۔ یہاں صرف اس قدر کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ عالم اور محدث تھے کیسے عالم اور محدث تھے جن کو وہ حدیثیں معلوم نہ ہوئیں جو سجدہ تعظیمی کی ممانعت میں ہیں اور کیا عالم و محدث ایسی ہی لچر دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

نظامی صاحب نے اسی کتاب میں لکھا ہےعلٰہ

"حضرت مولانا فخر صاحب سلسلۂ نظامیہ کے مجدد تھے اور آج کل تمام ہندوستان میں نظامیہ سلسلے کی ترقی اور رونق مولینا فخر صاحب ہی کی روحانیت سے وابستہ ہے"

مولینا فخر صاحب کا عمل رائدہ کتاب مقابیع الذنوب سے ہم نقل کر چکے ہیں کہ مولانا کسی کو اپنے آگے سر جھکانے نہیں دیتے تھے۔

مجدد اس لئے مقرر ہوتا ہے کہ غلطیوں کو دور کرے اور اصلاح کرے مجدد کی اصلاحات موافق منشائے خدا و رسول ہوتی ہیں۔ منشائے الٰہی اور رسالت پناہی کے خلاف کرنے والا گنہگار ہوتا ہے اس لئے مولینا کے عمل سے معلوم ہوا کہ کسی کے سامنے جھکنا خلافِ احکام خدا اور رسول تھا اس کو مولانا نے منع کر دیا۔ اس کے خلاف عمل کرنا جائز نہیں۔ ایسا کرنے والا گنہگار ہے اور جس نے پہلے کیا اس نے بھی غلطی کی۔

علٰہ یہ کتاب احمد ایاز کی تصنیف چہل روزہ کا ترجمہ ہے احمد ایاز سلطان المشائخ کے مرید تھے بحوالہ صفحہ ۲۶۳ و صفحہ ۲۷۰ علٰہ صفحہ ۲۷۰

سلطان جی کے حالات میں سب سے معتبر کتاب سیر الاولیاء ہے اس میں بھی سجدہ کی ممانعت ہے اور مولینا فخر کے عمل سے بھی عدم جواز کا ثبوت ملتا ہے اسلئے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے لوگوں کا اس کو جائز سمجھنا اور عمل کرنا موجب حیرت ہے سجدۂ یوسف کے متعلق ایک بات اور بھی عرض کردوں اگر خواجہ صاحب کی خاطر سے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ سجدۂ یوسف بھی سجدہ تھا اور اس عمل سے سجدۂ تعظیمی کا جواز ثابت ہوتا ہے تو میں عرض کرونگا حضرت یوسف کے اس عمل سے یہ سجدۂ تعظیمی صرف ملوک کے لئے ثابت ہوتا ہے کیونکہ حضرت یوسف حکمران تھے اسی حیثیت سے ان کو سجدہ کیا گیا اگر مرشد کے لئے سجدہ ہوتا تو یعقوب مسجود ہوتے کیونکہ وہ نبی بھی تھے سب کے مرشد تھے اور یوسف وغیرہ کے باپ تھے اگر مرشد کو سجدہ جائز ہوتا تو یوسف وغیرہ یعقوب کو سجدہ کرتے

نظامی صاحب نے ایک ڈینگ ماری ہے لکھتے ہیں [1]

"سجدۂ تعظیمی کے متعلق میں نے ایک کتاب لکھی اس کا کوئی مولوی جواب نہیں دے سکا ہے"

سجدۂ تعظیمی کے متعلق بہت سے مدلل فتاوے شائع ہو چکے ہیں نظامی صاحب کی اس کتاب سے کم بیش بارہ سال پہلے چوہدری بدرالدین سیوہاری ثم نہٹوری عرف اوگھڑ شاہ وارثی نے ایک رسالہ لکھا تھا اس کے جواب میں ایک مدلل فتویٰ حضرت مولینا عزیزالرحمٰن دیوبندی رحمۃ اللہ کا شائع ہو چکا تھا اب اگر آپ کوئی نئی بات اس میں پیدا کرتے تو علماء کو توجہ ہوتی تحصیل حاصل سے کیا فائدہ تھا غوث علی شاہ قلندر پانی پتی (جن کی خواجہ حسن نظامی نے اپنی کتابوں میں بہت کچھ مدح کی) کا قول ان کی سوانح عمری تذکرۂ غوثیہ میں لکھا ہے،

"جب ہم کرتپور میں گئے تو دیکھا کہ صبح آن کر سجادہ صاحب نے احمد شاہ کے مزار کا طواف و سجدہ کیا میں نے کہا صاحب طواف و سجدہ تو یہاں ادا ہوا اگر غوث اعظم کے مزار پر آپ ہوں تو وہاں کیا کیجئے گا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے کیا باقی رکھا اور اللہ سے تو کچھ مطلب ہی نہیں جس کے لئے ادب و تعظیم درکار ہو، خفا ہو گئے"

---

[1] ۵ ۱۹۹۵ء نظامی بنسری

غرض خواجگان کبار نے نہ سماع مزامیر کے ساتھ سُنا نہ سجدہ وطوافِ قبور و اولیاء کو روا رکھا نہ قبروں پر پھول صندل اور مٹھائی وغیرہ چڑھائی نہ عرس لگایا نہ جھنڈے اور چھڑیاں اٹھائیں نہ رہبانیت شاقہ کیں وہ حضرات عالم و فاضل متبع سنت و شریعت تھے یہ تمام امور بعد والوں نے اپنی گرم بازاری کے لئے ایجاد کئے ہیں جن کا اقرار خواجہ حسن نظامی نے بھی کیا ہے جو اقوال و افعال ان کی طرف سے منسوب کئے گئے ہیں وہ ان پر اتہام و تحریف ہے اور کسی سند صحیح سے ان کا ثبوت نہیں ملتا ایک بات یہ قابلِ توجہ ہے کہ ائمہ دین نے تمام مسائل نکال کر پیش کئے اگر عرس و قوالی اور طوافِ قبور وغیرہ یہ امور مستحسن تھے اور باطنی ترقی کا ذریعہ تھے تو ان کو ان امور سے کیا عداوت تھی جو ان جائز و مباح مسائل کو چھوڑ گئے بلکہ ان کے خلاف حرمت کے فتوے دیئے گئے گویا دین کو مسخ کر گئے اگر یہ امور مباح ہوتے تو ان میں ان کا اور ان کی اولاد اور جانشینوں کا بھی فائدہ تھا جس طرح آج مجاورین مزاراتِ اولیاء فائدہ اٹھا رہے ہیں ان کی اولاد و خدام بھی فائدہ اٹھاتے اور روحانی ترقیاں حاصل کرتے وہ دین کو بھی مسخ کر گئے اور اپنے اخلاف کو ظاہری و باطنی ترقیوں اور خداوند سے بھی محروم کر گئے پس ایسے لوگوں کی پیروی سلطان المشائخ نے کی اب ہر طرف سوئےظن کے لئے بڑی گنجائش ہے۔

"استغفر اللہ من کل ذنب واتوب الیہ"

اگر یہ کہا جائے کہ کوئی انہیں حلال کہتا ہے کوئی حرام اور یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے لہذا آپ سختی نہیں کر سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ اربعہ میں تو ان امور میں اختلاف ہے نہیں اور کسی دوسرے کا اختلاف قابل سند نہیں نیز بصورتِ اختلاف، شریعت کا اصول ہے کہ حلت و حرمت کے اختلاف میں حرمت کو ترجیح دی جائے گی لہذا یہ امور کسی دلیل سے بھی روا نہیں رہ سکتے۔

سفید شیطان

شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا ہے دو شیاطین ہیں، ایک سفید شیطان ہے محققین نے کہا ہے کہ سفید شیطان کی منجملہ دیگر خصوصیات کے سب سے خطرناک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ظلمات کو نور سے متشبہ کر دیتا ہے اور معصیت کو اطاعت، مقبول اور نر

عله بلاغ المبین صفحہ ۱۰۳

تجلی کرکے دکھا دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کے متبع نار کو نور سمجھ لیتے ہیں مصنوعی صوفی اس قسم کی ضیا کو دیکھ کر انوار و تجلیات سمجھ لیتے ہیں اور اپنے مریدوں کو دکھاتے ہیں اس طرح خود بھی دھوکا کھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکے میں ڈال دیتے ہیں۔

سلوک

سلوک کیا چیز ہے اس کے متعلق صاحبِ فوز المرام لکھتے ہیں "سلوک وہ اتباع شرع اور جہادِ نفس اور لکلنا الواث کا طبیعت سے اور ارتکابِ اوامر و اجتنابِ نواہی ہے اور حفظِ اصل یعنی قواعدِ شریعت اور حفظِ فرع یعنی قواعدِ طریقت و حقیقت ہے

سماعِ موتیٰ

سماعِ موتیٰ فی الجملہ صحیح ہے مگر عموم نہیں کہ ہر بات کو سنتے ہوں قبر پر جا کر سلام کرے یا قرآن پڑھے اس کا سننا حدیث سے ثابت ہے، زندوں کی طرح مردوں کے سماع میں تعمیم درست نہیں جس قدر حدیث سے ثابت ہے بس اسی پر اکتفاء لازم ہے، تحقیق یہ ہے کہ مردوں کے بارے میں اصل عدم سماع ہے البتہ سماع کی بعض جزئیات اس حکم کلی سے مستثنیٰ ہیں اور جو حکم بھی خلاف اصل ہوگا وہ اپنے مورد پر مقصور ہوگا، انبیاء علیہم السلام کے سماع میں اختلاف نہیں یہ ان کی خصوصیات سے ہے

سوال

بعض درویش دریوزہ گری کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارے مرشد نے نفس کے ذلیل کرنے کے لئے بھکاری بنایا ہے، یہ طرز دراصل بدھ مذہب کے فقراء کا ہے، اولیائے کرام کسی بھی ایسے امر کو اختیار نہ فرماتے تھے جس سے خودداری اور آبرو کو بٹہ لگے وہ سوال سے بہت ہی بچتے تھے رسولِ کریم نے سوال کرنے کی مذمت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہم سے رسولِ کریم نے اس امر پر بیعت لی کہ کسی سے سوال نہ کریں نہ کوئی چیز مانگیں عہ

عہ مسلم

مولانا روم فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ جنت از الٰہ　　　گر ہمی خواہی ز کس چیزے مخواہ

گر نخواہی من کفیلم از الٰہ　　　جنت المأوٰی و دیدار خدا

مانگنا اس شخص کو جائز ہے جو ہر طرح معذور و مجبور ہو محنت نہ کر سکتا ہو اور نہ کوئی دوسرا ذریعہ اس کی آمدنی کا ہو ایسے شخص کو دینا ضروری ہے اور اس کا بڑا اجر ہے اور پیٹے کرنے پیشہ ور مانگنے والوں کو دینا گناہ ہے حضور نے فرمایا ہے کہ جو شخص غنی ہو یا قوی ہو یا کسب کرنے کے قابل ہو اس کو صدقہ نہ دو[1]

سیاحت

زمانہ حال کے صوفیوں نے سیاحت کو بھی تصوف کے لوازم سے قرار دیا ہے دنیا میں خواہ مخواہ گھومتے پھرتے ہیں، قدمائے صوفیاء نے ضرور سیاحت کی ہے لیکن محض سیر و سفر کیلئے نہیں بلکہ تحصیل علم یا تبلیغ اسلام کے لئے کی اسلام میں خواہ مخواہ سیاحت کی اجازت نہیں یہ بدعت عیسائی، یہودی اور ہندو درویشوں کا شعار ہے۔

حضرت عثمان بن مظعون نے رسول کریم سے سیاحت کی اجازت چاہی تو آپ نے منع فرما دیا اور فرمایا میری امت کی سیاحت جہاد و حج و عمرہ ہے۔

شبِ قدر

شبِ قدر سال بھر میں ایک بار ہوتی ہے اس شب میں عبادت کرنے کا بڑا اجر و ثواب ہے اور دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں یہ رات اکثر ماہِ رمضان کے عشرہ دوم و سوم میں کسی طاق رات میں ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں اس کا کئی جگہ ذکر آیا ہے حدیث شریف میں بھی اس کا بیان ہے بزرگانِ دین نے اس کے بڑے فضائل لکھے ہیں خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے چالیس سالہ تجربے سے لکھا ہے اگر پہلا روزہ شنبہ کو ہوگا تو شب قدر تیئیسویں شب کو ہوگی اگر یکشنبہ کو ہوگا تو انتیسویں شب کو اگر دوشنبہ کو ہوگا تو اکیسویں شب کو اگر سہ شنبہ کو ہوگا تو ستائیسویں شب کو اگر چہارشنبہ کو ہوگا تو انتیسویں شب کو اگر پنجشنبہ کو ہوگا تو پچیسویں شب اگر جمعہ کو ہوگا ستر ہویں شب کو ہوگی

شجرہ

---

[1] ابن النجار

محدثین نے جب یہ دیکھا کہ لوگ جھوٹی حدیثیں بناتے ہیں اور حدیثوں میں تغیر تبدل کرتے ہیں تو سلسلۂ روایت کو لازمی قرار دیا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ روایت کس کس قسم کے راویوں سے منقول ہے اور اس کی صحت و سقم پر آسانی سے کوئی رائے قائم ہو سکے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صوفیائے کرام نے بھی جب یہ دیکھا کہ مصنوعی صوفیوں نے سلسلۂ تصوف میں رخنہ اندازی شروع کر دی ہے تو سلسلۂ امتیاز قائم کرنے کیلئے خرقہ، سند خلافت و شجرہ دینا شروع کیا، مجھ کو یہ امر صحیح طور پر تحقیق نہیں ہو سکا کہ اس کی ابتدا کس بزرگ نے کی اور کس زمانے سے ہوئی مگر بظاہر اس میں کچھ ہرج نہیں معلوم ہوتا۔ شیخ حاتم سنبھلی ۹۸۱ھ[1] نے اپنے ایک مرید کے متعلق لکھا ہے "کلاہ و شجرہ دادہ ایم"

تسبیح کے بیان میں ہم نے لکھا ہے کہ مولینا عبدالحی مرحوم نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ امام حسن بصری کے عہد سے ان کے خاندان میں برابر تسبیح دینے کا دستور رہا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فارغ التحصیل مرید کو تبرکاً کچھ نہ کچھ دیتے تھے۔

"شریعت، طریقت، حقیقت"

مثنوی کے پانچویں دفتر کے دیباچہ میں مولینا روم نے شریعت و طریقت و حقیقت، کی یہ تعریف کی ہے۔

"شریعت ہمچو شمع است کہ راہ می نماید چوں در راہ آمدی ایں رفیق تو طریقت است و چوں بہ مقصود رسیدی آں حقیقت است" شریعت ہم چوں علم کیمیا آموختن است از استاد یا از کتاب و طریقت مس کردن داروہا و مس را در کیمیا مالیدن و حقیقت، زر شدن مس ۔ یا مثال شریعت ہم چوں علم طب آموختن است و طریقت کردن، بموجب علم طب دارو خوردن و حقیقت صحت یافتن"

احکام شریعت پر عمل کرنے اور کثرت عبادت سے تزکیۂ اخلاق ہوتا ہے یہی تصوف ہے۔ حکماء اور علماء کے نزدیک، ادراک کا ذریعہ حواس ظاہری و باطنی یعنی حس مشترک تخصیل الصور حافظہ وغیرہ ہیں صوفیائے کرام کے نزدیک کثرت عبادت و ریاضت و مجاہدات و

---

[1] بعض نے ان کا سن وفات ۹۶۹ھ لکھا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کی تاریخ وفات "عند ملیک مقتدر" ہے اس سے ۹۶۸ھ بر آمد ہوتا ہے

پابندیٔ سنت سے جب تصفیۂ قلب ہو جاتا ہے تو ایک مادہ ایسا پیدا ہو جاتا ہے جس سے ان کا انکشاف ہوتا ہے جو حواسِ ظاہری و باطنی کے ذریعہ سے منکشف نہیں ہو سکتے اس قوت کے پیدا ہونے کا ذریعہ شریعت کے سوا کوئی دوسرا نہیں شمس تبریز نے فرمایا ہے

شریعت را مقدم دار اکنوں — طریقت از شریعت نیست بیروں
کسے کو در شریعت راسخ آید — حقیقت راہ بروے خود کشاید"

شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی مکتوبات میں لکھتے ہیں

" آنکہ در شریعت راسخ نیست ناقص است بلکہ طریقت و حقیقت او معلوم کہ حقیقتے ندارد شریعت معیار است عیار فقر بر ۔ شریعت روشن میگردد "

شاہ صاحب اپنے مکتوبات میں اپنے خلیفہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کو تحریر فرماتے ہیں،

" ہمہ داخلان طریقت را تاکید نمایند کہ ظاہر شریعت را آراستہ دارند"

شاہ عبد العزیز صاحب ملفوظات میں فرماتے ہیں

" شریعت مستقل طریقت است "

صاحبِ فوز المرام لکھتے ہیں " شریعت[1] اصل ہے اور حقیقت اس کی فرع ، شریعت ابتدا اور حقیقت اس کی انتہا ، تو معلوم ہو گیا کہ اولیاء جو ارباب حقیقت ، ہیں ان کے لئے اتباع شریعت کس قدر ضروری ہے اسلئے ہمارے پیر و مرشد سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ، یعنی علم حقیقت جس کی شریعت شاہد نہ ہو وہ زندقہ اور الحاد ہے "

صاحبِ مقلاع الذنوب نے لکھا ہے

جو[2] اس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ صوفیہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں مطلقاً درست ہے خواہ وہ شریعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو ان کے خیال میں شریعت وہی ہے جس پر صوفیہ چل رہے ہیں اور کوئی شریعت نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اہل علم اس گروہ کو جہلا صوفی کہتے ہیں "

آگے اس گروہ کے متعلق لکھتے ہیں " اسلام کے دائرہ سے خارج ہے "

[1] فوز المرام صفحہ ۱۴۳ [2] مقلاع الذنوب، صفحہ ۴۰

سلطان المشائخ نے اپنے طریق کی تشریح اس طرح فرمائی ہے۔

"طلبِ جاہ و کرامت نباشد استقامت می باید کہ بر متابعت رسول علیہ السلام والصلوٰۃ باشد و ہیچ مستحبے و ادابے از و فوت نشود

حضرت شیخ اکبر نے فرمایا ہے

"جو حقیقت شریعت کے خلاف ہو بد دینی ہے اور مردود ہے، ہمارے واسطے اللہ کی طرف شرع کے سوا کوئی راستہ نہیں۔"

حضرت جنید بغدادی کا قول ہے

"تمام راستے مسدود ہیں سوائے اتباعِ رسول کے"۔

حضرت مجدد الفِ ثانی مکتوبات میں فرماتے ہیں[۱] "کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھیں گے اور تصوف کی بابت کچھ نہیں پوچھیں گے"

شفاعت

خداوندِ ذوالجلال کی اجازت سے صالحین اور انبیا بالخصوص ہمارے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم گنہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے اور بہت سے گنہ گار بخشے جائیں گے، مگر صرف شفاعت کے بھروسہ پر اتباعِ شریعت کو چھوڑنا اور گناہوں پر استقامت اختیار کرنا صحیح نہیں خواجہ سعدی فرماتے ہیں

پیمبر کسے را شفاعت گراست　　　کہ بر جادۂ شرع پیغمبر است

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے

عمل کر میری شفاعت پر توکل نہ کر[۲]

صحبت

پیر کی صحبت ضروری ہے اس سے بہت جلد منازلِ سلوک طے ہوتے ہیں کیونکہ مرید دن رات اپنے شیخ کے حالات کو دیکھتا ہے اور اسی طرح عمل کرتا ہے اس کو ہر اس قوت کے استعمال کا صحیح محل معلوم ہو جاتا ہے جس کے لئے خداوندِ ذوالجلال نے یہ قوت اس کو عطا کی تھی اس طرح اخلاق فاضلہ اور اسوۂ حسنہ پر اس کو استقامت حاصل ہو جاتی ہے مولانا روم فرماتے ہیں

یک زمانہ صحبتے با اولیا　　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

---

[۱] فتوحات ص، دفتر اول مکتوب ص[۲] سمعانی

خواجہ بایزید بسطامی نے فرمایا ہے "نیکوں کی صحبت کارِ نیک سے بہتر ہے اور بروں کی صحبت برے کام سے بد تر ہے۔

صدقہ

حضورؐ نے میانہ روی کی تعلیم و تعریف فرمائی ہے آدمی اپنے اخراجات اور خیرات و صدقات میں بخل بھی نہ کرے اور اس قدر زیادہ خرچ بھی نہ کرے کہ تنگ دست ہو کر مجبور ہو جائے حضرت کعب بن مالک نے چاہا کہ اپنا تمام مال خیرات کر دیں حضورؐ نے فرمایا کچھ روک لو تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔

ایک صحابی انڈے کے برابر سونا لے کر آئے اور کہا یا رسول اللہؐ اس کو صدقہ میں لے لیجئے آپ نے انکار فرما دیا وہ اصرار کرنے لگے آپ نے ان کے ہاتھ سے لے کر اس زور سے پھینکا کہ اگر ان کے لگ جاتا تو بہت چوٹ لگتی۔ فرمایا تم لوگ سب کچھ خیرات کر دیتے ہو پھر مانگنے لگتے ہو بہترین صدقہ وہ ہے کہ اس کے دینے کے بعد مال بچ رہے۔

صوفیوں کا لباس

رسولِ اکرمؐ و صحابۂ کرام کے حالات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں کسی خاص لباس کی قید نہیں جو لباس ادائے فرائض میں تکلیف نہ دیتا ہو، جس لباس سے اظہار تکبر نہ ہوتا ہو جس لباس میں اسراف نہ ہو جو لباس کسی خاص قوم کا شعار نہ ہو، جو لباس عورتوں کے لئے مخصوص نہ ہو جس لباس کو ائمہ نے ممنوع قرار نہ دیا ہو۔ ایسا لباس خواہ کسی طرز و رنگ کا ہو پہننا جائز ہے صوفیائے کرام نے مختلف قسم کے لباس پہنے ہیں، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ صوفی صوف سے مشتق ہے اس لئے صوف پہننا صوفی کے لئے ضروری ہے لیکن یہ خیال غلط ہے امام الصوفیہ امام قشیری نے لکھا ہے۔[1]

صوفی کے لئے صوف پہننا ضروری نہیں" انبیاء علیہم السلام نے بھی مختلف قسم و رنگ کے لباس پہنے ہیں لیکن انبیاء اور ان کے متبعین صالحین نے صوف کا استعمال زیادہ کیا ہے اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ عرب کا عام لباس پشمینہ تھا اس لئے حضورؐ نے بھی اکثر پشمینہ پہنا ہے حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول

[1] رسالہ قشیریہ

کریم نے فرمایا جس دن موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے کلام کیا اس دن ان کا تمام لباس صوف کا تھا، عوارف المعارف میں ہے۔

"انبیاء[1] کا لباس صوف تھا"

حضرت ابی بردہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک کمبل اور ایک موٹی لنگی دکھائی کہ ان کپڑوں میں رسول اللہ نے وفات پائی سنن ابی داؤد کتاب الطہارت میں حضرت عبد اللہ بن عباس کی حدیث غسل جمعہ میں ہے کہ صحابی کمبل پہنتے تھے۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے "رسول[2] کریم صوف پہنا کرتے تھے"

امام حسن بصری نے فرمایا: "اہل[3] بدر صوف پہنا کرتے تھے"

کتب حدیث و تاریخ و فقہ میں حضور اور صحابہ کے بارے میں دوسری قسم کے کپڑوں کا استعمال کرنا بھی[4] مذکور ہے، امام حسن بصری نے فرمایا ہے "جو شخص تواضع سے پشمینہ پہنے گا خدا اس کے دل کو روشن کر دے گا اور جو دکھاوے کے لئے پہنے گا وہ جہنم میں جائے گا" حضرت جنید بغدادی علماء کا سا لباس پہنتے تھے کسی نے کہا کہ آپ خرقہ نہیں پہنتے تو انہوں نے فرمایا: "لیس[5] الاعتبار بالخرقة انما الاعتبار بالحرقة" یعنی خرقہ کا اعتبار نہیں سوزش عشق کا اعتبار ہے[6]

بعض صوفی ریشم پہنتے ہیں یہ حرام ہے۔ حدیث میں ہے۔

حرام لذکور امتی وحلال لاناثنا۔ میری امت کے مردوں پر حرام ہے مگر عورتوں کو حلال ہے۔"

خواجہ گیسو دراز فرماتے ہیں "واجماع[6] کردہ اند ہر جامہ کہ صوفیاں پوشند مباح است شاید مگر چیزے کہ شریعت بر مردان حرام کردہ است چنانچہ ابریشم و آں جامہ کہ نامشروع است"

بعض صوفی عورتوں کا سا لباس پہنتے ہیں بخاری شریف میں ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المخنثین من الرجال والمترجلات من النساء وقال اخرجوهم من بیوتکم" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی سی وضع بنائیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی سی وضع اختیار کریں اور فرمایا کہ ان کو اپنے گھروں سے نکال دو"

---

[1] عوارف المعارف اردو صفحہ ۷۶ نولکشور پریس ۱۹۲۶ء [2] ۳۲۲ [3] عوارف المعارف صفحہ ۶۷ [4] ۳ مشکوٰۃ صفحہ [5] تذکرۃ الاولیاء ذکر حضرت جنید۔ [6] ہذا سرالقدس صفحہ ۲۵

ڈاکٹر میر ولی الدین پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن نے اپنی کتاب قرآن اور تصوف[1] میں حضرت شیخ علی ہجویری کی کتاب کشف المحجوب کے حوالہ سے لکھا ہے "صفائی بندہ پر خدا کا انعام ہے اور صوف چوپایوں کا لباس ہے" ہم نے ثابت کیا ہے کہ صوف اکثر نبیوں نے پہنا ہے فقرہ تحت خط سے انبیاء کی توہین ہوتی ہے حضرت شیخ کا یہ مطلب نہیں تھا جو ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے، ان کا مطلب ہے صوف چوپایوں کا بھی لباس ہے) ڈاکٹر صاحب کو ذرا غور کر کے لکھنا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے صوف پہنا اس[2] کا فعل اس کے قول کے خلاف ہو اس پر ہلاکت ہے[3]۔

اور فرمایا ہے دو قسم کے لباسوں سے بچو جو باعث شہرت ہیں، ایک صوف دوسرے ریشم[4]

چاہئے دل سے فقیری اس پہ کیا موقوف ہے
اے ظفر رنگین ہو یا ہو جامۂ انساں سفید
جو کہ ہیں باتیں فقیروں کی ظفر وہ چاہئیں
اس سے کیا حاصل اگر پہنا فقیرانہ لباس

صوفیوں کی قسمیں

(۱) صوفی جو باقی باللہ ہو

(۲) متصوف۔ جو طالب درجات تصوف ہو

(۳) مستوصف۔ جو صوفیوں کا سا طرز اختیار کرے اور حقیقت میں صوفی نہ ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[5] "شیاطین بزرگوں کی صورت اختیار کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں"

عذر

وہ لوگ جن کو تاریخ پر عبور نہیں اور جو تصوف کی حقیقت سے آگاہ نہیں، کہتے ہیں کہ تصوف اور صوفیاء سے اسلام کو سخت نقصان پہنچا ہے، تصوف تو عین اسلام ہے اگر تاریخ کو دیکھیں تو معلوم ہو جائے کہ اشاعت اسلام میں سب سے زیادہ سعی صوفیائے کرام نے کی ہے اور انہوں نے علمی و سیاسی ہر قسم کی خدمات

---

[1] مطبوعہ اعظم پریس دہلی طبع دوم ۱۳۶۷ھ ہجری [2] فردوس [3] السلمی [4] جمع الجوامع

اعلیٰ درجہ پر انجام دی ہیں۔

ہاں اسلام کو ہر طرح کا نقصان اس گروہ سے پہونچا ہے، پہونچ رہا ہے اور پہونچتا رہے گا جو درحقیقت صوفی نہیں ہیں مگر صوفی بنتے ہیں اور بزرگان قدیم کے سلاسل سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں انہوں نے لوگوں کو لبھانے کے لئے اعمال خلاف شرع و سنت اختیار کر رکھے ہیں۔ عوام شخصیت پرستی، عجائب نمائی اور دینی پابندیوں سے آزادی کی وجہ سے ان کے معتقد بنتے ہیں۔

ظاہر و باطن

امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے یہ کہنا کہ حقیقت شریعت کے خلاف ہے کفر ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ حقیقت شریعت کے خلاف ہے یا باطن ظاہر کی نقیض ہے تو وہ ایمان کی نسبت کفر کے قریب ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہم تم کو تمہارے ظاہری اعمال پر پکڑیں گے جو کوئی ظاہر میں اچھے کام کرے گا اس پر ہم بھروسہ کریں گے اور اس کو اپنا مصاحب بنائیں گے، اس کے دل کی بات سے ہم کو غرض نہیں اس کا حساب اللہ لے گا اور جو ظاہر میں بُرا کام کرے گا ہم نہ اس پر بھروسہ کریں گے نہ اس کو سچا سمجھیں گے اگرچہ وہ دعویٰ کرے کہ میرا باطن اچھا ہے۔

ظاہر اور ہے باطن اور یہ عقیدہ شیعوں نے پھیلایا ہے جو ان کے مذہبی عقیدہ تقیہ کے مطابق ہے اور یہ خیال اسی لئے شائع کیا گیا ہے کہ لوگ گمراہ ہوں۔

عشق

کسی آدمی یا کسی چیز سے حد سے زیادہ محبت ہونے کو عشق کہتے ہیں، ایک عشق مجازی ہوتا ہے اور ایک عشق حقیقی عام طور پر عشق مجازی اس عشق کو کہتے ہیں کہ کسی آدمی یا کسی چیز پر دل مائل و مبتلا ہو جائے عشق حقیقی خدا تعالیٰ کی محبت کو کہتے ہیں۔

عشق حقیقی کے کیا کہنے عشق مجازی کی یہ صورت کہ انسان کسی چیز یا آدمی پر فریفتہ ہو جائے لیکن نیت صاف ہو اس فریفتگی میں کوئی امر خلاف شرع سرزد نہ ہو ایسا عشق مجازی اکثر رنگ بدل کر حقیقی کی طرف راہبر ہو جاتا ہے عشق

ملہ بخاری کتاب الشہادت

مجازی میں غیر عورت یا لڑکے سے مجالست و مخالطت رکھنا ایک آفت ہے، ایسا عشق جائز نہیں یہ مصیبت ہے بلکہ اس کو عشق کہنا ہی نہ چاہیئے، مولینا روم نے ایسے ہی عشق کے متعلق فرمایا ہے "این خمار از خوردن گندم بود"
عشق کا مقصد خواہشاتِ نفسانی کی ناجائز طور پر تکمیل نہیں بلکہ وہ محض ایک خیال، جذبہ اور محبت ہے۔
بعض مصنوعی صوفی کسی لڑکے یا غیر عورت کو ساتھ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم عشقِ مجازی کرتے ہیں یہ سراسر غلط ہے اور گمراہی ہے۔

عقدِ اناملِ

انگلیوں پر دس ہزار تک شمار کرنے کا طریقہ حضور نے تعلیم فرمایا ہے اس کو عقدِ انامل کہتے ہیں اس شمار سے وظیفہ پڑھنا اولی ہے ترمذی شریف میں ہے کہ حضور نے فرمایا عقدِ انامل سے گن کر پڑھا کرو۔

علم باطن

امام غزالی نے فرمایا ہے[1] "علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم شرعی دوسرا علم غیر شرعی، قسمِ اول کا نام علم باطن ہے"
صوفیوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ ایک علم اور تھا جس کا نام علم باطن ہے اس کی تعلیم رسولِ کریم نے اخفاء کے ساتھ حضرت علی کو دی تھی۔ یہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح رسولِ پر اخفائے رسالت کا الزام آتا ہے اور خدا کی عدول حکمی ثابت ہوتی ہے کیونکہ خداوند کریم نے رسولِ کریم کو تاکید فرمایا ہے "جو ہم نے جو کچھ تجھے پہونچایا ہے اس کو کھول کر پہونچادے"
یہ عقیدہ ان فرقوں سے ماخوذ ہے جو رسولِ کریم صحابہ اور حضرت علی وغیرہ کے تقیہ کرنے کے قائل ہیں یعنی وہ لوگوں کے خوف یا کسی اور مصلحت سے امرِ حق کو چھپا جاتے تھے حضرت ابو الطفیل سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت علی کے پاس آیا اور کہا رسول اللہ آپ کو خفیہ طور پر کیا بتایا کرتے تھے یہ سن کر حضرت علی غضبناک ہو گئے اور فرمایا کہ مجھ کو کوئی خفیہ بات ایسی نہیں بتائی جس کو اور لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہو۔

---

[1] مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم جلد اول صفحہ ۲۴ نولکشور پریس لکھنو ۱۹۱۳ء

علم

فن تصوف کے حاصل کرنے اور منازل سلوک کے طے کرنے اور درجات عالیہ حاصل کرنے کے لئے علم دین کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ صوفی جس قدر صاحب علم و عمل ہوگا اسی قدر بلند مرتبہ ہوگا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے "یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات" اللہ پاک بلند کرے گا تم میں سے ان لوگوں کے درجے جو ایمان اور علم رکھتے ہیں"

اور ارشاد ہے "قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون" آپ کہہ دیجئے علم والے اور بے علم برابر نہیں ہیں"

علم کی فضیلت بتعداد احادیث ثابت ہے

(۱) العلماء ورثۃ الانبیاء، علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

(۲) علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ میری امت کے علما بنی اسرائیل کے نبیوں کی مثل ہیں۔

اس مرتبہ سے بڑا مرتبہ کونسا ہو سکتا ہے،

(۳) فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنی رجل من اصحابی"

عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت میرے ادنی صحابی پر۔

(۴) فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب"

علم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی تمام ستاروں پر۔

(۵) العلم افضل من العبادات۔ علم عبادت سے افضل ہے۔

(۶) العلم حیات الاسلام وعماد الدین۔ علم اسلام کی زندگی اور دین کا ستون ہے۔

(۷) طالب العلم افضل من المجاھد فی سبیل اللہ۔ طالب علم افضل ہے جہاد کرنے والے سے۔

(۸) یشفع یوم القیامۃ ثلثۃ، الانبیاء ثم العلماء ثم الشھداء۔

قیامت کے دن تین آدمیوں کی شفاعت قبول کی جائے گی نبیوں کی، عالموں کی اور شہیدوں کی۔

(۹) طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ۔ علم حاصل کرنا فرض ہے ہر مسلمان مرد و زن پر۔

(۱۰) حضورؐ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ ایک طرف کچھ اصحاب ذکر و شغل میں مشغول ہیں اور دوسری طرف کچھ اصحاب، درس و تدریس میں معروف ہیں تو آپ حلقۂ تعلیم میں آکر بیٹھ گئے اور فرمایا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

امام اعظم کا ارشاد ہے علم بیکار نہ رہو امام سفیان ثوری نے فرمایا سب سے بہتر وہ ہے جو اہل علم کے پاس بیٹھ کر علم سیکھے

خواجہ سعدی شیرازی فرماتے ہیں

زجاہل گریزندہ چون تیرباش — نیامیختہ چون شکر شیرباش

ترا اژدھا گر بود یار غار — ازان بہ کہ جاہل بود غم گسار

سرانجام جاہل جہنم بود — کہ جاہل نکو عاقبت کم بود

حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد ہے "زاہد بے علم سخرۂ شیطان است"

خواجہ اجمیری نے فرمایا ہے "علم ایک دریا ہے اور معرفت اس کی ایک بھنور ہے"

سیرالاولیاء میں سلوک کے متعلق مذکور ہے۔

"اول درجہ دین کار علم است"

محدث ابن جوزی نے کتاب تلبیس ابلیس میں لکھا ہے کہ قدمائے صوفیہ قرآن و حدیث اور فقہ و تفسیر کے امام تھے سلطان المشائخ کا ارشاد۔ سیرالاولیاء میں مذکور ہے۔ من نخواہم کہ مجیدے بالاتر از متعلمے بہ نشیند حضرت اپنی مجلس میں علماء کو آگے بٹھایا کرتے تھے اس پر ارشاد ہوا کہ میں نہیں چاہتا کوئی مجید (گیسو دراز) کسی متعلم (دیگلری ٹلا) سے آگے بیٹھے۔ فوائد الفواد میں مذکور ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے بڑھاپے میں قرآن مجید حفظ کیا۔

سلطان المشائخ نے فقر و تصوف کے متعلق فرمایا ہے

"اول درجہ دین کار علم است"

خواجہ عثمان سراج کو سلطان المشائخ نے اس وقت تک خلافت نہ دی

جب تک یہ اطمینان نہ کر لیا کہ ان کی تحصیل علم پوری ہو چکی ہے[۱]

سلطان المشائخ نے فرمایا

آدمی چوں علم بیاموزد شرفے حاصل مے شود[۲]

صاحب موج کوثر نے بوعلیشاہ قلندر کا قول نقل کیا ہے۔

"اگلے زمانے میں اکثر لوگ تحصیلِ علم کے بغیر فقیری اختیار نہ کرتے تھے اب ایسا زمانہ ہے کہ علم ہو یا نہ ہو مرید ہوتے ہی فقیری کا دم بھرنے لگتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ جو فقیر ہو جاتا ہے اس کو علم بھی حاصل ہو جاتا ہے بلکہ علماء پر زبان طعن و تشنیع دراز کرتے ہیں کہ ان کو تو صرف حدیث و تفسیر کے معنی آتے ہیں اور ہم کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی عطا فرمایا ہے

زاہدانِ بے علم کے متعلق دو تفریحی لطیفے مشہور ہیں تفریحِ طبع کے لئے لکھتا ہوں۔

امام فخر الدین رازی کے زمانے میں ایک بے علم یا کم علم عابد تھے جو ساٹھ ستر برس سے عبادت میں مشغول تھے اور دنیا کو ترک کر کے گنج نشیں ہو گئے تھے انہوں نے ایک دن دیکھا کہ شیطان آ رہا ہے اور اس کے پاس بڑی موٹی لوہے کی زنجیریں ہیں انہوں نے دریافت کیا کہ اے مردود انہیں کہاں لئے جاتا ہے اور یہ کیا سامان ہے شیطان نے کہا کہ شکار کی فکر میں جا رہا ہوں اور یہ زنجیریں جکڑنے کے لئے ہیں

ہر ایک زنجیر پر میں نے ایک ایک کا نام لکھ رکھا ہے کہ یہ فلاں کے لئے ہے اور یہ فلاں کے لئے انہوں نے ایک بڑی موٹی زنجیر کی طرف اشارہ کیا کہ یہ کس کے لئے ہے۔ اس نے کہا امام فخر الدین رازی کے لئے دوسری کو پوچھا اس نے ایک اور امام کا نام لیا اسی طرح کئی زنجیروں کو اس امید پر پوچھا کہ ہم بھی بڑے مشائخ میں سے ہیں ہمارے لئے بھی کوئی زنجیر ہو گی جب اس نے ان کا نام نہ لیا تو ان سے نہ رہا گیا آخر پوچھا کہ ہمارے لئے کونسی ہے اس نے کہا واہ حضرت آپ کے لئے بھی زنجیر کی ضرورت ہے ایسے ایسے جاہلوں پر تو میں ویسے ہی سوار ہو جاتا ہوں۔

---

[۱] سیر الاولیاء [۲] فواد الفواد موج کوثر صفحہ ۳۴

ایک دن شیطان نے دربار کیا اس کے تمام ماتحت جمع ہوئے اس نے ایک کو بلایا اور پوچھا کہ اپنی آج کی کارگذاری بیان کرو، اس نے کہا میں نے فلاں عابد کو زنا میں مبتلا کیا شیطان نے کہا یہ کوئی بڑا کام نہیں معمولی بات ہے دوسرے سے دریافت کیا اس نے کہا کہ میں نے ایک جگہ لڑائی کرادی اس میں کئی خون ہو گئے، شیطان نے کہا یہ بھی معمولی بات ہے، تیسرے سے پوچھا اس نے کہا میں نے آج چند آدمیوں کو قمار میں مبتلا کیا، شیطان نے کہا یہ بھی معمولی بات ہے، پانچویں سے پوچھا اس نے کہا آج میری طبیعت ناساز تھی میں کوئی خدمت انجام نہ دے سکا بس چلتے پھرتے ایک تھوڑا سا کام کر آیا ہوں ایک لڑکا پڑھنے کے لئے مدرسہ جا رہا تھا میں نے اسے کھیل میں مشغول کر دیا یہ سن کر شیطان اچھل پڑا اور اس کو سینے سے لگا کر کہا واہ بیٹا بس تم نے بڑا کام کیا ہے سب شیطان حیران ہو گئے کہ ایک بچے کو کھیل میں لگا دینا کیا اہمیت رکھتا ہے ہم نے اتنے بڑے بڑے گناہ کرائے اس کی کچھ داد نہیں اور اس ذرا سی بات کی اتنی تعریف۔ سب نے شیطان سے شکایت کی اس نے کہا کل ہم تم کو اس کا تجربہ کرائیں گے چنانچہ اگلے روز وہ اپنی جماعت کو ساتھ لے کر چلا راستہ میں ایک گدھا پکڑ لیا ایک شیخ رحمۃ اللہ تھے جو چالیس برس سے عبادت میں مشغول تھے پڑھے لکھے کچھ تھے نہیں ان کے حجرہ پر پہنچ کر آواز دی، شیخ نے کہا کون، شیطان نے کہا جبرئیل امین ہوں خداوند ذوالجلال کو آپ کی ریاضت و عبادت بہت پسند آئی مجھے براق دے کر بھیجا ہے آپ کو ملاقات کے لئے طلب فرمایا ہے یہ سننا تھا کہ شیخ نے الحمد للہ الحمد للہ کے نعرے لگانے شروع کر دیئے شیطان نے کہا آپ کی آنکھیں عالم بالا کی تجلیات کو برداشت نہ کر سکیں گی اس لئے آپ آنکھوں پر پٹی باندھ کر براق پر سوار ہو جائیے چنانچہ اس طرح شیخ کو گدھے پر سوار کر کے لے کر چلے تمام رات اسے اونچے نیچے مقامات پر لئے پھرے اور بتاتے رہے کہ فلک اول ہے اور یہ مقام ہے اسی طرح صبح ہو گئی تو ایک مسجد کے قریب چھوڑ کر بولے اب عرش اعظم آ گیا ہے ہم آگے نہیں جا سکتے۔ مسجد میں نماز قریب اختتام تھی امام نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ، ان کا نام رحمۃ اللہ تو تھا ہی یہ سمجھے کہ عرش اعظم آ گیا ہے اور خداوند

ذوالجلال نے مجھے دیکھ کر سلام کہا ہے بڑی خوشی کے ساتھ گدھے کی پشت پر اچھل کر بولے وعلیکم السلام یا اللہ! امام نے جو یہ سنا تو اس نے کہا یہ کون مردود ہے مارو لوگ ٹوٹ پڑے مکا، لات، جوتے سے خوب شیخ صاحب کی مرمت کی جب مار چکے تو دیکھا حضرت شیخ ہیں ماجرا دریافت کیا، شیخ نے قصہ بیان کیا لوگ بہت ہنسے شیطان اپنی ذریات کے ساتھ دور کھڑا تماشا دیکھتا رہا اور کہا دیکھا عابد جاہل کا انجام۔

دوسرے دن شیطان اسی طرح ایک طالب علم کے حجرہ پر پہونچا جس نے ابھی ابتدائی کتابیں شروع کی تھیں سبق یاد کر رہا تھا، شیطان نے کواڑ کھٹ کھٹائے طالب علم نے پوچھا کون ہے اس نے کہا کہ خداوند کریم کو آپ کا شوق طلب علم اور محنت پسند آئی میں جبریل امین ہوں مجھے براق دے کر بھیجا ہے آپ کو بلایا ہے تشریف لے چلئے، طالب علم نے کہا اچھا اور ایک لٹھ ہاتھ میں لے کر باہر نکل کر اس کے ایک رسید کیا اور کہا مردود کیا رسول کریم کے سوا کسی اور کو بھی اس طرح معراج ہو سکتی ہے۔ شیطان مع اپنی ذریات کے بھاگا اور کہا دیکھا ابھی یہ کچھ زیادہ پڑھا لکھا بھی نہیں اور اس کا یہ حال ہے اس لئے ان کا ہرج کر دینا بڑا زبردست کام ہے

یہ تو قصہ کہانی ہے اصل یہ ہے کہ یہ نسبت ہزار عابد کے ایک عالم، شیطان پر بھاری ہے۔

جہانگیر بادشاہ کے ایک مصاحب امیر نے حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں کچھ روپیہ بھیجا اور لکھا کہ یہ روپیہ طالب علموں اور صوفیوں پر خرچ کر دیا جائے حضرت نے اس کے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا

اس کے بعض فقروں کا ترجمہ یہ ہے[1]

طالب علموں کے ذکر کو مقدم کرنا آپ کی بلند ہمت کی نظر میں بہت ہی اچھا معلوم ہوا طالب علموں کو مقدم سمجھنے میں شریعت کی ترویج ہے۔ شریعت کے اٹھانے والے یہی لوگ ہیں اور مصطفوی مذہب انہیں کے ساتھ قائم ہے کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھیں گے اور تصوف کی بابت کچھ نہ پوچھیں گے، جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے حکم بجا لانے پر منحصر

---

[1] مکتوبات دفتر اول ۴۲۱

ہے انبیاء نے جو تمام مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں شرائع کی طرف ہی دعوت دی ہے۔

عملیات

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض آیات وسورِ قرآنی و اسمائے الٰہی کے فوائد بیان فرمائے ہیں جن کو اہلِ حاجت بوقتِ حاجت پڑھ کر فائدہ حاصل کر سکتا ہے اس قسم کی احادیث حصنِ حصین اور بعض تفاسیر میں کثرت سے ہیں اور ان میں ہر درجہ کی حدیثیں ہیں اس لئے کسی آیت یا سورت یا اسم الٰہی کو کسی حاجت کے لئے پڑھنا جائز ہے بعض حاجات کے لئے نوافل بھی پڑھے جاتے ہیں، غرض خداوندِ کریم سے نفل نماز یا کوئی آیت یا کوئی سورت پڑھ کر حاجت طلب کرے اس کے سوا کسی سے مدد کا طلب گار نہ ہو۔

احادیث ہی سے بعض اولیائے کبار نے اپنے تجربہ اور مکاشفہ سے اسمائے الٰہی وآیات وادعیہ ماثورہ سے خاص خاص حاجتوں کے لئے وظائف ترتیب دیئے ہیں ان کا پڑھنا بھی جائز ہے

حضرت مولینا احمد حسن امروہی رحمتہ اللہ علیہ سے ایک شخص نے کسی حاجت کے لئے عمل دریافت کیا آپ نے سورۂ اخلاص پڑھنے کے لئے فرمایا۔
اور کہا کہ خدا کو خدا ہی کے لئے یاد کرنا بہتر ہے

حضرت حافظ عبدالرحمٰن پنجابی مرادآبادی کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اس وقت بہت سے لوگ بیٹھے تھے حضرت نے اس سے دریافت کیا کہ کہاں سے تشریف لائے ہیں اور مجھ سے کیا خدمت مطلوب ہے؟ اس نے کہا میں رنگون سے آپ کا نام سن کر آیا ہوں مجھے عملِ دستِ غیب کی تلاش ہے اس کی جستجو میں میں صوفیوں اور عالموں پر ہزاروں روپیہ خرچ کر چکا ہوں اور ان کے کہنے کے موافق بہت سے عمل پڑھ چکا ہوں مگر دستِ غیب حاصل نہ ہوا میں نے سنا ہے آپ کو یہ عمل آتا ہے آپ مجھ کو بتا دیجئے حضرت نے فرمایا ہاں یہ عمل آتا ہے اور یہ عمل نہایت سہل ہے اس میں کچھ خرچ وغیرہ بھی نہیں کرنا پڑتا میں تم کو ابھی بتا دیتا ہوں اس شخص نے کہا حضرت تنہائی میں بتائیے گا حضرت نے فرمایا کیا حرج ہے یہ لوگ بیٹھے ہیں

ان کو بھی آجائے گا سنیئے وہ عمل یہ ہے

دستِ سوال سیکڑوں عیبوں کا عیب ہے،

جس دست میں یہ عیب نہ ہو دست غیب ہے

حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں ایک شخص آیا اس نے کسی مرض کی شکایت کرکے تعویذ کی درخواست کی حضرت نے تعویذ لکھنا شروع کیا میں نے انکھیوں سے دیکھنا شروع کر دیا کہ تعویذ مجھے بھی آجائے حضرت نے یہ دیکھ کر اسے خوب اچھی طرح میرے سامنے کر دیا جب تعویذ لکھ کر شخص مذکور کو دے دیا تو مجھ سے فرمایا قاضی صاحب تنہا الفاظ و عبادت سے کام نہیں چلتا لکھنے والے کا سا ہاتھ پیدا کیجئے، عمل کا اثر خلوص و اعتقاد اور شرائط کے موافق ادا کرنے سے ہوتا ہے جب عمل کرنے والا ان صفات کو جمع کرے گا تو عمل تیر بہدف ہو جائے گا

غیر مسلم فقراء

یہودی، عیسائی اور پارسی شادی بیاہ نہیں کرتے، عبادت خانوں میں علیحدہ رہتے ہیں، بعض کچھ کھانے کی اشیاء کا استعمال ترک کر دیتے ہیں سخت سخت ریاضتیں کرتے ہیں، کوئی کسب نہیں کرتے اور لوگوں کے دستِ کرم پر ان کا گذر اوقات ہے بدھ مذہب کے فقیروں کا بھی یہی عمل ہے ان میں اس قدر اور زیادتی ہے کہ وہ تذلیلِ نفسی کے لیئے بھیک مانگتے ہیں

تیسری[1] صدی عیسوی کے وسط میں عجم میں مشہور مصور[2] مانی نے ایک مذہب ایجاد کیا تھا اس کے دو فرقے تھے ان میں سے ایک فرقہ دنیا سے کچھ تعلق نہ رکھتا تھا اور سخت ریاضت کرتا گوشت مچھلی اور انڈہ بھی نہ کھاتا تھا

ہندو جوگی بھی دنیا سے تعلق نہیں رکھتے، لوگوں کے دست کرم پر گزر کرتے ہیں سخت سخت ریاضتیں کرتے ہیں اور بعض اشیاء کا کھانا ترک کر دیتے ہیں، بعض کھڑے کھڑے اوپر کو اٹھائے اٹھائے ہاتھ پیروں کو بیکار کر لیتے ہیں، چار ابرو کا صفایا کرتے ہیں، بعض لمبے لمبے بال رکھتے ہیں، بعض عورتوں کی طرح چوڑیاں اور زیور بھی پہنتے ہیں، ناچ گانے اور نشہ کے شائق بھی ہوتے ہیں۔ افسوس ہے کہ مسلمان فقیر بھی ان کی سی حرکات کرتے ہیں۔ یہ باتیں اسلام سے بھی خارج ہیں۔

[1] اردو ترجمہ تاریخ تمدن سرہنری طامس کبیل صفحہ ۱۲۴ مطبوعہ ۱۹۳۲ء [2] مانی ۲۱۵ء میں پیدا ہوا (الآثار الباقیہ البیرونی)

فقیر و فقر

خواجہ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ ۲۸۶ھ فرماتے ہیں فقیر وہ ہے کہ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو تو ساکن اور مطمئن ہو اور جب اس کے پاس کچھ ہو تو سخی ہو[۱]

خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ ۲۹۷ھ فرماتے ہیں سچے فقیر کی علامت یہ ہے کہ سوال اور جھگڑا نہ کرے اور کوئی اس سے جھگڑے تو خاموش رہے۔

خواجہ سمنون محب رحمتہ اللہ علیہ ۲۹۸ھ فرماتے ہیں "فقیر وہ ہے جو فقر سے محبت رکھے جیسے جاہل روپیہ سے رکھتا ہے اسے روپیہ سے ایسی وحشت ہوتی ہے جیسے بخیل کو فقیر سے۔

خواجہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ ۳۳۴ھ فرماتے ہیں

" فقیر وہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کی پرواہ نہ کرے اور نہ کسی کے ساتھ مشغول نہ ہو۔

خواجہ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ ۶۳۲ھ فرماتے ہیں فقیر وہ ہے کہ غناء سے احتراز کرے[۲]

خواجہ نور الدین جامی رحمتہ اللہ علیہ ۸۹۷ھ فرماتے ہیں" فقر صورت زہد است[۳]"

فناء

فنا کی تین قسمیں ہیں

(۱) قسم اول یہ کہ خدا کے سوا کسی کی محبت نہ ہو، خدا کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرے، اور خدا کے سوا کسی کی اطاعت نہ کرے، یہی دین کا ظاہر اور باطن ہے، فناء کا یہ درجہ انبیاء اور اولیائے عظام کو حاصل ہوتا ہے۔

(۲) یہ کہ ماسوائے کے شہود سے فنا ہو یعنی خدا کے سوا کسی کو نہ دیکھے نہ کوئی چیز اسکے دل میں کھٹکے یہ درجہ متوسط درجہ کے اولیاء کو حاصل ہوتا ہے۔

یہی وہ خطرناک مقام ہے جہاں قدم ڈگمگا جاتا ہے اور نادان کو عینیت و حلول و اتحاد کا گمان ہو جاتا ہے۔

(۳) یہ کہ خدا کے سوا کسی کا وجود نہیں اور مخلوق کا وجود بعینہ خالق کا وجود ہے یہ خیال ملحدوں کا ہے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں "فنا کا یہ منشا کہ خدا کے سوا کوئی دوسری چیز موجود

[۱] عوارف المعارف [۲] عوارف المعارف [۳] نفحات الانس

نہیں اور خالق کا وجود بعینہٖ مخلوق کا وجود ہے لہٰذا خدا اور بندے میں کوئی فرق نہیں فنا کا یہ درجہ ان گمراہ لوگوں نے اختیار ہے جو حلول و اتحاد میں پڑھ گئے ہیں"

قبور

قبروں کو پختہ بنانے کی ممانعت ہے، قبروں پر میلہ لگانا ضرورت سے زیادہ چراغاں کرنا، گانا بجانا، ناچ، رنگ، قبرستان میں کھانا پینا مٹھائی اور چادر وغیرہ چڑھانا، سجدہ اور طواف کرنا بوسہ دینا صاحب قبر سے دعا کرنا اور مدد چاہنا یہ تمام امور ناجائز ہیں اور پرستش کی حدود تک پہونچتے ہیں۔ خواجہ نقشبند فرماتے ہیں۔

تو تا کے گورِ مرداں را پرستی — بگرد و کارِ مرداں کن درستی

رسولِ کریم نے فرمایا ہے "میری قبر کو بت نہ بنانا خدا لعنت کرے یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا"

شیخ ابوبکر بن شیبہ محدث نے لکھا ہے کہ ایک شخص گنبدِ خضراء کے پاس کھڑا ہوا کچھ کہہ رہا تھا امام زین العابدین نے اسکو منع کیا اور فرمایا کہ رسولِ کریم نے فرمایا ہے میری قبر کو بت نہ بنانا[۱]

غوث علیشاہ قلندر پانی پتی کی سوانح عمری تذکرہ غوثیہ میں ان کا قول لکھا ہے "جب ہم کرنپور گئے تو دیکھا کہ صبح آن کر سجادہ صاحب نے حضرت احمد شاہ کے مزار کا طواف کیا اور سجدہ کیا میں نے کہا کہ صاحب طواف و سجدہ تو یہاں ادا ہوا اگر حضرت غوثِ اعظم کے مزار پر آپ ہوں تو وہاں کیا کیجیئے گا اور حضرت رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے کیا باقی رکھا اور خدا سے تو کچھ مطلب ہی نہیں جس کے لئے سب کچھ ادب و تعظیم درکار ہے وہ خفا ہو گئے"

آگے اسی کتاب میں قلندر صاحب مذکور کے متعلق لکھا ہے "اولیاء اور قبور کے متعلق بعض ارباب تصوف جو غلو کرتے ہیں اس سے آپ کو بہت نفرت تھی"

شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں[۳]

"بر قبر چراغ روشن نباید کرد باعث لعنت است"

[۴] حضرت ابی الہیاج اسدی نے حضرت جابر انصاری سے روایت کی ہے کہ رسول نے قبروں کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے

[۱] اردو ترجمہ کتاب بلاغ المبین صفحہ ۱۹ مصنف شاہ ولی اللہ مطبوعہ عالمگیر پریس لاہور ۱۳۴۷ھ [۲] موج کوثر صفحہ ۱۴۰ مصنف شیخ محمد اکرم ایم اے مرکنٹائل پریس لاہور ۱۹۴۰ء [۳] ملفوظات صفحہ ۴۷ [۴] بلاغ المبین صفحہ ۳۸

مرقدِ انوار رسولِ اکرم سادہ حالات میں تھا شاہ مصر قلادون صالحی نے ۶۷۸ھ[1] میں قبہ مبارک تعمیر کرایا۔ اولیائے کرام کے مزارات ان کی وفات سے مدتوں کے بعد اکثر قیاس وتخمین سے بنائے گئے ہیں اس لئے قدیم مزارات کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ صحیح مقام پر ہیں

حضرت سالار مسعود غازی رحمتہ اللہ علیہ کا مزار ان کی وفات کے دو برس بعد سلطان ناصر الدین محمود بن سلطان التمش نے بنایا[2]۔

بعض زیارت گاہیں کسی خوف سے مشہور کر دی گئی ہیں حاکم بہرائچ نے اپنے رہنے کے لئے ایک مکان بنایا شاہِ اودھ کو معلوم ہوا تو حاکم سے جواب طلب کیا حاکم نے کہا کہ یہ قدم رسول کی زیارت گاہ ہے[3] مزار پر انوار رسولِ اکرم کے سوا تقریباً تمام متقدمین کے مزارات قیاس وتخمین سے عرصۂ دراز کے بعد بنائے گئے ہیں محققین کی یہی رائے ہے یہ امر اس طرح بھی ثابت ہے کہ بعض بزرگوں کے مزارات دو دو تین تین مقامات پر ہیں بعض بہت زیادہ مشتبہ ہیں، خواجہ ابراہیم ادہم کے مقام دفن میں سخت اختلاف ہے منصور کا مقبرہ کئی جگہ ہے۔ لعل شہباز قلندر کا مزار درگاہ قدم شریف سے شاہ جہاں آباد کی طرف آتے ہوئے راستہ خام پر ایک تکیہ میں ہے اور ان کا دوسرا مزار قصبہ سیوہان (سندھ) میں ہے

دہلی کی عیدگاہ کے راستے میں دو مزار ہیں ایک جلال الدین کا اور دوسرا اوحد الدین کرمانی کا۔ جلال الدین کا مزار بنگالہ میں بھی ہے اور اوحد الدین کرمانی کا ترکستان میں بھی ہے۔ شیخ ابوبکر مصلی برادر خواہر زادہ سلطان المشائخ کا ایک مزار راستہ درگاہ امیر خسرو پر ہے اور دوسرا خواجہ عمر سے جانب جنوب ہے۔ سید بدرالدین غزنوی کا ایک مزار قطب صاحب میں پائین مزار قطب الاقطاب ہے اور دوسرا کوٹلہ فیروز شاہ جانب مشرق میں ہے اس پر بھی سید بدرالدین غزنوی کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

بوعلی شاہ قلندر پانی پتی کا مزار دو جگہ ہے عارف علی شاہ کا مزار سہسپور ضلع بجنور میں بھی ہے اور دہلی میں بھی ہے یہ تو تھا ہی اور غضب دیکھئے دہلی میں ایک جنگلی قبر مشہور ہے کوئی کہتا ہے یہ سید روشن شہید کا مزار ہے کوئی کہتا ہے گھوڑے کی قبر ہے۔

[1] الفرقان جمادی الاولی ۱۳۷۵ھ [2] حیات مسعودی صہ ۱۱ مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۲۵۳ھ
[3] حوالہ مذکور

حیدرآباد دکن میں ایک قبر پوجی جاتی ہے وہ موسی رحمو کی درگاہ کے نام سے مشہور ہے لیکن حیدرآباد کے تمام مصنف متفقہ طور پر لکھتے ہیں کہ یہ قبر فرانسیسی فوجی جنرل موسیو ریمان کی ہے مگر کون سنتا ہے۔

قرآن مجید میں خداوند ذوالجلال نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ رسول کریم کے اسوۂ حسنہ پر چلو۔ رسول کریم کو معلوم تھا کہ ان کے جد حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مزار حطیم میں ہے لیکن آپ نے نہ وہاں میلہ لگایا نہ چادریں وغیرہ چڑھائیں نہ چراغ جلایا۔

زیارت قبور کی اجازت اس لئے ہے کہ آدمی وہاں جاکر عبرت حاصل کرے اور توبہ و استغفار کرکے مرحومین کے لئے ایصال ثواب کرے مگر مردوں کو سجدہ کرنا، بوسہ دینا، ان پر سر رکھنا، اور طواف کرنا وغیرہ فقہائے نے ان تمام امور کو حرام قرار دیا ہے۔ قبروں پر پھول چادر اور مٹھائی چڑھانا یہ بھی جائز نہیں نہ یہ اسلام کی رسومات میں سے ہے۔

قبروں پر جاکر حاجت طلب کرنا اور مدد مانگنا وغیرہ یہ بھی جائز نہیں مجمع البحار وغیرہ کتابوں میں ان امور کی تفصیل ہے حضرت شاہ اسحاق صاحب دہلوی نے ان امور کے عدم جواز پر ایک مستقل رسالہ اربعین تصنیف فرمایا ہے اگر قبروں پر جاکر حاجت طلب کرنا جائز ہوتا اور صاحب قبر سے امداد کی درخواست کرنا روا ہوتا تو جب رسول کریم مکہ معظمہ میں مصائب و آلام میں مبتلا تھے تو اپنے جد حضرت اسماعیل کے مزار پر جاکر کیوں مدد طلب نہیں کرتے تھے۔ عرسوں میں شریک ہونا بھی جائز نہیں[1]

امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام احمد بن حنبل نے روایت کی ہے کہ قبروں پر جانے والی عورتوں پر رسول کریم نے لعنت فرمائی ہے، امام حسن بصری کا قول ہے کہ قبروں پر مرد و عورت کا جمع ہونا بدعت ہے[2]۔

اولیائے کرام کے مزارات سے منتہی کو روحانی فیض ہوتا ہے اس کے حاصل کرنے کے طریقے ہیں حضرت امداد اللہ صاحب نے اپنی کتاب ضیاء القلوب میں بھی اس کے طریقے لکھے ہیں۔ ہر شخص میں اس کے حصول کی قابلیت نہیں ہوتی علاوہ بریں زندہ بزرگوں سے جو فیض ہوتا ہے وہ مردوں سے نہیں ہوتا۔

[1] فتاوی رشیدیہ جلد دوم صفحہ ۳۰ مطبوعہ دیوبند [2] مصباح المومنین صفحہ ۸۶

اس مضمون کے متعلق بعض مختصر حدیثیں درج ذیل ہیں۔
(۱) نہی ان یکتب علی القبر شئی۔ رسول اللہ علیہ نے قبر پر کچھ لکھنے سے منع فرمایا ہے یعنی کتبہ لگانے سے۔

(۲) لعن اللہ زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج۔ "قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہو اور ان لوگوں پر جو قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں اور ان پر چراغاں کرتے ہیں۔

(۳) مسند امام ابن حنبل میں حدیث ہے: "نہی ان یقعد علی القبر او یجصص او یبنی علیہ" رسول کریم نے منع فرمایا ہے قبروں پر بیٹھنے اور پختہ بنانے اور عمارت بنانے سے۔

اولیائے کرام بھی قبر کے پختہ بنانے کو پسند نہ کرتے تھے، کتاب چشتی اولیاء نامہ میں مذکور ہے سلطان المشائخ نے فرمایا "ہم کو آسمان کا گنبد کافی ہے ہم گنبدوں میں دفن ہونا نہیں چاہتے"

قبروں کو بوسہ دینا جائز نہیں، صاحب مصباح القلوب نے قبروں کو بوسہ دینے کے جواز میں یہ دلیل لکھی ہے کہ حضرت علی نے بوقت غسل رسول کریم کی پیشانی کو چوما اور اسی طرح حضرت ابوبکر نے اور خود رسول خدا نے حضرت عثمان بن مظعون صحابی کی پیشانی کو بوسہ دیا تھا۔ اس مصنف کی عقل و دانش کا کیا کہنا جو ان بوسوں کو قبروں کے چومنے میں حجت گردانے کسی شخص کا دفن سے پہلے اپنی اولاد یا اپنے بزرگ کی پیشانی وغیرہ کو بوسہ دینا اور بات ہے اور قبروں کو جاکر چومنا اور بات ہے۔

غرض مزارات پر بخیال عبرت جانا اور اپنے لئے اور میت کے لئے دعا کرنا مستحسن اور مسنون ہے۔ صاحب قبر سے یہ کہنا کہ آپ ہمارے لئے دعا کریں بدعت ہے اور صاحب قبر سے معبود سمجھ کر حاجت طلب کرنا شرک غیر مغفور ہے۔ اگر بلا معبود سمجھے اور بلا مالک جانے متصرف فی الکائنات سمجھ کر حاجت طلب کرے تو یہ شرک عملی اور بدعت محرمہ ہے مگر ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج نہ ہوگا۔ قبروں پر چادریں اور غلاف وغیرہ چڑھانا بھی ناجائز ہے، مولانا روم نے غلاف پوش قبروں

ابن ماجہ ۱۱۲ ترمذی ۱۲۳ ۲۰۲

کو کفار کی قبر قرار دیا ہے فرماتے ہیں:-

"از بروں چوں گور کافر پر حلل　　　　اندروں قہر خدائے عز و جل"

"شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں "آں فتنہ علت گور پرستی است کہ پرستان آں را پیر پرست می گویند و ایں فعل شنیع است"[1]

قدم بوسی

بزرگوں کے ہاتھ پیر چومنے کا بھی رواج ہے۔ ہاتھ چومنے میں تو کچھ ہرج نہیں لیکن چونکہ پیر چومنے میں جھکنا پڑتا ہے اس لئے فقہائے جائز نہیں رکھا۔ دو ایک ابتدائی عہد کی ضعیف روایتیں ایسی ہیں جن سے قدم بوسی کا ثبوت ملتا ہے

(۱) دو یہودیوں نے رسول کریم کے ہاتھ پاؤں چومے[2]

(۲) حضرت صہیب نے کہا کہ "میں نے علی کو دیکھا کہ حضرت عباس کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے"

ہمارے آئمہ و فقہاء نے ہر قسم کی احادیث کی جانچ کر کے مسائل کا استنباط کیا ہے اسلئے ہم صرف ان احادیث کے الفاظ و عبارت ہی پر نظر کر کے عمل نہیں کر سکتے بلکہ فقہائے نے جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے وہی لائق حجت ہے عالمگیری میں اس کے متعلق تفصیل کے ساتھ حکم لکھا ہے اگر کوئی شخص کسی عالم یا زاہد سے استدعا کرے کہ اپنے قدم اس کی طرف بڑھا دے تاکہ وہ ان کو بوسہ دے تو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

سلام کے وقت بھی جھکنا مکروہ ہے اس سے منع کیا گیا ہے[3]

قرون ثلاثہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر اس کے بعد کا، پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔

ان تینوں زمانوں کے نام اور حد اس طرح مقرر کی گئی ہے۔ قرن اول بعثت رسول کریم اور عہد صحابہ سے سنہ ۱۱۰ ہجری تک ہے۔ قرن ثانی عہد تابعین سنہ ۱۱۰ ہجری سے سنہ ۱۷۰ھ تک ہے۔ قرن ثالث عہد تبع تابعین سنہ ۱۷۰ھ سے سنہ ۲۲۰ھ تک ہے ان تینوں زمانوں کے مستند بزرگوں اور اماموں کے اقوال و افعال سے

[1] بلاغ المبین [2] مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان [3] عالمگیری بحوالہ النفر ناشی

باہر جو امر دین میں داخل کیا گیا وہ بدعت ہے۔

کسب

انبیاؑ و اولیاء کسب کر کے کھاتے تھے رسولِ کریم نے کسی پر بار ہونے کی مذمت کی ہے اور کسب کی تعریف فرمائی ہے

حضور نے خود مزدوری بھی کی، تجارت بھی کی اور مضاربت بھی کی ہے۔

حضرت ابوبکر، حضرت عثمان حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت طلحہ کپڑے کی دکان کرتے تھے۔ حضرت عمر اینٹیں بناتے تھے۔

حضرت سعد بن وقاص تبر بناتے تھے حضرت عثمان بن طلحہ درزی کا پیشہ کرتے تھے، امام ابو حنیفہ تجارت کرتے تھے اور حضرت ابراہیم ادہم جنگل سے لکڑیاں لاکر فروخت کرتے تھے ایک دفعہ حضرت عمر نے فرمایا۔

"اے گروہِ فقرا! سر اٹھاؤ، راستہ کھلا ہُوا ہے فائدہ حاصل کرو اور مسلمانوں کے سہارے زندگی بسر نہ کرو۔"

امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے "میرے نزدیک سب سے اچھا وہ درہم ہے جو تجارت سے حاصل ہو اور فرمایا کسب مانعِ توکل نہیں ہے۔"

کشف و کرامات

گزشتہ یا آئندہ واقعات کا بیان اور بعض امورِ عجیبہ کا انکشاف بعض اعمال و مجاہدات سے ہوتا ہے ولایت کا اس پر انحصار نہیں ہے ولی حتی الامکان اس سے احتراز کرتے ہیں یہ امور غیر مسلم سے بھی سرزد ہو جاتے ہیں صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے کہ دجال بھی کرامتیں دکھائے گا شاہ عبد العزیز فرماتے ہیں

"خرقِ عادت[1] شش قسم است، اول معجزہ کہ بمقابلہ کفار از نبی خواہ از ولی دیگر کرامت از نبی یا ولی، سوئم ارہاص کہ پیش از نبوت صادر شود بلکہ پیش از ولایت بلکہ پیش از وجود، چہارم برائے عامۂ مومنین اجابت دعا وغیرہ خواہ زاہد باشد یا فاسق پنجم۔ آنکہ از کفار کہ بمقابلہ و دعویٰ وقوع یابد آنرا استدراج گویند ششم اہانت کہ مخالفِ دعویٰ واقع شود

اسی کتاب میں دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

[1] ملفوظات صفحہ ۹۶

زاہدؒ سے عرض کرد کہ خرقِ عادت و کرامات کہ نقل میکنند
راست است یا از جہت امتداد زمان و اختلافِ روایات باین نوبت
رسیدہ ارشاد فرمود مبالغہ ہم راہ یافتہ لیکن خرقِ عادتِ بعضے مثل غوث الثقلین
متواتر رسید کہ انکارش نمی تواند شد و از زمانِ سابق بسیار ایں نوع می آید موجبش
آنکہ دخل در خرقِ عادت ریاضاتِ شاقہ را بسیار بود حالا آنچنان ریاضت کم شود

حضرت رابعہ بصری کا ارشاد ہے۔

"اگر در ہوا پری مگسی و اگر بر دریا آئی خسی اگر دل بدست آوری کسی۔"

خواجہ بایزید نے فرمایا ہے "اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ ہوا میں اڑتا ہے تو دھوکا نہ کھاؤ۔ بر دیکھو کہ وہ حدود شریعت کی حفاظت میں کیسا ہے۔"

صاحب نوز المرام لکھتے ہیں "اگر تم کسی مرد کی طرف دیکھو کہ وہ اسقدر کرامات دکھائے کہ وہ ہوا پر بلند ہوتا ہے تو اس سے فریب مت کھاؤ یہاں تک کہ اس کو دیکھو

کہ اس کا حال حدودِ شرع میں کیسا ہے۔

کرامت کا چھپانا اولیا اللہ پر واجب ہے مگر ضرورت کے وقت یا خدا کے حکم کے ساتھ یا حالِ غالبیت کے وقت جسمیں اختیار باقی نہ رہے یا واسطے تقویتِ ایمان بعض مریدین کے

اولیائے کرام کے نزدیک کرامت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے حضرت حاجی امداد اللہ فرماتے ہیں

"کشف و کرامات را چیزے نخرند"

بعض بزرگوں نے کرامت کی دو قسمیں قرار دی ہیں ایک کرامتِ حسی یعنی یہی ظاہری کشف و خرقِ عادت اسکو اولیائے کرام چھپاتے ہیں اور اس کا کمالِ باطنی سے کوئی تعلق نہیں دوسرے کرامتِ معنوی یعنی پابندیٔ سنت و استقامت علی الشریعت اکثر بزرگوں نے فرمایا ہے

"صد کرامت و یک استقامت"

یعنی سو کرامتوں پر ایک استقامت کو فضیلت ہے

ملفوظات صفحہ مطبوعہ مطبع مجتبائی ۱۳۱۴ھ نوز المرام صفحہ ۱۴۲، ۱۴۳ ضیاء القلوب مطبع خیر خواہ سرکار سہارنپور ۱۳۲۱ھ

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسولِ کریم نے فرمایا
"استقیموا ولن تحصوا وتعلموا"
یعنی استقامت اختیار کرو اسکی حد کو تم دریافت ہی نہیں کر سکتے۔
کشف میں غلطی و اشتباہ بھی ہو جاتا ہے اسکے متعلق ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

مال

مصنوعی صوفیوں نے بعض ایسے اقوال گھڑے ہیں جن میں مال کمانے اور مال جمع کرنے کی مذمت کی ہے
حضور نے فرمایا ہے کہ صالح آدمی کے لئے صالح مال اچھا ہے۔ حضور نے حضرت انس صحابی کو کثرتِ مال و افراد کی دعا دی تھی۔
حضور نے فرمایا ہے "سوال نہ کرو" جب تک مال نہ ہو گا سوال سے آدمی کیوں کر باز رہے گا۔ حضور نے فرمایا ہے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑو، خواجہ جنید بغدادی نے فرمایا ہے کہ زیادہ کماؤ تاکہ کبھی بیماری وغیرہ میں کام آئے۔
حقیقت میں اس مال کے کمانے اور جمع کرنے کی مذمت ہے جو ناجائز طریق سے کمایا جائے اور بخل سے جمع کیا جائے اور جمع کرنے سے نمائش و غرور مقصود ہو۔

مجدد

ابو داؤد کتاب الملاحم میں روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خداوند ذو الجلال ہر صدی میں ایک مجدد مقرر کرتا ہے۔
درحقیقت ہر زمانے میں غیر سعادتمند عنصر کی وجہ سے گمراہیاں پھیلتی ہیں چونکہ حضور علیہ السلام خاتم النبیین تھے اس لئے اب کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا اصلاحِ خلق اور گمراہیوں کا ابطال اولیاؤ علماء کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ ہر ولی اور ہر عالم بل کچھ نہ کچھ اصلاح کرتا ہے مگر وہ بزرگ جو کثرت کے ساتھ اصلاحات کی ترویج و اشاعت کرے مجدد ہوتا ہے۔ مجدد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ مجددیت کا دعویٰ کرے یا اسکی مجددیت پر خاص شواہد ہوں بلکہ مجدد تصحیحِ عقائد و خیالات اصلاحِ خواص و عوام، خدمتِ علومِ دینی سے پہچانا جاتا ہے۔ سب سے پہلے حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے مجددِ اول حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ

اور ان کے بعد امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کو قرار دیا پھر اور بزرگوں نے مختلف حضرات کو مثل حافظ ابن شریح، امام ابو الحسن اشعری، امام باقلانی، امام غزالی، امام رازی امام بلقینی، حافظ زین الدین عراقی، امام سیوطی، امام بخاری اور بعض بزرگوں کو مجدد قرار دیا۔ بعض ائمہ اور بزرگوں نے امام ابن شہاب زہری، امام قاسم بن محمد، امام حسن بصری، امام ابن سیرین، امام باقر، شیخ یحییٰ بن حصین، امام نسائی، امام حاکم صاحب مستدرک، شیخ ابراہیم بن حسن کردی نزیل مدینہ، شیخ صالح بن محمد ابن الفرح نزیل مدینہ شیخ شہاب الدین سہروردی اور بعض بزرگوں کو بھی مجددین میں شمار کیا ہے حضرت علامہ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شیخ احمد سرہندی کو سب سے پہلے مجدد تسلیم کیا۔ ان کے بعد ہندوستان میں شاہ ولی اللہ، حضرت سید احمد بریلوی، حضرت مولینا اسماعیل شہید کو مجدد کہا گیا تیرھویں صدی ہجری میں مولانا محمد قاسم، مولینا رشید احمد کو اکثر اکابر مجدد سمجھتے تھے

میں نے بزرگوں سے یہ بھی سنا ہے کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر صدی میں ایک ہی شخص مجدد ہو بلکہ چند بزرگ بھی ایک زمانے میں یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔

علم حقیقی

وحدۃ الوجود ہو یا وحدۃ الشہود یہ دونوں فوقی درجہ رکھتے ہیں بڑے بڑے شیوخ نے ان مسائل کو اصطلاحاتِ خاص کے ساتھ منتہی سالکین کے افہام و تفہیم کے لئے لکھا ہے

بزرگان متقدمین میں سے کسی نے عام مجمعوں میں اس قسم کی گفتگو نہیں کی اب یہ کیفیت ہے کہ نہ لوگ علم سے واقف ہیں نہ قدیم اصطلاحات سے۔ بھرے مجمعوں میں جن میں برنا و پیر و صغیر و کبیر، ذکور و اناث، جاہل و خواندہ الغرض سب ہی موجود ہوتے ہیں ہر صوفی علی الاعلان وحدۃ الوجود کا دم بھرتا ہے۔ متقدمین میں سے صدیوں میں ایک منصور کا ذکر ہے مگر فی زمانہ فیصدی نناوے منصور ہیں یہ کیا ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو ان کیفیتوں کی ہوا بھی نہیں لگی کچھ اردو کے رسالوں میں پڑھ کر کچھ ادھر ادھر سن کر جو چاہتا

ہے کہہ دیتے ہیں مگر جو صاحبِ کیفیت ہیں ان کے لبوں پر مہر لگی ہوئی ہے،

"جو ظرف کہ خالی ہو صدا دیتا ہے اکثر"

اسی طرح قدیم تصانیف اور ناقابلِ اعتماد تصانیف و مضامین کی بنیاد پر صوفیوں میں شامل ہونے کے لئے

تصوف کے نام پر رسالے لکھنے شروع کر دیئے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں اپنی فہم کے موافق لکھ دیتے ہیں۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

جو لوگ تصوف و معرفت کا دعویٰ کرتے ہیں انکے متعلق خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

"اگر معرفت کا مدعی ہوگا تو سچ کہے گا یا جھوٹ۔ اگر سچ کہتا ہے تو جو صادق ہوتے ہیں وہ اپنی تعریف آپ نہیں کرتے اگر جھوٹ بولتا ہے تو جھوٹ بولنے والا عارف نہیں ہو سکتا"

مذاہب عالم اور تصوف

ڈاکٹر لنکن پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی نے لکھا ہے۔

"تمام اعلیٰ ترقی یافتہ مذاہب میں تصوف اس قدر لازمی عنصر ہے کہ میرا خیال ہے اسلام میں اس کا ہمیشہ ایک اہم درجہ رہے گا۔"[1]

پروفیسر مذکور کا یہ خیال صحیح ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ تصوف، زہد و مکارمِ اخلاق کا نام ہے اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت اسی خدمت کے لئے ہوئی اس لئے ہر صحیفۂ آسمانی میں تعلیم موجود ہے اور دنیا کے قابلِ لحاظ مذاہب، زرتشتی و یہودیت، نصرانیت و بدھ مت وغیرہ یہ سب مذاہب انبیاء کے مذاہب تھے۔

چونکہ ان بانیوں نے کتب سابقہ میں تصرف کر کے اپنا مذہب مرتب کیا اس لئے وہ تعلیم بھی ان میں آگئی اور جسطرح دیگر صحیح عقائد وغیرہ متغیر ہوئے تصوف میں بھی تغیر ہو گیا صحائف انبیاء میں سب سے پہلی مکرم و منتظم کتاب توریت ہے اس کتاب میں وہی تعلیم تھی جو آدم سے لیکر یونس تک انبیاء و رسل کو خدا کیطرف سے عطا ہوئی تھی حضرت یونس کے بعد ان کی امت کے خود پسند و خود غرض لوگوں نے

[1] اسلامی تصوف اور لنکن صفحہ ۱۔

تحریف کی، مذہب توریت کے مجدد و مبلغ ایک پیغمبر حضرت عزیر علیہ السلام تھے زرتشت ان کا شاگرد تھا اس نے عزیر علیہ السلام کے بعد اپنا مذہب نکالا۔

پھر خداوند ذوالجلال نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور توریت کی تعلیم کی تصحیح انجیل کے ذریعے کی حضرت مسیح کے بعد ان کی امت نے انجیل میں بھی تحریف کی لہذا آخر میں خداوند کریم نے اصلاح عالم کے لیے پیغمبر آخر الزمان محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کو اپنا آخری عملی قانون عطا فرمایا۔ جس کا نام قرآن ہے قرآن میں بھی دین مذہب، وہی ایمان و مذہب کے اصول ہیں اور وہی اخلاقی تعلیم ہے جو صحیفۂ آدم اور دیگر انبیاء کے صحائف اور توریت و زبور و انجیل میں تھی صرف بعض فروعی، معاشی و معاشرتی مسائل میں حسب مقتضائے وقت اختلاف کیا گیا ہے۔

اس لیے تمام مذاہب عالم میں بعض اخلاقی مصالح اور مذہبی احکام مشترک نظر آتے ہیں یہی صورت تصوف کی ہے جن ادیان کو انسانوں نے صحف سماوی میں تغیر کر کے مدون کیا انہیں اور عقاید و اعمال کے ساتھ مسائل تصوف بھی بدل گئے۔ چنانچہ مسیحی تصوف کے متعلق ایک اہل قلم نے لکھا ہے۔

اکثر علمائے یورپ کا خیال ہے کہ مسیحی تصوف، خود مذہب یہود سے مستعار لیا گیا ہے۔

مرشد

مرشد یعنی پیر کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس سے بیعت کی جائے اور دوسرا وہ جس سے بغیر بیعت کے فیض حاصل کیا جائے مؤخر الذکر کو پیر صحبت کہتے ہیں اور اول کو پیر بیعت۔

مروجہ تصوف

صوفیوں میں جو تصوف رائج ہے وہ یونانی ایرانی ہندی اور اسلامی تصوف کا معجون مرکب ہے اس پر کسی طرح اسلامی تصوف ہونے کا اطلاق نہیں ہو سکتا حضرت غوث پاک کی تصانیف فتوح الغیب اور غنیۃ الطالبین، خواجہ علی ہجویری کی کشف المحجوب، خواجہ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف دیکھنے سے مروجہ تصوف اور اسلامی تصوف کا فرق صاف نظر آ جاتا ہے۔

غلام دستگیر رشید ایم اے لکھتے ہیں۔

عہ آفتاب صفحہ ۱۲ مسلم یونیورسٹی پریس علیگڑھ ۱۳۶۰ھ

"مسلکِ[1] تصوف، اسکی بنیاد اور حقیقت کے متعلق مختلف طبقات میں مختلف قسم کی غلط فہمیاں اور غلط بیانیاں امتداد زمانہ سے پیدا ہوئیں مستند اصحابِ طریقت اور اربابِ معرفت اس امر پر متفق ہیں کہ تصوف اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کیا جائے یعنی اپنے آپ کو ظاہر و باطن میں آیۂ کریمہ (اخلصوا دینهم لله) کا مصداق بنایا جائے خدا کی محبت میں محبوبِ خدا کا اتباع کیا جائے"

خورشید الاسلام صاحب صدر مجلس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لکھتے ہیں۔

تصوف[2] آریائی دماغ کا ردِ عمل ہے صوفیانہ عقائد مسیحی افکار کے رہینِ منت ہیں یہ اعتقادِ فلسفۂ یونان کی صدائے بازگشت ہے متاخرین کا تصوف جو اچھا خاصا فلسفہ بن کر رہ گیا ہے اور جس میں بہت سے زائد عقائد و اشغال شامل ہو گئے ہیں ہرگز خالص اسلامی تصوف نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت بایزید اور حضرت جنید سے پہلے تصوف ایک قسم کی زاہدانہ اور قناعت پسندانہ زندگی کا نام تھا۔ تصوف بذاتِ خود ایک محمود عقیدہ ہے تصحیح خیال اور تہذیبِ اعمال کے لیے اس سے زیادہ کوئی مؤثر طریقہ نہیں لیکن ہر تحریک کی طرح آخر اسمیں بھی مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔

غرض مروجہ تصوف میں آریائی تخیل، گوتم بدھ تصوف، ایرانی اور مسیحی تصوف کا زیادہ دخل ہے۔ اسلامی تصوف کا عنصر بہت کم ہے اس کا فائدہ بس اسیقدر ہے جو شیخ علی حزین نے فرمایا ہے "تصوف برائے شعر گفتن خوب است"

آج مسلمانوں پر جو ادبار نازل ہے اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ عوام اور خواص کے عقائد و اعمال میں توہمات اور خلاف شرع و سنت امور داخل ہو گئے ہیں۔

حضرات صوفیائے کرام جنکا اشاعتِ اسلام اور قومی ترقی میں بڑا حصہ تھا آج ان کے نام پر بیہودہ تبلیغ کرتے ہیں نہ سیاسی و علمی معاملات میں رہنمائی کرتے ہیں نہ بگڑے ملکی امور سے واسطہ رکھتے ہیں ان امور کو وہ کبھی نہیں سکتے کیونکہ وہ خود دولتِ علم سے محروم ہیں ان کا کام صرف لوگوں کو مرید کر کے نذرانہ وصول کرنا اور گانا بجانا سن کر پیٹ کا ایندھن بنانا ہے۔

مروجہ تصوف کے متعلق ڈاکٹر محمد مصطفیٰ حلمی نے اپنی کتاب تاریخ تصوف اسلام

[1] شمس معنوی صفحہ ۱۶۴ سعادت پریس اعظم گڑھ ۱۳۴۲ء [2] رسالہ آفتاب صفحہ ۱۵۱ و ۱۵۲ بابت ۱۹۶۰ء یونیورسٹی پریس علیگڑھ ۱۳۶۰ھ

میں ایک نہایت ہی لطیف و صحیح رائے نقل کی ہے۔

" تصوف حال تھا لیکن اپنے دور انحطاط میں برا حال بن گیا وہ اجتناب تھا اب اس نے اکتساب کی صورت اختیار کر لی وہ استتار تھا مگر اب وہ اشتہار نظر آنے لگا ہے وہ حدود کی عمارت تھی مگر اب غرور کا مرکز بن گیا ہے پہلے وہ تقشف تھا مگر اب اس نے تکلف کا جامہ پہن لیا ہے پہلے وہ تخلق تھا اب متخلق بن گیا ہے پہلے وہ قناعت تھا مگر اب اس نے خجالت کا روپ بھر لیا ہے

مشابہت

حضور نے فرمایا ہے (من تشبہ بقوم فھو منھم) جس نے کسی قوم کی مشابہت پیدا کی وہ انہیں میں سے ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابو العباس احمد مفتیٔ شام نے اپنی کتاب صراط مستقیم میں اس عنوان کا ایک باب باندھا ہے اور (خالفوا المشرکین) اور حدیث مرقومہ بالا کی تشریح کی ہے

اس باب میں انہوں نے کفار کے ان مراسم کو لکھا ہے جو مسلمانوں میں رائج ہو گئے ہیں۔

قبروں کا طواف کرنا ایام جاہلیت کی رسم تھی اب اسکی مثل قبروں کا طواف کرنا ایجاد کیا گیا ہے یہ ہرگز اسلام کی رسم نہیں ہے اسلئے اجتماع کرنا اور اکٹھے ہو کر قبور کے پاس گانا بجانا منکرات سے ہے۔

مشرکین کی یہ بھی عادت ہے کہ بت خانوں میں عبادت کے وقت ڈھول وغیرہ بجاتے ہیں اور ایسا کرنا، اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ اور اس کی رضامندی کا وسیلہ سمجھتے ہیں

قبر پرست بھی قبروں پر باجے اور ڈھول بجاتے ہیں اور قوالی وغیرہ جیسی ممنوع چیزیں باوضو ہو کر سنتے ہیں

میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت شیخ نے بہت تھوڑی مشابہتوں کا ذکر کیا ہے اس کتاب کا باب السلاسل دیکھیے کہ ہمارے صوفیاء نے کہاں کہاں کیسی کیسی مشابہتیں پیدا کی ہیں۔

معرفت عارف

خواجہ حسن البصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔
معرفت یہ ہے کہ اپنے میں خصومت اور دشمنی کا ذرہ تک، نہ پائے۔
خواجہ احمد بن عاصم رحمتہ اللہ علیہ ہمعصر خواجہ فضیل بن عیاض فرماتے ہیں:۔
معرفت کے درجے ہیں۔
(۱) اثبات وحدانیت (۲) ماسوا سے قطع تعلق کرنا (۳) صرف اسی کی عبادت کرنا۔ جو زیادہ عارف ہے وہ زیادہ خوف رکھتا ہے
" خواجہ ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ ۲۱۵ھ دونوں جہان میں خدا کے سوا کچھ معلوم نہ ہو یہ معرفت ہے۔
" خواجہ احمد خضرویہ ۲۳۲ھ رحمتہ اللہ علیہ "
معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ تو حق تعالیٰ کو دل سے دوست رکھے اور زبان سے یاد کرے اور ماسوا کے اپنے خیالات کو ہٹائے
" خواجہ ابو علی فرمانی رحمتہ اللہ علیہ ۳۷۷ھ "
" حق تعالیٰ سے نیک گمان کرنا معرفت کی غایت ہے اور اصل معرفت نفس کے ساتھ بدگمانی کرنا ہے "
" خواجہ زکریا ابن عطار رحمتہ اللہ علیہ ۳۰۹ھ "
" معرفت کے تین رکن ہیں ہیبت، حیا، امن "
" خواجہ امیر عبداللہ محمد بن افضل رحمتہ اللہ علیہ ۳۱۹ھ "
" معرفت میں سب سے بڑھ کر وہ ہے جو ادائے احکام شریعت میں زیادہ کوشش کرتا ہے۔ اور سنت کی متابعت و حفاظت میں زیادہ کوشاں رہتا ہے۔
" خواجہ ابراہیم بن داؤد الرقی رحمتہ اللہ علیہ ۳۶۹ھ "
" معرفت حق کے ثابت کرنے کا نام ہے "
" خواجہ جامی رحمتہ اللہ علیہ ۸۹۷ھ "
معرفت ربوبیت عبارت بود از باز شناختن ذات و صفات الٰہی در حضور تفاصیل احوال و حوادث و نوازل بعد از آنکہ بر سبیل اجمال معلوم شدہ باشد کہ موجود حقیقی و فاعل مطلق

اوست ۱۵۱ھ

خواجہ بایزید بسطامی کے ایک مرید نے عرض کیا کہ شیخ ابوالحسن بن عبداللہ معرفت میں گفتگو کرتے ہیں خواجہ نے فرمایا کہ وہ اتفاقیہ دریا کے کنارے پر گئے تھے اب بھنور میں پھنس گئے ہیں۔

دیکھو زمانہ حال کے صوفی اکثر اسپر گفتگو کرتے ہیں

"خواجہ منصور عمار رحمۃ اللہ علیہ زمانہ خلیفہ ہارون الرشید"

عارفوں کے لئے سب سے زیادہ عمدہ اور ضروری لباس، تقویٰ، زہد اور پرہیزگاری ہے۔

معرفت کی تین قسمیں ہیں (۱) معرفت حق تعالیٰ، یہ کثرت ذکر و عبادت سے حاصل ہوتی ہے (۲) معرفت ظاہر، یہ فرائض دین کے ادا کرنے سے حاصل ہوتی ہے (۳) معرفت باطن، یہ جب حاصل ہوتی ہے کہ آدمی راضی برضا کا رتبہ حاصل کرے

"خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ۲۴۵ھ"

عارف وہ ہے جو مخلوق میں رہتا ہے اور ان سے علیحدہ رہتا ہے عارف کا ادب سب سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ معرفت اسکو مؤدب بنا دیتی ہے عارف ہر ساعت ڈرتا ہے عارف وہ ہے جو سوائے خدا کے کسی کو خواب میں بھی نہ دیکھے

"خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ ۲۵۳ھ"

"شوق عارفوں کا سب سے برتر مقام ہے"

"خواجہ احمد علی خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ۲۷۰ھ"

عارف وہ ہے جو اپنا دل خدا کو دیدے اور خدمت خلق میں مشغول رہے صاحب استقامت ہو نہ کہ طالب کرامت کیونکہ نفس کرامت چاہتا ہے نہ کہ استقامت۔

"خواجہ یحیٰی معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ ۲۵۸ھ"

عارف وہ ہوتا ہے جو ذکر الٰہی سے زیادہ کسی شئی کو دوست نہیں رکھتا

"خواجہ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ۲۶۱ھ"

عارف باللہ کی یہ پہچان ہے کہ وہ خیر و عبادت اور خدا کی حمد و ثنا میں سے

علہ نفحات الانس صفحہ ۷ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۰۲ء

سے زیادہ مشغول رہے۔

"خواجہ ابو سعید رحمتہ اللہ علیہ ۲۸۶ھ"

انسان جب تمام چیزوں سے بے پرواہ ہو جائے تب عارف ہو سکتا ہے۔

"خواجہ عبداللہ منازل رحمتہ اللہ علیہ ۳۲۱ھ"

عارف وہ ہے کہ کسی چیز پر اسکو غرور پیدا نہ ہو۔

"خواجہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ ۳۳۴ھ"

عارف خدا کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا نہ اسکے سوا کسی کے کلام کو زبان پر لاتا ہے نہ اسکے سوا کسی کو اپنا محافظ خیال کرتا ہے۔

"خواجہ معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ"

"عارف وہ شخص ہے کہ جو چیز اس کے دل میں خدا کے سوا ہو اسکو نکال دے"

عارف وہ شخص ہے کہ چپ رہے اور غمگین رہے عارف علم کے تمام امور سے واقف ہوتا ہے عارف کی صفت آفتاب کی سی ہے، تمام دنیا اسکے نور سے معمور ہے۔ دنیا کی کوئی چیز اس کے فیض سے محروم نہیں ہوتی [۱]

عارف وہ ہے جو اپنے دل کو دونوں جہان سے ہٹالے عارف کا سب سے بڑا درجہ یہ ہے کہ عجب و غرور گھمنڈ سے توبہ کرے [۲]

رسول اللہ نے فرمایا کہ معرفت رأس المال ہے [۳] رأس المال اس مال کو کہتے ہیں جس کے بغیر تجارت نہیں ہوسکتی، معرفت کے معنی لغت میں شناخت کے ہیں۔

معرفت کی ابتدا النفس انسانی کی شناخت سے ہوتی ہے، حدیث مذکورہ بالا میں معرفت کو رأس المال اس لئے فرمایا ہے کہ سلوک کی ابتدا معرفت سے ہوتی ہے جبکہ انسان کو اپنے عبد اور خدا کے معبود و مالک ہونے کی شناخت ہوتی ہے۔ معرفت سے ہیبت پیدا ہوتی ہے جس کو معرفت حاصل ہو گئی اس کو خوف خدا بہت زیادہ ہوگا حضور نے فرمایا ہے کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کا عرفان رکھتا ہوں [۴]

---

[۱] نفحات العارفین [۲] سوانح عمری خواجہ غریب نواز [۳] فردوس [۴] فردوس

معصوم

انبیا کے سوا کوئی صحابی، کوئی امام، کوئی پیر فقیر اور کوئی ولی معصوم نہیں ان حضرات سے بھی غلطیاں ہوتی ہیں اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ مشائخ کے اقوال کو کتاب و سنت سے جانچنا چاہیئے، امام قشیری فرماتے ہیں:-

طالب[1] کو یہ نہ چاہیئے کہ مرشد کے معصوم ہونے کا عقیدہ رکھے اگر مرشد سے کوئی امر خلاف سنت دیکھے تو فوراً بدظن نہ ہو، بلکہ ان سے دریافت کرے اگر اس کو مخالفتِ سنت پر مصر پائے تو قطع تعلق بہتر ہے اولیائے کرام سے گناہ بھی سرزد ہو سکتا ہے شاہ عبدالعزیز نے خواجہ جنید بغدادی کا قول یوں نقل فرمایا ہے[2]

شخصے از حضرت جنید سوال کرد کہ عارف زنا می کند خاموش ماند باز استفسار کرد فرمود اگر مقدر باشد چرا نکند

ندا

خدا کے سوا کوئی حاضر و ناظر نہیں کہ اس کو ندا کی جائے اس لئے یارسول اللہ کہنا جائز نہیں۔ صلوٰۃ و سلام کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے لیکن یا رسول اللہ کہنے سے شرک لازم نہیں آتا ہاں عوام کے عقیدے کی خرابی کے لحاظ سے اس سے پرہیز لازم ہے اور یا غوث یا خواجہ وغیرہ کہہ کر ندا کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

نسبت

ریاضت سے سالک کے قلب میں وصول الی اللہ کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے پھر بفضلِ الٰہی اس کے قلب کو مطلوبِ حقیقی سے ایک جذبی تعلق پیدا ہو جاتا ہے اس کو نسبت، سکینہ اور رحونہ کہتے ہیں اس نسبت کے ضعف و قوت کا انحصار تقویٰ و طہارت پر ہے۔ مخالفتِ سنت اور اعمالِ خلافِ شریعت سے یہ نسبت سلب ہو جاتی ہے۔

نکاح

بعض صوفی باوجود استطاعت کے نہیں کرتے اور اس کو تصوف کے خلاف سمجھتے ہیں یہ کبھی بدھ، ہندو، عیسائی، یہودی اور درویشوں کا مسلک ہے اگر کوئی

[1] رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۸۲ [2] ملفوظات صفحہ ۱۵

معذور ہی نہ ہو تو نکاح کرنا سنت ہے اور اسکی سخت تاکید ہے ایک صاحب استطاعت صحابی کے متعلق حضورؐ کو معلوم ہوا کہ انہوں نے نکاح نہیں کیا تو آپ نے ان سے فرمایا۔
تم شیطان کے بھائی ہو اگر تم عیسائی ہوتے تو راہب ہوتے، ہماری سنت نکاح ہے۔ تمہارا بیوی کے پاس جانا صدقہ ہے۔

وحدت الوجود

وحدت الوجود یا ہمہ اوست یعنی سب وہی ہے سب خدا ہی ہے۔ یہ مسئلہ موجودہ نام نہاد تصوف کی روح رواں ہے اس مسئلے کا اظہار قرون ثلاثہ میں نہیں ہوا، مورخین اس کو سنہ ھ ہجری کی پیداوار کہتے ہیں۔ یہ ایسا نازک مسئلہ ہے جس سے انسان عینیت اور اتحاد و حلول تک پہنچ جاتا ہے۔ خورشید الاسلام صاحب لکھتے ہیں [1]

"ہندو مذہب کے تصوف اسلامی اور تصوف کے وحدت الوجود کو ایک دوسرے سے جدا کرنا دشوار ہے"

وحدت الوجود کا مسئلہ ایسا باریک ہے کہ اس پر عقیدہ قائم کرنے، دلائل و تاویلات کرنے اور گفت و شنید کرنے سے آدمی رسول کریمؐ کے اس ارشاد کا مصداق بن جاتا ہے

"ہلاک ہوئے گہرائی میں جانے والے"

اس قسم کے مسائل میں غور و فکر و گفت و شنید کرنا خطرے سے خالی نہیں حضورؐ نے فرمایا ہے۔

"خدا کی ذات میں غور و فکر نہ کرو بلکہ اسکی نعمتوں میں غور کرو"

تذکرہ نویسوں اور صوفیوں نے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ شیخ اکبر کی ایجاد ہے مجھے اس کا یقین نہیں کیونکہ حضرت شیخ بڑے محدث اور پابند سنت تھے انہوں نے کیوں کر خلاف سنت راہ اختیار کی ہوگی کیونکہ حضورؐ نے فرمایا ہے "ایسی باتیں نہ کرو جسکو لوگ سمجھ نہ سکیں"۔

محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ کے ہمعصر ہیں انہوں نے ان امور پر جو شیخ کی طرف منسوب تھے اور صوفیوں کے عقائد و اعمال پر ایک ایک کر کے اعتراضات کئے ہیں اور سب کا ذکر کیا ہے مگر اس مسئلہ کا کچھ ذکر نہیں کیا اگر یہ مسئلہ شیخ کا ایجاد

[1] آفتاب صفحہ ۱۴۴ / ۱۸۲۔

کردہ ہوتا یا اس زمانہ میں رائج ہوتا تو محدث موصوف ضرور اس کا ذکر کرتے اس کے ذکر
نہ کرنے سے اس طرف خیال جاتا ہے کہ یہ مسئلہ شیخ کی ایجاد نہیں اور نہ اس زمانے میں رائج
تھا۔

کہا جا سکتا ہے کہ محدث موصوف کی وفات کے بعد شیخ کچھ عرصہ زندہ رہے تو یہ
مسئلہ انہوں نے آخر زمانے میں رائج کیا ہوگا لیکن تحریف کرنے والوں کی وسیع کارگزاری
پر جب نظر جاتی ہے تو اس کا یقین نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ فتوحات مکیہ ص۳۷۵ میں شیخ نے فرمایا ہے
"ہر عارف پر واجب ہے کہ اللہ اس کے قلب پر جو علوم اسرار عطوفت فرمائے
ان کو پوشیدہ رکھے"

اور باب ۳۶۹ میں فرماتے ہیں۔
"کسی انسان سے ممکن نہیں کہ ایسی چیز کی حقیقت کو عبارت میں کبھی لا سکے
جس کا طریق ذوق محض بلا کیف ہو"

حضرت کے ان ارشادات پر غور کرنے سے طبیعت کو وثوق ہوتا ہے کہ
حضرت نے اس کا اظہار نہیں فرمایا۔

توحید کی حقیقت ہے وہ ہم نے بزرگوں کے اقوال سے بیان کر دی ہے
یہاں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی مجمل تعریف لکھی جاتی ہے۔

وحدت الوجود۔ صرف ایک ذات باری تعالیٰ کا وجود مطلق ہے باقی سارے
وجودات اسی وجود مطلق کے تعینات ہیں اس خیال کا منشا ہمہ اوست ہے جیسے
ایک سمندر مختلف ممالک سے گزر کر مختلف نام پاتا ہے۔

وحدت الشہود۔ صرف ذات باری تعالیٰ کا وجود ہے باقی وجودات اسی ذات
واحد کے آثار و عکس اور سایہ ہیں۔ اس خیال کا منشا ہمہ از وست ہے جیسے ذرات
آفتاب سے چمک حاصل کرتے ہیں در حقیقت کچھ نہیں ہے۔

اسلام اور صوفیائے اسلام کا صاف اور صحیح عقیدہ وحدت شرعیہ ہے۔

وحدت شرعیہ۔ نہ خدا بندوں سے مشابہ ہے اور نہ خدا کی کوئی صفت بندوں
میں ہے نہ خدا بندے میں حلول کر سکتا ہے نہ بندہ خدا میں مل سکتا ہے

بعض مصنفین نے لکھا ہے کہ چھٹی صدی ہجری میں فرقہ حلولیہ کی جد وجہد سے حلول کا مسئلہ عام ہُوا اور اسی زمانے میں فلسفہ کا زور ہُوا۔ اس لیے عوام کو اتحاد وحلول سے بچانے کے لیے شیخ اکبر نے فلسفیانہ رنگ میں مسئلہ وحدۃ الوجود کو پیش کیا اس زمانے میں وسائل نقل وحمل اور مطابع وغیرہ نہ تھے زبانی تعلیم اور قلمی کتب پر مدار کار تھا۔ گمراہوں نے شیخ کے کلام میں تحریف کر کے اس مسئلے کو عام کیا۔ شیخ کے اہل سلسلہ نے تصحیح کی سعی کی لیکن نام نہاد صوفیوں کی وجہ سے وہ تصحیح زیادہ کامیاب نہ ہوسکی یہ خیال ضرور قیاس میں آجانے والی بات ہے درحقیقت شیخ نے جس طرح اس مسئلے کو پیش کیا ہوگا اور جو دلائل اس پر قائم کیے ہوں گے وہ ضرور صحیح ہوں گے لیکن تحریف کرنے والوں کی بدولت اب پتہ نہیں چل سکتا کہ موجودہ بیان میں کس قدر حصہ شیخ کا ہے۔ علامہ ابن خلدون اپنی تاریخ کے مقدمے میں لکھتے ہیں۔

صوفیا کا عقیدہ کہ انسان عالم صغیر ہے اور خدا عالم اکبر ہے اور وحدۃ الوجود کی موشگافیاں باطنیہ فرقہ کی ایجاد ہیں ان کے عقائد وخیالات، متاخرین صوفیائے دھوکے میں آکر اختیار کر لیے۔

درحقیقت اس مسئلے کا معاملہ بھی نہایت درجہ مشتبہ ہے اسلیے اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔ اس کے بیان کرنے اور تحریر میں لانے سے پرہیز لازم ہے۔

اولیائے عظام نے بھی عام طور پر اس مسئلے کے متعلق گفتگو کرنے سے منع فرمایا ہے شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی چشتی اپنے خلیفہ خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی کو ملفوظ میں رقم فرماتے ہیں۔

مسئلہ وحدۃ الوجود را برآشنا وبیگانہ نخوانند نہ برزبان آورند۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ سالک کو تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ خدا کو ہر جگہ حاضر وناظر اور موجود سمجھے اس کو اس قدر اس کی مشق کرائی جاتی ہے کہ وہ اس میں محو ومستغرق ہو جاتا ہے اور اس پر اسقدر جذب وکیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ خود کو اور سب کو بھول جاتا ہے اور محبوب حقیقی کے سوا اس کو کچھ نظر نہیں آتا نہ کسی اور طرف اس کا خیال جاتا ہے مگر درحقیقت یہ نہیں ہو جاتا کہ بندہ اور خدا ایک ہو جائے یا بندے کا وجود ہی نہ ہو صرف خدا ہی خدا ہو بلکہ اس کی آنکھیں اور اس کا خیال اپنے ہی مفقود

پر لگا رہتا ہے اس حالت میں اس پر سکوت و حیرت طاری ہوتی ہے اور کچھ زبان پر نہیں آسکتا اس ذوقی و وجدانی کیفیت کے ادا کرنے کے لئے اس کے پاس عبارت ہی نہیں ہوتی۔ نہ وہ اس پر قادر ہوتا ہے مولینا روم نے اس کے متعلق فرمایا ہے۔

چونکہ غالب گشت بر تو عشق او | او نظر آید بدان ہر چار سو
گر ہمہ حق او نظر آید ترا | نیست ہرگز فی الحقیقت ہکذا
بر لبش قفل است و در دل رازہا | لب خموش و دل پر از آوازہا

یہ مرتبہ درمیانی ہے اس سے نکلنے کی جلد کوشش کرنی اور ترقی کی سعی کرنی چاہیے لیکن جن حضرات کو یہ مرتبہ نصیب ہو جاتا ہے ان سے بھی فرائض و آداب شریعت ترک نہیں ہوتے اور بجز حیرت و سکوت کے کسی قسم کا شور و شغب نہیں کرتے کیونکہ یہ مقام وجدانی ہے شنیدنی و گفتنی نہیں شنیدنی و گفتنی امر فضول ہے۔

ہزار بار شکر شکر کہنے سے حلق شیریں نہیں ہو جاتا کثرت سے ہر موقع پر اس مسئلہ کا بیان کرنا صرف بدعقلیوں کا کام ہے

مدعی بن کر اگر بیٹھے رہے کیا حاصل۔ یہ سنا ہے کہ غوث قیمت گوہر ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس موقع پر انا الحق اور انا اللہ زبان سے نکل سکتا ہے بعض اولیاء کے متعلق ایسا مشہور بھی ہے میں عرض کرتا ہوں جو کچھ مشہور ہے وہ صحیح ثابت نہیں ہوتا اور جب سالک کو (انا) اور (انا اللہ یا حق) نظر آئے تو پھر وحدۃ الوجود کہاں رہا وہاں یا تو صرف (انا) چاہیے یا صرف (حق) یہ دو رُخی کیسی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر بولنے کا یارا ہی نہیں ہوتا۔

چونکہ اس موقع پر حلول و اتحاد و عینیت کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے بزرگان متقدمین نے مثل شیخ اکبر وغیرہ کے اس معاملہ کو اپنے منتہی مریدوں کو سمجھانے کے لئے کچھ تفصیل و تشریح کی اور مدلل و مفصل بیان دیئے لیکن ان مضامین میں اسقدر خلط ملط ہو گیا ہے کہ اصل مضمون و دلائل کا تلبیس سے جدا کرنا مشکل ہے اور اگر اصلی حقائق و دلائل سامنے آبھی جائیں تب بھی ان میں یہ نقص لازمی ہے کہ اصل حقیقت کو پوری طرح صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتیں اور وہ تمثیلات صحیح طور پر منطبق نہیں ہوتیں

ایسے ہی موقع پر عارف رومی نے فرمایا ہے۔

اے برون از حدِ قال و قیل من خاک بر فرقِ من و تمثیل من

لیکن نام نہاد صوفی کم علمی کی وجہ سے اس نکتے کو نہ سمجھ سکے لہٰذا انہوں نے ناکامیاب مثالوں پر عقیدہ قائم کر لیا۔ اور نا اہل مصنفوں نے ان امثلہ اور دلائل کو اسطرح توسیع دی کہ حلول و اتحاد کی دلدل میں پھنس گئے اور تاریکی پر تاریکی چھا گئی۔

منتہی سالکوں کا طریق توحید مشہود ہے۔ یہ مقام انبیاء علیہم السلام کا ہے اور ان کی عنایت و اتباع سے اولیا کو بھی نصیب ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں جب سالک اخلاقِ بشری اور مقتضیاتِ نفس سے پاک ہو کر کمالِ فنا پر پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو مرتبہ عبدیت میں لاتا ہے پہلے ماسوا اسکی نظر سے محجوب ہو گیا تھا پھر اللہ پاک ممکنات کو رفتہ رفتہ دکھلا کر مقام کی حقیقت کا مشاہدہ کراتا ہے اس مقام پہ شریعت کا پورا پورا اتباع ہوتا ہے اس مقام کے متعلق خواجہ جنید بغدادی نے فرمایا ہے "انتہائے سلوک شروع کی طرف لوٹتا ہے" یعنی ابتدا میں جسطرح تمام موجودات ذات باری تعالیٰ سے جدا دکھائی دیتے تھے اسی طرح انتہا میں نظر آتے ہیں اور اپنی عبدیت کا حقہ کھل جاتی ہے اس کے کیا کہنے جو اللہ کا بندہ ہو جائے۔

جب صوفیاء میں حلول و اتحاد تک نوبت پہنچنے لگی تو امام غزالی نے عقائد صوفیاء کی اصلاح کی لیکن اکبر بادشاہ کے زمانے سے پھر اوتار کے مسئلہ کا زور شروع ہو گیا تو حضرت مجدد صاحب نے صحیح مسئلہ یعنی توحید شہودی کو پیش کیا یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں کسی عالم علم ظاہر کو بھی چون و چرا کی گنجائش نہیں بلکہ اس پر سب متفق ہیں مجدد صاحب تحریر فرماتے ہیں[1]

"ہمہ از وست پر تمام علماء کا اتفاق و اجماع ہے"

اس ردو بدل کے متعلق خورشید الاسلام صاحب لکھتے ہیں[2]

"شیخ ابن عربی نے وحدت الوجود کو جو اب تک ایک وجدانی اور ذوقی چیز سمجھی جاتی تھی، ذہنی و استدلالی جامہ پہنا دیا اور تصوف کو خالص فلسفہ بنا دیا۔ خدا رحمت کرے امام غزالی پر کہ انہوں نے تصوف کو فلسفہ کی غلامی سے بچا لیا۔

[1] مکتوبات جلد دوم مکتوب ۱۷۔ [2] آفتاب صد ۲۰۲

مجدد الف ثانی نے وحدت الوجود کے مقابلے میں وحدت الشہود کا عقیدہ ثابت کیا

وحدت الوجود کا یہ مطلب ہے کہ اصل اور مستقل وجود خدا کا ہے باقی مخلوقات اس کے پرتو وجود سے موجود ہیں۔

اور سایہ یا پرتو ہمیشہ اس چیز کا غیر ہوتا ہے جس کا سایہ ہو مثلاً آدمی کا عکس جو آئینہ میں پڑتا ہے وہ آدمی کا غیر ہے خود آدمی آئینہ میں نہیں سماجاتا اس لیے مخلوق مخلوق ہے اور خدا، خدا ہے دونوں میں اتحاد نہیں۔ غرض وجود ایک ہی ہے یعنی صرف خدا کا وجود ہے باقی سب موجودات اس وجود کے عکس اور ظل ہیں لیکن حقیقت میں جدا جدا ہیں ہمارا دوسرا کوئی مستقل وجود نہیں ورنہ ہم اپنی بقا میں معاذ اللہ خدا سے بے پرواہ ہو جائینگے۔

یہی مطلب ہے شیخ عربی کی عبارت فتوحات مکیہ کا، وہ مطلب نہیں ہے جس کو اس زمانے کے کم علم صوفیا سمجھتے ہیں کہ خدا اور بندہ ایک ہے اور اگر اس قسم کا کلام ہم کو کسی امام یا شیخ کا ملے تو ہم کو چاہیئے کہ اس کو رد کر دیں کیونکہ وہ صاف و صریح طور پر قرآن و حدیث کے خلاف ہے ہم کو دین کے مسائل اور اعتقادات قرآن اور حدیث سے لینے چاہئیں۔ نہ فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ سے۔ افسوس ہے ان کی عقل پر جو جل جلالہ اور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال کو چھوڑ کر غیر مصدقہ اقوال کے پیچھے پڑے ہیں۔

خواجہ اجمیری نے فرمایا ہے[1] "خدا کی معرفت کے بعد خاموش رہنا بھی الدوالوں کی پہچان ہے"۔

میں عرض کرتا ہوں کہ وحدت الوجود وغیرہ جس طرح فی زمانہ رائج ہے اگر اسی طرح شیخ اکبر، عارف رومی، حافظ شیرازی وغیرہ اولیاے عظام تک صحیح طور پر بھی ثابت ہو جائے تو بھی سالک طریقت کو وحدۃ الشہود کا عقیدہ رکھنا چاہیئے کیونکہ اس کو ایک مجدد نے پیش کیا ہے مجدد کو اصلاح مذہب و اصلاح ملک میں خاص ملکہ حاصل ہوتا ہے۔

اس ورطہ وحدت الوجود میں پڑنا نہایت خطرناک ہے اس سے بچنے کی بڑے

[1] سیر الاقطاب

بڑے اولیاء اللہ نے آرزو کی ہے اور اسمیں بہت سے ہلاک ہوئے ہیں خواجہ شیرازی فرماتے ہیں

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار — کہ پیدا نشد تختہ بر کنار

بمردیم دریں موج دریائے خوں — کزو کس ندیدا نشت کشتی برون

ایسے مقام اور راہ سے بچ کر چلنا ہی بہتر ہے نہ اسکو بیان کرے نہ اسکی طرف زیادہ توجہ کرے — اگر عقل وعلم ونور سے دلائل صحیحہ کی روشنی میں غور کیا جائے تو اکابر یا علمائے کرام نے جسطرح اس مسئلہ کو لکھایا بیان کیا ہے اس میں اور وحدۃ الشہود میں کوئی فرق نہیں صرف الفاظ کا ہیر پھیر ہے دونوں صورتوں کا مدار وجود مطلق اور واجب الوجود جیسی اصطلاحات پر ہے اور یہ صحیح ہے لیکن وحدۃ الوجود کے مسئلے کی توضیح وتشریح میں جو دلائل قائم کیے گئے ہیں ان میں انتہائی تحریف سے ان کے عقائد و خیالات اس طرح خلط ملط ہو گئے ہیں کہ آج ان کا جدا کرنا سخت دشوار ہے اسلئے اس کٹھن اور خطرناک راہ کے طے کرنے کا سیدھا سادا راستہ وحدۃ الشہود ہے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کو اسطرح بھی بیان کیا گیا ہے

وحدت الوجود

کائنات کا وجود ظلی ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا اور حفاظت کے سبب سے موجود ہے یعنی ممکنات کا وجود حقیقی واصلی نہیں ہے عارضی وظلی ہے اب اگر وجود ظلی کا اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجود حقیقی ثابت ہوگا اور یہ وجود واحد کہا جائے گا۔

وحدۃ الشہود

اگر وجود ظلی کا اعتبار کیا جائے اور اسے بالکل معدوم نہ سمجھا جائے تو غلبہ وجود حقیقی کو ہوگا اگر سالک اس مقام پر ہو تو یہ وحدۃ الشہود ہے دونوں کا صحیح مطلب مفہوم یہی ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا باقی اہل قلم اپنے باعلم معتقدین کے لیے علمی وفنی اصطلاحات جس طرح پھیلا کر بیان کرنا چاہیں کر سکتے ہیں مگر بڑی سخت احتیاط کی ضرورت ہے اور عام معتقدین کو اس سے بچانا ضروری ہے۔ خواجگان کبار نے بغرض احتیاط ہی بعض اصطلاحات قائم کی ہیں

ولایت و شرائط ولایت

ولایت عطا کرنا کسی انسان کے اختیار میں نہیں۔ کثرت عبادت و ریاضت اور پابندی سنت سے یہ مقام ملتا ہے جو کچھ ملتا ہے اللہ تعالیٰ کے دینے سے ملتا ہے جب بندے کا اخلاص قبول ہوجاتا ہے تو یہ مرتبہ عطا کیا جاتا ہے علامہ ابن خلدون نے یہی لکھا ہے

"ولایت عبادت و طاعت پر موقوف ہے" خداوند ذوالجلال کا ارشاد ہے

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۔ اولیاء اللہ کو نہ خوف ہے نہ غم، وہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا۔ اس آیت سے ولایت کی دو شرطیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک ایمان لانا، دوسرے تقویٰ یعنی پرہیزگاری اختیار کرنا۔ ایمان کی تکمیل تصحیح عقائد سے ہوتی ہے اور تقویٰ درستی اعمال ظاہر یعنی پابندی شریعت سے حاصل ہوتا ہے جس قدر ان دونوں میں کمال حاصل ہوگا اسی درجہ کی ولایت ملیگی۔

ولایت کی قسمیں

درستی عقائد اور اعمال صالحے سے جو ولایت حاصل ہوتی ہے اس کو ولایت عامہ کہتے ہیں یہ ولایت ہر مومن کو حاصل ہوتی ہے

تکمیل ایمان و تقویٰ، کثرت عبادت و ریاضت سے جو ولایت حاصل ہوتی ہے اس کو ولایت خاصہ کہتے ہیں جس کو یہ ولایت حاصل ہو اسکو ولی کہتے ہیں۔

ولی کی شناخت

جس کو جس درجہ سنت پر استقامت ہوگی وہ اسی درجہ کا صاحب کمال ولی ہوگا۔ صاحب تذکرۃ الاخیار لکھتے ہیں [۲]

"ولی کی ولایت یہ ہے کہ اس کا ظاہر کمال شرع پر استقامت رکھتا ہو"

خواجہ جرجانی کا قول ہے [۳]

"صاحب استقامت ہو نہ کہ صاحب کرامت کیونکہ نفس کرامت چاہتا ہے اور خدا استقامت"

کشف و کرامت ولی کے لئے ضروری نہیں کیونکہ اولیائے کرام کو ان کی طرف بہت کم توجہ ہوتی ہے اور وہ اپنے مریدوں کو بھی اس راستہ سے بچانے کی کوشش

[۱] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۵۷ جلد اول حمید پریس دہلی [۲] تذکرۃ الاخیار فی اسرار الاسرار [۳] تذکرۃ الاخیار

کرتے ہیں" یہ چیزیں بعض اعمال سے حاصل ہوتی ہیں نورِ باطن سے الکا زیادہ تعلق نہیں ہے اسی طرح قبولیت دعا ولایت کی علامت نہیں ہے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "میں نے خدا وند ذوالجلال سے تین دعائیں کیں دو منقبول ہوئیں اور ایک قبول نہیں ہوئی۔

ولی معصوم نہیں ہوتا اس سے غلطی و خطا بھی ہو جاتی ہے مگر وہ متنبہ ہو کر تائب ہو جاتا ہے اور اس کو ترک کر دیتا ہے اگر کوئی صاحب سلسلہ ایسا ہو کہ اس کو ظاہر شرع کے خلاف امور پر اصرار و استقامت ہو تو یقیناً وہ ولی نہیں ہے کیونکہ ولی کو بدعات و معاصی پر اصرار و استقامت نہیں ہوتی بلکہ اس قسم کی باتیں اس سے اتفاقاً سرزد ہو جاتی ہیں اور آگاہ ہونے پر وہ نادم ہو جاتا ہے اور اس کو چھوڑ دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[۱] "خدا کے ولی سچے اور خوش خلق ہوتے ہیں"

۔ جو بندہ اپنے باطن کو درست کر لیتا ہے خدا اس کے ظاہر کو بھی درست کر دیتا ہے[۲]

(۳) اولیاء وہ ہیں جن کو دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے[۳]

(۴) اچھے آدمی وہ ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے[۴]

ہندوستان کے صوفیوں کے بعض مراسم

چشتیہ سلسلے کے ہندوستان میں تین خاندان بہت مشہور ہیں ان تینوں کے طور و طریق یہ ہیں۔

(۱) مرشد کی تصویر رکھتے ہیں اپنے فقراء کو قابل مضحکہ خطابات دیتے ہیں مزامیر کے ساتھ راگ سنتے ہیں حال کھیلتے ہیں کسبیوں اور امردوں کا گانا سنتے ہیں ان میں فیصدی ننانوے تارکِ صوم و صلوٰۃ ہیں ہر وقت وحدت الوجود کا دم بھرتے ہیں فیصدی ننانوے بے علم و کم علم ہیں۔

(۲) مزامیر کے ساتھ راگ سنتے ہیں کسبیوں اور امردوں کا گانا سنتے ہیں کسبی کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ ہم عشقِ مجازی کا درجہ طے کر رہے ہیں عورتوں کی طرح بالوں کا جوڑا باندھتے ہیں تارکِ صوم و صلوٰۃ ہیں ان میں بے علم اور کم علم کثرت سے ہیں۔

(۳) سرخ لباس اور چند زیورات پہنتے ہیں باقی امور فرقہ نمبر دو کی طرح کرتے ہیں صاحب شعر الہند نے حصہ دوم میں لکھا ہے کہ بعض صوفیہ لڑکوں کو منظرِ نظر

[۱] فردوس [۲] الحاکم فی التاریخ [۳] سنن ابی شیبہ و نوادر الاصول [۴] فردوس

بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مظہر الٰہی ہیں۔

ایک گروہ لوہے کی چیزیں بنا کر پہنتا ہے۔

ایک گروہ کوڑا پاس رکھتا ہے۔

ایک گروہ دھمال کھیلتا ہے۔

ایک گروہ گلے میں رسی باندھتا ہے۔

بہت سے گروہوں کے فقراء بھیک مانگتے ہیں

رفاعی فقراء سانپ کو چبا جاتے ہیں اور آگ کھاتے ہیں۔ رفاعیوں کی ایک قبر حیدرآباد دکن میں ہے اس کا سالانہ عرس ہوتا ہے ان کے بعض عجیب عجیب شعبدوں کی شہرت سن کر ایک مرتبہ میں بھی اس عرس میں گیا رفاعی فقراء خنجر یا چھری یا اور ایسے ہی آلات لے کر سر میں مار کر آر پار کر لیتے ہیں کبھی پیٹ میں نہ خون نکلتا ہے نہ زخم ہوتا ہے آنکھیں نکال کر باہر رکھ دیتے ہیں غرض ہزاروں آدمیوں کو اسی طرح کے عجیب عجیب تماشے دکھاتے ہیں مجھے صحیح طور پر یاد نہیں غالباً گیارہ کا عدد ہے وہ کہتے ہیں ہم اسی طرح گیارہ ضربیں لگاتے ہیں۔

الغرض جو کچھ مراسم عرس، چادر نمائی، قوالی، صندل، سجدہ، بوسہ، طواف وغیرہ آج صوفیوں میں رائج ہیں ان میں سے کوئی عمل بھی اسلامی نہیں ہے نہ خواجگانِ کبار نے یہ افعال کئے ہیں یہ تمام امور گناہ کبیرہ اور کفر و شرک کی باتیں ہیں ان کا کرنے والا ان پر راضی رہنے والا انہیں جائز سمجھنے والا اور استقامت رکھنے والا ولی، صاحبِ نسبت اور بزرگ نہیں ہو سکتا۔

یہ امور خواجگانِ کبار کے عہد میں رائج نہ تھے، عرصے کے بعد لوگوں نے ان کو رواج دیا ہے قرونِ ثلاثہ کے بعد جو امر دین میں داخل کیا جائے اسلام نے اس کو بدعت قرار دیا ہے خواہ وہ کسی پیر یا ولی نے کیا ہو اس کا موجد اور فاعل دونوں گنہگار ہیں چہ جائیکہ قرونِ ثلاثہ سے صدیوں کے بعد اور خواجگان کبار کی وفات کے بعد کوئی امر کیا جائے تو وہ یقیناً سراسر گمراہی ہے مرقومہ بالا امور کے متعلق خواجہ حسن نظامی کتاب فاطمی دعوت اسلام میں لکھتے ہیں خلفائے مشائخ چشتیہ نے ایک نئی رسم شروع کی اس کے اندر اقوام ہند کو کشش کرنے کی بڑی طاقت پائی گئی اور وہ

ط ۱۳۹۵ء نظامیت ص ۱۳۱

یہ تھی کہ دہلی میں ایک اسلامی جھنڈا کھڑا کیا گیا اور اس کے ساتھ نو مسلم لوگوں کے قافلے اجمیر شریف کے عرس میں حاضر ہوئے یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت خواجہ اجمیری رحلت فرما چکے تھے۔ اور دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا بھی انتقال ہو گیا تھا" اسی طرح تقریباً تمام امورِ مذکورہ بالا کے متعلق لکھا ہے کہ یہ سب باتیں خواجگان کبار کے بعد اقوام ہند کے عقائد و خیالات کی رعایت کے سبب مقرر کی گئیں ایسی مصلحتیں بزرگانِ اسلام میں نہ تھیں

نہ یہ امر اسلام میں جائز ہے لہذا یہ ایجادات سراسر بدعت اور خلاف اسلام ہیں آگے اس مصلحت اندیشی کی دلیل لکھتے ہیں "جس طرح قبائل عرب کے مسلمان ہو جانے کے بعد بھی کعبہ کا طواف باقی رکھا گیا تھا چشتیہ مشائخ نے بھی نو مسلم اقوام ہند کو اس سے نہ روکا کہ وہ بتوں کے طواف کی جگہ قبر کا طواف کرتے تھے" اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نظامی صاحب تاریخ اسلام و تاریخ کعبہ و عقائد اسلام سے پوری واقفیت نہیں رکھتے تھے وہ طوافِ کعبہ کو کفار عرب کا شعار سمجھتے ہیں، طوافِ کعبہ ارکانِ حج میں سے اور حج عہدِ آدم سے ہے عہدِ اسلام سے نہیں انھوں نے خود حج ادا کئے ہیں۔ جس طرح ملائک بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اسی طرح آدم علیہ السلام نے تعمیر کر کے بحکم خداوندی طواف وغیرہ ارکان حج ادا کئے طواف کافرانہ رسم نہیں ہے اس عمل کو جو مخصوص ارکانِ اسلام کے لئے ہے دوسرے مقاموں پر ادا کرنا جائز نہیں اس کے متعلق ہم گزشتہ ابواب میں صوفیوں کی رائیں بھی نقل کر چکے ہیں۔

مصنف

مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک وہ زمانہ بھی تھا جب مجھے تصوف سے سخت نفرت تھی اور میں صوفی کے لفظ سے بھی چڑتا تھا صوفیوں کو بے وقوف اور گمراہ سمجھتا تھا۔

پھر وہ زمانہ بھی یاد ہے، جب میں انتہائی مخالفت کرتے کرتے، بعض چشم دید واقعات و حالات کی بنا پر اپنے فیصلے پر نظرثانی کرنے لگا اور بالآخر رفتہ

رفتہ ان کی کتابیں پڑھ کر ان کا قائل ہو گیا۔

پھر وہ دور آیا کہ میں خود انہی جیسا ہو گیا، اللہ کو مجھ سے کام لینا تھا لہذا اس نے مجھے عالم کفر، عالم شریعت اور عالم طریقت کی خوب سیر کرائی۔

حقیقت یہ ہے کہ تصوف کی تاریخ وہی شخص لکھ سکتا ہے جو عالم ہونے کے باوصف اس مسلک سے آشنا بھی ہو جن علماء نے اس راہ میں قدم رکھے بغیر تصوف کی تاریخیں لکھی ہیں، وہ بے مزہ اور بے حقیقت ہیں

میں شریعت کا بغیر طریقت کے پابند رہا لہذا میں اس سے خوب اچھی طرح شناسا ہو گیا کہ اس کی پہنچ کہاں تک ہے۔ پھر طریقت بدون شریعت کے گلی کوچوں کی بھی سیر کی اور پھر طریقت و شریعت کی بہار دیکھی۔

تصوف ایک وجدانی چیز ہے، بغیر اس میں پڑے کوئی رائے قائم کرنا غلطی ہے اور ایسے لوگوں کی تصانیف و مقالات بے کار سے ہیں۔

میں نے ایک عرصۂ دراز تک سخت ترین مجاہدات کئے یہ بھی ایک عجیب و غریب عالم ہے اور مجاہدہ کا ایک خاص اثر ہے۔ ہر مراقبہ کا ایک خاص فائدہ ہے اور ہر ذکر کا ایک مخصوص رنگ ہے۔

میں اپنے قارئین کو اطمینان دلاتا ہوں کہ جو بھی مباحث اس کتاب میں آئے ہیں، اللہ کے فضل سے نہ صرف علمی طور پر بلکہ عملی طور پر میں ان کی حقیقتوں تک پہنچا ہوں۔

تصانیف پروفیسر عبدالصمد صارم الازہری

عربی تصانیف

المنتخب — پنجاب یونیورسٹی ایم اے عربی کورس مشتمل بر قصیدۂ زہیر، ذکری الشاعرین، قصائدِ حسان، قصیدۂ ہمزیہ، شوقیات، المفضلیات، انہار الاشعار، انتخابِ مقدمۂ ابنِ خلدون مقدمۂ ابنِ خلدون کی یہ فصلیں فاضل عربی پنجاب سیکنڈری بورڈ میں بھی داخل ہیں۔ قیمت مجلد دس روپیہ۔ ٹائپ میں چھپی ہے۔

الکامل للمبرد — باب من اخبار الخوارج داخل کورس ایم اے عربی پنجاب یونیورسٹی و داخل فاضل عربی سیکنڈری بورڈ لاہور مع ترجمہ و متن۔ قیمت چھ روپیہ مجلد

المقامات الخمس للحریری — داخل کورس فاضل عربی سیکنڈری بورڈ لاہور مع ترجمہ و قیمت تین روپیہ غیر مجلد۔

اساس العربیہ — جدید و قدیم ابتدائی عربی کورس، ڈائریکٹ میتھڈ میں لکھی گئی ہے۔ کتاب کے تین حصے ہیں۔ اور باتصویر ہے، بغیر استاد کے عربی ترجمہ سکھاتی ہے اور بڑی آسانی سے عربی نحو سکھا دیتی ہے۔ ایم اے عربی اور فاضل عربی کے طلبہ کے لئے مفید ہے۔ قیمت دو روپیہ ہر سہ حصہ، غیر مجلد۔ منظور شدہ گورنمنٹ۔

اللآلی — قیمت پچاس پیسے، یہ اردو اساتذہ کے اشعار ہیں صارم صاحب نے عربی نظم میں ترجمہ کیا ہے۔ ادارہ علمیہ ۵ وھنی رام روڈ۔ نئی انارکلی لاہور۔

البشائر — مطبوعہ مصر قیمت پچاس پیسے۔ اس کتاب میں وید وغیرہ ہندوستانی کتابوں سے رسول اللہ کی آمد کے متعلق بشارات ہیں۔ علامہ طنطاوی جوہری نے اسے پسند کیا۔

استاذ العربیہ — عربی مڈل کورس قیمت تین روپیہ۔ چار حصے۔ اس کا ایک حصہ عربی صرف و نحو پر ہے۔ منظور شدہ گورنمنٹ۔

عربی کی پہلی کتاب — مڈل کورس قیمت پچھتر پیسے۔ منظور شدہ گورنمنٹ۔

فارسی تصانیف

فارسی آموز تین حصے باتصویر، غیر مجلد۔ قیمت چھ روپیہ
یہ ابتدائی کورس ہے۔

محمود و فردوسی اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی۔ علمائے ایران و کابل نے پسند کی۔ قیمت دو روپیہ۔

انتخابِ فارسی نظم و نثر فارسی کا انتخاب۔
قیمت دس روپیہ۔

اردو تصانیف

تاریخ القرآن یہ کتاب تیسری بار چھپ چکی ہے۔ مصر، شام اور یورپ کے مصنفین نے اس کتاب کے حوالے اپنی تصانیف میں دیئے ہیں۔ مصنف نے نزولِ قرآن سے لے کر آج تک کے حفاظ، مفسرین، تصانیف و رجال وغیرہ کا بغیر کسی تعصب کے ہر مسلک و ملک کے علماء کے حالات درج کئے ہیں۔ وحی و قرآن سے متعلق جتنے بھی چھوٹے بڑے مباحث ہوسکتے ہیں۔ وہ سب اس کتاب میں آگئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے دست مبارک کے لکھے ہوئے قرآن مجید، مصحفِ عثمانیؓ، مصحفِ علیؓ اور مصحفِ قدیم بخطِ کوفی کے فوٹو شاملِ کتاب ہیں۔ طباعت و کتابت دیدہ زیب، مجلد، گرد پوش صفحات ۴۰۰۔ ہدیہ ساڑھے چھ روپیہ۔

ایم، اے عربی، فاضل عربی اور ایم، اے اسلامیات کے اساتذہ اور طلبہ عموماً اسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ منظور شدہ گورنمنٹ۔

تاریخ الحدیث تیسری بار چھپ چکی ہے۔ مصر، عراق و شام اور یورپ کے مصنفین نے اس کتاب کے حوالے اپنی تصانیف میں دیئے ہیں۔ دورِ رسالت سے اب تک کے تمام کوائف و مباحث تصانیف و رجالِ حدیث کا مکمل و مفصل ذکر ہے۔ طباعت و کتابت دیدہ زیب، مجلد، گرد پوش۔ قیمت ساڑھے چھ روپیہ۔ صفحات ۴۰۰۔

مذکورہ بالا امتحانات کے لئے مفید ہے۔ منظور شدہ گورنمنٹ۔

ادارہ علمیہ ۵۔ دھنی رام روڈ نئی انارکلی لاہور۔

تاریخ الفقہ | تیسری بار چھپ چکی ہے۔ ملکی اور غیر ملکی مصنفین نے اس کتاب کے حوالے اپنی تصانیف میں دیئے ہیں۔ مندرجہ بالا امتحانات کے لئے مفید ہے صفحات ۱۶۰۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب۔ مجلد قیمت چار روپیہ۔ سفید کاغذ۔

تاریخ التفسیر | کتاب میں حضرت امام حسن کے دستِ مبارک کے قرآن کا نمونہ اور دو نایاب ترجمہ و قرآن کے نمونے اور اس قرآن کا فوٹو شامل ہے جو پاکستان میں سونے چاندی کے تاروں سے لکھا جا رہا ہے۔ تیسری بار چھپ چکی ہے۔ ملکی و غیر ملکی مصنفین نے اس کتاب کے حوالے اپنی تصانیف میں دیئے ہیں۔ عہدِ رسالت سے لے کر اب تک کے تمام مفسرین و تفاسیر و تراجم کا ذکر ہے۔ قیمت مجلد چھ روپیہ صفحات ۱۶۰

اللّٰہ | مصر کے شہرۂ آفاق مصنف عباس محمود العقاد کی شہرۂ آفاق تصنیف اللہ کا ترجمہ۔ اردو میں اس سے بہتر تصنیف اس عنوان پر نہیں ہوئی۔ صفحات ۳۷۱ کتابت و طباعت اعلیٰ۔ مجلد۔ گرد پوش۔ ہدیہ آٹھ روپیہ پچاس پیسے۔

قصص القرآن | ایران کے مشہور مصنف علامہ صدر الدین بلاغی کی کتاب کا ترجمہ۔ تمام قرآنی قصوں کو نادلانہ رنگ میں پیش کیا گیا ہے اور خوبی یہ کہ کوئی بات بھی قرآن سے باہر نہیں گئی۔ ہدیہ آٹھ روپیہ پچاس پیسے مجلد گرد پوش۔ کتابت و طباعت اعلیٰ صفحات ۳۴۸۔

قرآنی اخلاق | آیاتِ قرآنی سے اخذ کی ہوئی اچھی اور بری عادتوں کا بیان، نہایت آسان فہم، چھٹا ایڈیشن طبع ہو چکا ہے۔ قیمت مجلد ایک روپیہ پچاس پیسے صفحات ۱۱۲۔

جواہر علوم قرآنی | علامہ طنطاوی جوہری کی شہرۂ آفاق تصنیف التاج المرصع کا ترجمہ۔ داخل فاضل عربی سیکنڈری بورڈ لاہور۔ قیمت چار روپیہ مجلد گرد پوش صفحات ۲۵۶۔

شعر العرب | امام ابن قتیبہ کی مشہور عالم کتاب الشعر و الشعراء ہر دو جلد کا مکمل ترجمہ۔ داخلِ ایم۔ اے عربی کورس پنجاب یونیورسٹی قیمت غیر مجلد آٹھ روپیہ مجلد دس روپیہ۔

المنجد | شہرۂ آفاق عربی ڈکشنری کا اردو ترجمہ۔ مجلد، گرد پوش۔ قیمت بتیس روپیہ۔

تاریخ تصوف | قیمت دس روپیہ صفحات ۴۰۰

روح روحانیات | زیرِ طبع۔ قیمت دس روپیہ صفحات ۵۰۰۔

تنقیداتِ طٰہ حسین مجلد، مطبوعہ ٹائپ۔ گرد پوش۔ قیمت چار روپیہ پچاس پیسے شعرائے دورِ جاہلی پر طٰہ حسین کی تنقیدات اور ان کا رد۔ اردو ادب میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ صفحات ۲۵۸

سفرنامۂ صارم مصر، شام، فلسطین، عراق و ایران کے چشم دید حالات۔ قیمت مجلد دو روپیہ، اس سفرنامہ میں ۱۹۴۰ء کے حالات ہیں۔ صفحات ۱۶۰

سفرنامۂ حج و زیارت مصر، شام، فلسطین، عراق، ایران، اور حجاز و عمان کے چشم دید حالات مع احکاماتِ حج و جملہ معلوماتِ حج۔ قیمت تین روپیہ صفحات ۲۳۲۔ اس سفرنامہ میں ۱۹۵۷ء کے حالات ہیں۔

خانہ کعبہ خانہ کعبہ کی مکمل تاریخ، شروع سے لے کر اب تک کے حالات۔ حجاج کے لیے تحفہ ہے۔ قیمت ایک روپیہ پچھتر پیسے۔ علامہ طاہر الکردی کی کتاب مقام ابراہیم کا ترجمہ صفحات ۱۷۱، سستا ایڈیشن۔

رابعہ بصری دو اولسکا کیلی (مصری) کی کتاب کا سلیس اردو ترجمہ۔ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے سستا ایڈیشن۔ صفحات ۱۳۴ تیسرا ایڈیشن چھپ چکا ہے۔ مجلد ڈھائی روپیہ۔

امیر معاویہ زکریا الصدولی کی کتاب کا ترجمہ سستا ایڈیشن۔ قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے۔ صفحات ۹۶

عمر بن عبد العزیز ترجمہ کتاب احمد زکی صفوت۔ صفحات ۴۰، سستا ایڈیشن۔ قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے۔

امام زین العابدین ترجمہ کتاب عبد العزیز سید الاہل صفحات ۹۶ قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے سستا ایڈیشن۔

ابوذر غفاری ترجمہ کتاب عبد الحمید جودۃ السحار سستا ایڈیشن۔ قیمت غیر مجلد دو روپیہ صفحات ۲۰۷۔ مجلد تین روپیہ

سیرتِ عثمانؓ ترجمہ تصنیف محمد رضا مصری قیمت چار روپیہ صفحات ۳۸۸ ترجمہ تصنیف محمد احمد جاد مولیٰ بک۔ قیمت تین روپیہ۔ صفحات ۱۸۷۔

	پیسے روپے		پیسے روپے
سیرت امام بخاری	۶۲ - -	حسین احمد مدنی	۷۵
ابنِ خلدون	۶۲ - -	شبیر احمد عثمانی	۲۵ - ۱
ابراہیم ادہم	۶۲ - -		

منظور شدہ مطابق سرکلر نمبر ڈی ای جی پی یو پی (۶۳-۱۵۶۶-۱۸۹۲)
مورخہ ۱۷-جنوری ۱۹۶۲ء ڈی ای کے رسکے مغربی پاکستان

حضرت خدیجہ	۷۵ پیسے	شاہ ولی اللہ	۷۵ پیسے
عائشہ صدیقہ	۷۵ پیسے	جمال الدین افغانی	۷۵ "
فاطمۃ الزہراء	۷۵ پیسے	سید احمد شہید	۷۵ "
زینب بنتِ فاطمہ	۷۵ پیسے	محمد عبدہٗ	۷۵ "
امام حسن	۷۵ پیسے	عبید اللہ سندھی	۷۵ "
امام زین العابدین	۷۵ پیسے	مولانا الیاس	۷۵ "
امام ابنِ قیم	۷۵ پیسے	جمال عبدالناصر	۷۵ "
امام ابنِ تیمیہ	۷۵ پیسے	اسماعیل شہید	۷۵ "
مولانا روم	۷۵ "	شکرِ نعمت	۷۵ "
فرید الدین عطار	۷۵ "	قاضی عز الدین	۷۵ "
حافظ شیرازی	۷۵ "	جریج عابد	۷۵ "
حیاتِ سعدی	۷۵ "	**قرآنی قصے**	
حضرت آدمؑ	۷۵ "	زلیخا	۷۵ "
حضرت نوحؑ	۷۵ "	حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ	۷۵ "
حضرت ہودؑ	۷۵ "	حضرت داؤدؑ	۷۵ "
حضرت صالحؑ	۷۵ "	ہابیل قابیل	۷۵ "
حضرت یوسفؑ	۷۵ "	حضرت عزیر	۷۵ "
حضرت ابراہیمؑ	۷۵ "	حضرت ایوبؑ	۷۵ "
حضرت اسماعیلؑ	۷۵ "	قارون	۷۵ "
حضرت ذوالقرنینؑ	۷۵ "	سدرۃ المنتہیٰ	۷۵ "
طالوت جالوت	۷۵ "	اصحاب القریہ	۷۵ "

التجاء

اجرِ تصنیفِ این کتاب خدا برساناد والدینِ مرا

خواہم از قاریانِ این تصنیف فاتحہ بہرِ این دو روحِ شریف

رحمتِ حق بہر دو باد قرین رحم اللہ من یقول آمین

تاریخِ تصوف

حضرت خواجہ معصوم ابوالعسوی۔

عبد الصمد صارم الازہری

ادارہ علمیہ ۵ وحسن مام روڈ، نئی انارکلی لاہور